سال نو نمبر

ردا ڈائجسٹ

JANUARY 2012

ماڈل: سیتا

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

نیا سال مبارک

جنوری 2012ء

جلد نمبر 17 شمارہ نمبر 1

قیمت 50 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

500 روپے



34535726

پبلشر و ایڈیٹر صالحہ محمود نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک۔2۔پی۔ای۔سی۔ایچ۔سوسائٹی، کراچی

مستقل سلسلے





صالحہ محمود

نیا سال مبارک ہو قارئین! سال نو کا سورج آیا سب کو خوش آمدید کہہ رہا ہے زندگی کی صبح پھر نمودار ہوئی سبز پتوں پر شبنمی قطرے بیدار ہوئے' رنگ پھولوں کے پھر ہنسنے لگے' زندگی پھر رواں دواں ہوگئی بس نام ہے یہ ہمارے بدلتے موسم کا اس رت کا جو آن پہنچی ہم سب کو خوش آمدید کہنے کے لئے' موسم' رنگ' حسن' سب کچھ ہے مگر خطرات میں گھرے ہوئے احساسات کو دائمی سکون کب' ہر لمحہ دھڑکتے دل کے ساتھ خوف بھی رہتا ہے' نجانے کب کیا ہوجائے' دعائیں عافیت پڑھتے رہیئے کہ بہت زیادہ اس کی ضرورت ہے وہیں ایک بہت اہم بات بھی ہے اور حدیث بھی کہ آپ اچھا سوچیئے وہی ہوگا جو ہم سوچتے ہیں' سوچ کا محور ہر چند کے بے حد حساس صورتحال سے گزر رہا ہے' مگر جہاں ہم نسلی گروہوں میں تقسیم ہوگئے ہیں' وہیں ہماری اپنی ایک پہچان مسلم بھی ہے کیوں کہ ہم کئی خداؤں کے بت پرست نہیں ہیں' ہمارا اللہ اور رسول ایک ہے بس اسی نے ہمیں دنیاوی آفتوں سے بچائے رکھا ہے جہاں ہم تنگ دل اور نظریاتی ہوگئے ہیں وہیں ایک یقین بھی ہے کہ وقت آنے پر اتحاد مسلمین ہمارے پاکستان کی بقاء ہے ہماری سرزمین کے اطراف میں گھیرے ہوئے خطرات مسلسل بڑھتے جارہے ہیں لیکن لفظ دعا میں بہت طاقت ہے تو اپنی دعاؤں میں اپنی آزادی کو یاد رکھیئے اور ہم پر فرض ہے کہ ہم اپنے ملک اور گھر کی سلامتی کی دعا کرتے رہیں تو چلتے ہیں پھر اسی گھر کے حوالے سے ایک بات یاد آئی کہ ردا آپ کے گھروں میں پڑھا جانے والا بے حد مقبول ڈائجسٹ ہے جس کی تیاری وقت' موسم اور حالات کے تحت کی جاتی ہے۔ سال نو نمبر کیسا لگا اپنی آراء ضرور بھیجیئے نئے لکھنے والے بھی ہمارے ساتھ ساتھ رہیں ہم انہیں گائیڈ لائن میں جگہ ضرور دیتے ہیں ہمیشہ اچھی کتابیں پڑھتے رہنا چاہیئے سیکھنے کا عمل آپ کو بہت کچھ دے کر جاتا ہے۔

(آپی)



صالحہ محمود

مسلمانوں کو تکلیف پہنچانا' بہتان لگانا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور جو لوگ مسلمان مردوں اور عورتوں کو بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی (ایسا کام کیا ہو جس سے وہ سزا کے مستحق ہو جائیں) ایذا پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں"۔ (احزاب)

ف: اگر ایذا زبانی ہے تو بہتان ہے اور اگر عمل سے ہے تو صریح گناہ ہے۔

مسلمان کو ستانا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مسلمانوں کو ستایا نہ کرو' ان کو عار نہ دلایا کرو اور ان کی لغزشوں کو نہ تلاش کیا کرو۔" (ابن حبان)

حضرت ابو برزہ اسلمیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اے وہ لوگو جو صرف زبانی اسلام لائے اور ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو اور ان کے عیوب کے پیچھے نہ پڑو کیونکہ جو مسلمانوں کے عیوب کے پیچھے پڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جس کے عیوب کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اسے گھر بیٹھے رسوا کر دیتے ہیں"۔ (ابوداؤد)

ف: حدیث شریف کے پہلے جملہ سے اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ مسلمانوں کی غیبت کرنا منافق کا کام ہو سکتا ہے مسلمانوں کا نہیں۔ (بذل المجہود)

راستہ بند کرنا

حضرت انس جہنیؓ کے والد فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گیا۔ وہاں لوگ اس طرح ٹھہرے کہ آنے جانے کے لیے راستے بند ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم نے لوگوں میں اعلان کرنے کے لیے ایک آدمی بھیجا کہ: "جو اس طرح ٹھہرا کہ آنے جانے کا راستہ بند کر دیا' اسے جہاد کا ثواب نہیں ملے گا"۔ (ابوداؤد)

برا بھلا کہنے پر خاموشی

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم تشریف فرما تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم کی موجودگی میں ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو برا بھلا کہا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم (اس شخص کے مسلسل برا بھلا کہنے اور حضرت ابوبکرؓ کے صبر کرنے اور خاموش رہنے پر) خوش ہوتے رہے اور تبسم فرماتے رہے۔ پھر جب اس آدمی نے بہت ہی زیادہ برا بھلا کہا تو حضرت ابوبکرؓ نے اس کی کچھ باتوں کا جواب دے دیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ وآلیہ وسلم ناراض ہو کر وہاں سے چل دیئے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم کے پیچھے پیچھے آپؐ کے پاس پہنچے اور عرض کیا۔ "یارسول اللہ (جب تک) وہ شخص مجھے برا بھلا کہتا رہا آپ تشریف فرما رہے پھر جب

میں نے اس کی کچھ باتوں کا جواب دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم ناراض ہو کر اٹھ گئے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جب تک تم خاموش تھے اور صبر کر رہے تھے تمہارے ساتھ ایک فرشتہ تھا جو تمہاری طرف سے جواب دے رہا تھا۔ پھر جب تم نے اس کی کچھ باتوں کا جواب دیا تو (وہ فرشتہ چلا گیا اور) شیطان بیچ میں آ گیا اور میں شیطان کے ساتھ نہیں بیٹھتا (لہٰذا میں اٹھ کر چل دیا) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ابوبکر! تین باتیں ہیں جو سب کی سب بالکل حق ہیں جس بندے پر کوئی ظلم یا زیادتی کی جاتی ہے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اس سے درگزر کر دیتا ہے (اور انتقام نہیں لیتا) تو بدلہ میں اللہ تعالیٰ اس کی مدد کر کے اس کو قوی کر دیتے ہیں جو شخص صلہ رحمی کے لیے دینے کا دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کو بہت زیادہ دیتے ہیں اور جو شخص دولت بڑھانے کے لیے سوال کا دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دولت کو اور بھی کم کر دیتے ہیں۔ (مسند احمد)

کبیرہ گناہ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وآلیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"آدمی کا اپنے والدین کو گالی دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے"۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! کیا کوئی اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ہاں (وہ اس طرح کہ) آدمی کسی کے باپ کو گالی دے پھر وہ جواب میں اس کے باپ کو گالی دے اور کسی کی ماں کو گالی دے پھر وہ جواب میں اس کی ماں کی گالی دے"۔ (اس طرح گویا اس نے دوسرے کے ماں باپ کو گالی دے کر خود ہی اپنے ماں باپ کو گالی دلوائی) (مسلم)

دعا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی:

"یا اللہ! میں آپ سے عہد لیتا ہوں آپ اس کے خلاف نہ کیجیے گا وہ یہ ہے کہ میں ایک انسان ہی ہوں' لہٰذا جس کسی مومن کو میں نے تکلیف دی ہو' اس کو برا بھلا کہہ دیا ہو' لعنت کی ہو' مارا ہو تو آپ ان سب چیزوں کو اس مومن کے لیے رحمت اور گناہوں سے پاکی اور اپنی ایسی قربت کا ذریعہ بنا دیجیے کہ اس کی وجہ سے آپ اس کو قیامت کے دن اپنا قرب عطا فرما دیں"۔ (مسلم)

دھوکا دینا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم ایک غلہ کے ڈھیر کے پاس سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک اس ڈھیر کے اندر ڈالا تو ہاتھ میں کچھ تری محسوس ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم نے غلہ بیچنے والے سے پوچھا۔

"یہ تری کیسی ہے؟"

اس نے عرض کیا "یارسول اللہ! غلہ پر بارش کا پانی پڑ گیا تھا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم نے بھیگے ہوئے غلہ کو ڈھیر کے اوپر کیوں نہیں رکھا کہ خریدنے والے اس کو دیکھ سکتے۔ جس نے دھوکا دیا وہ میرا نہیں" (یعنی میری اتباع کرنے والا نہیں) (مسلم)

..........☆☆☆..........

اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھانا

سیدنا جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک شخص بولا۔ "اللہ کی قسم' اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو نہیں بخشے گا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "وہ کون ہے جو قسم کھاتا ہے کہ میں فلاں کو نہ بخشوں گا۔ میں نے اس کو بخش دیا اور اس کے (جس نے قسم کھائی تھی) سارے اعمال لغو (بیکار) کر دیئے"۔

بدگمانی

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت مانگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو اجازت دو' یہ اپنے کنبے میں ایک برا شخص ہے۔ جب وہ اندر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے نرمی سے باتیں کیں تو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے تو اس کو ایسا فرمایا تھا پھر اس سے نرمی سے باتیں کیں"۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم نے فرمایا: "اے عائشہ! برا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت میں وہ ہو گا جس کو لوگ اس کی بدگمانی کی وجہ سے چھوڑ دیں"۔

درگزر کرنے کے بیان میں

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "صدقہ دینے سے کوئی مال نہیں گھٹتا اور جو بندہ معاف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور جو بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کرتا ہے"۔

مسلمانوں کو ایذا پہنچانا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور جو لوگ مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی (ایسا) کام کیا ہو (جس سے وہ سزا کے مستحق ہو جائیں) ایذا پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں"۔ (احزاب)

ف: اگر ایذا زبانی ہے تو بہتان ہے اور اگر عمل سے ہے تو صریح گناہ ہے۔

مفلس کون ہے؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (صحابہ رضی اللہ عنہم سے) ارشاد فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟" صحابی رضی اللہ عنہم نے عرض کیا" ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی درہم (پیسہ) اور (دنیا کا) سامان نہ ہو"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت سی نماز' روزہ' زکوٰۃ (اور دوسری مقبول عبادتیں) لے کر آئے گا مگر حال یہ ہو گا کہ اس نے کسی کو گالی دی ہو گی' کسی پر تہمت لگائی ہو گی' کسی کا مال کھایا ہو گا' کسی کا خون بہایا ہو گا اور کسی کو مارا پیٹا ہو گا تو اس کی نیکیوں میں سے ایک حق والے کو (اس کے حق کے بقدر) نیکیاں دی جائیں گی۔ ایسے ہی دوسرے حق والے کو اس کی نیکیوں میں سے (اس کے حق کے بقدر) نیکیاں دی جائیں گی پھر اگر دوسرے کے حقوق چکائے جانے سے پہلے اس کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو (ان حقوق کے بقدر) حقداروں اور مظلوموں کے گناہ (جو انہوں نے دنیا میں کیے ہوں گے) ان سے لے کر اس شخص پر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اس کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا"۔ (مسلم)

..........☆☆☆..........

صالحہ محمود

پہلی قسط

سلسلے وار ناول

رنگِ جاناں سے جو ترتیب سخن

انسانی کتھارسس ہمارے وجدان سے نکلے ہوئے وہ ادراک وفہم کے تصورات ہوتے ہیں جو ذہن کے کسی خانے میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے امر ہو جاتے ہیں پھر یہی اوراق یہی کہانیاں انسانوں کے ادراک وفہم میں تحلیل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ زندگی کے کچھ حصے میں جب ہم پہنچتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہم پیچھے بہت کچھ چھوڑ آئے ہیں اور وہ ادراک وفہم جو راستے میں چھوڑ آئے ہیں وہ کہیں راستے میں گم ہو گئے ہیں پھر ہم اسی تلاش گر کو فنکار کہتے ہیں۔

میں یہ تو نہیں کہتی کہ آپ ہم سے متفق ہو جائیں‘ آپ کی رائے ایک الگ حیثیت رکھتی ہے لیکن جب آہستہ آہستہ آپ کہانی کے بیچ میں پہنچ جائیں گے تو ہمیں امید ہے کہ آپ ان کرداروں کے بیچ خود کو تنہا نہیں ساتھ ساتھ محسوس کریں گے۔ یہ فیصلہ آپ پر چھوڑتی ہوں۔ کہانی کے کردار ہمارے اردگرد آ کر بیٹھ گئے ہیں اور میں کیسے آنکھ بند کرلوں۔

بشیر احمد فاروقی ریٹائرڈ پولیس آفیسر ہیں ان کا تعلق مڈل کلاس فیملی سے ہے۔ وہ ریٹائر ہونے کے بعد اپنے آبائی گاؤں سے اپنی بیوی جلوہ بی بی اور 4 بیٹیوں کے ہمراہ ہجرت کر کے شہر آ گئے ہیں جہاں ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی پہلے ہی سے آباد ہیں۔ بڑی بیٹی سمعیہ زیادہ تر گھر کے معاملات میں دخل اندازی کرتی ہیں۔ بڑا ہونے کے ناطے ان کے ماں باپ ان کی بہت زیادہ عزت کرتے ہیں۔ عماد فاروقی اور حماد فاروقی دو بیٹے ہیں۔ عماد کی شادی ہو چکی ہے۔ حماد باہر اعلیٰ تعلیم کیلئے گئے ہوئے ہیں۔

انہی دنوں آبائی گاؤں سے عادل ماموں‘ بشیر احمد فاروقی کی بیٹی ثروت کی شادی میں شرکت کیلئے آئے ہوئے ہیں تو ان کی خواہش تھی کہ اپنی بیٹی رومی کو اسی گھر میں بیاہ کر جائیں کیونکہ وہاں ان کے اسٹیٹس کا رشتہ نہیں مل سکتا تھا۔

عادل کے بڑے بھائی شکیل اپنی دو بیٹیوں‘ ایک بیٹے اور ماں کے ساتھ رہائش پذیر ہیں۔ عادل کی ماں کی چھوٹی بہن ولید حیدر ہاؤس میں رہتی ہیں۔ ولید حیدر بہت نامی گرامی بزنس مین ہیں‘ ان کے دو ہی بیٹے ہیں اشمل ولید اور حذیفہ ولید۔

(اب آگے پڑھیے اور اپنی آرا سے

دسمبر کا سست روی سے اترتا ہوا سورج ابھی ابھی کچھ دیر پہلے ولید ہاؤس کی دیواروں سے اتر گیا تھا۔ ہلکی ہلکی خنکی کا دور دورہ تھا' ہوائیں تیز تیز چل رہی تھیں' چرند پرند سب خاموش ہو گئے تھے۔ نئے آنے والے سورج کا استقبال کرنے کیلئے صبا نے ولید ہاؤس میں خاصا انتظام کروا رکھا تھا۔ سوئمنگ پول سے لے کر گیٹ تک جدید طرز کی روشنیاں لگانے والے کاریگر فٹ کر رہے تھے' یہ سب آنے والے کل نیو ایئر کی تیاریاں تھیں۔

ولید حیدر آفس جانے کیلئے نیچے اتر کر آئے تو یہ سب کچھ دیکھ کر حیران سے رہ گئے تھے۔ وسیع و عریض لان میں مالی ایک ایک پتے اور بوٹے کو دھو رہا تھا' رنگ برنگے پودوں کی راہداری سجادی گئی تھی' زرد پیلے گیندے کی راہداری سے گزرتے ہوئے ولید حیدر چونک سے گئے۔ مالی داد و تحسین بھری نظروں سے اپنے مالک کو دیکھ رہا تھا۔ ان گملوں کی تیاری میں مالی نے مہینوں لگائے تھے' پنیری کی آبیاری میں اس نے کئی مہینے گزار دیئے تھے اور آج اودے' نیلے' گلابی' پیلے پیلے پھولوں کی قوس قزح سی بکھری ہوئی تھی۔ بھیگا بھیگا دسمبر کا سورج آہستہ سے بادلوں سے نکل آیا تھا۔ صبا چلتی ہوئی قریب ہی آ گئی تھیں۔ ڈرائیور نے جلدی سے گاڑی کا دروازہ کھول دیا تھا' ولید حیدر مسکرا دیئے تھے۔

''ولید! اس طرف تو دیکھئے''۔ صبا نے دائیں جانب برقی قمقموں کی طرف اشارہ کیا جو ابھی روشن نہیں تھے۔

''یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی' آج تو ہم ویسے بھی بہت مصروف ہیں''۔ ولید حیدر چونک گئے۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟ آپ کیا بھول گئے آج ہمارا اشمل پاکستان واپس آ رہا ہے۔ اس کی آمد کی خوشی میں آج میں نے نیو ایئر پارٹی کا اہتمام کیا ہے''۔ صبا بہت شوخی سے اٹھلائی تھیں۔

''اللہ کا شکر ادا کرو' نفل پڑھو کہ تمہارا بیٹا واپس آ رہا ہے' یہ سب کرنے کی کیا ضرورت پڑ گئی تمہیں؟ اور ہاں یہاں ایسے لوگوں کو انوائٹ مت کرنا جو پینے پلانے والے ہوں''۔ ولید حیدر نے اپنے چاروں اطراف نظر ڈالی اور بولے تھے۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟ کہ پینے پلانے والے یہاں نہ آئیں' ہمیں اپنے اسٹیٹس کا خیال تو رکھنا ہی پڑتا ہے ولید! ڈنر پارٹی ہے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا اور اشمل کے سارے ہی دوستوں کو میں نے انوائٹ کیا ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو آپ بھی حسیب بھائی اور احسن کو بلا لیجئے''۔ صبا نے بہت اپنائیت سے مشورہ دیا تھا۔

''جی نہیں کوئی ضرورت نہیں ہے' ہمارے کوئی بھی دوست' کوئی بھی قریبی رشتہ دار ایسی پارٹی میں شریک نہیں ہوتے' آپ کا جو جی چاہتا ہے وہ آپ کر لیتی ہیں''۔ وہ بہت بے بسی سے بولے۔

''ظاہر ہے ولید! آپ کو اگر بتا دیں تو کہتے ہیں کیا ضرورت ہے اس کی۔ ضرورت ہے ولید! ابھی میرا دل مردہ نہیں ہوا' ابھی میں بوڑھی نہیں ہوئی''۔ وہ اپنے شوہر کی عمر کا لحاظ کیے بغیر چوٹ کر گئی تھیں۔

''ٹھیک ہے جو دل چاہے کرو میرا اس سے کوئی تعلق نہیں''۔ وہ آفس کیلئے جا چکے تھے تب صبا نے اپنے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے چاروں طرف دیکھا اور مالی کو ہدایت دیتے ہوئے بولی تھیں۔

''یہ بریل پھولوں کے قریب پنک پھولوں کو لے آؤ بہت خوبصورت لگ رہے ہیں اور یہ مخملی پھولوں کے پوٹ بڑی راہداری میں رکھو اور شام ہونے سے پہلے پہلے یہ پائپ اور یہ چیئرز وغیرہ ہٹا دینا' تھوڑی ہی دیر میں ڈیکوریشن والے اپنے سیٹ لگا جائیں گے''۔

''جی جی''۔ کہہ کر مالی ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ آہستہ آہستہ ولید حیدر کی کار جاتی ہوئی نظر آئی تھی۔ بڑا سا گیٹ بند ہوا تو صبا نے ایک گہرا سانس لیا۔

''اف...... بوڑھا شوہر بھی بہت بڑا ہیڈک ہے۔ ظاہر ہے آپ کے دن اللہ اللہ کرنے کے ہیں' سفید داڑھی رکھ کر بیٹھ گئے' وقت سے پہلے ہی اللہ بابا بن کر گھوم رہے ہیں' اب دوسروں کو تو مت گھسیٹو اپنی طرف' میں اپنی زندگی خود جینا چاہتی ہوں' جوانی میں خود تو پوری دنیا میں گھومتے پھرتے رہے بڑھاپے میں یہ نہ کرو وہ نہ کرو' سلیولیس بلاؤز مت پہنو' زندگی حرام کر کے رکھ دی ہے' اب میں ہر وقت ہاتھ میں تسبیح لے کر تو نہیں چل سکتی''۔

ان کے دل کی دھڑکن حسب معمول وہی کچھ بول رہی تھی جو وہ بولتی رہی تھیں۔ صبا ولید اور ولید حیدر کی عمر میں دس سال کا فرق تھا۔ لیکن صبا کو آج بھی یوں لگتا تھا کہ وہ اسمارٹ اور ینگ ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بہت اسمارٹ دکھائی دیتی تھیں' ہمیشہ انہوں نے اپنی خوراک میں دودھ' دہی اور فروٹ کا استعمال زیادہ رکھا تھا۔ وقت پر اٹھنا' وقت پر کھانا کھانا' یہی وجہ تھی ان کی صحت قابل رشک تھی اور ولید حیدر ان کے سامنے اپنی بے حد مصروفیات کی وجہ سے وقت سے پہلے ہی بوڑھے نظر آنے لگے تھے۔ صبا کو ان کے سفید بالوں پر اعتراض تھا۔ ولید حیدر نے کبھی اپنے بالوں کو ڈائی نہیں کیا بلکہ وائٹ اور گرے بال ان پر بہت سوٹ کرتے تھے صبا اس وقت پنک کاٹن کے سادہ سے لباس میں ملبوس تھیں' سلیولیس شرٹ سے ان کے گورے گورے بازو نظر آ رہے تھے' بال کلرنگ لائٹ براؤن گولڈن شیڈ میں بہت خوبصورت لگ رہے تھے جنہیں انہوں نے ہیئر کلپ سے اوپر سمیٹ کر باندھا ہوا تھا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر میں انہیں جم چلے جانا تھا جہاں سے ان کی واپسی شام تک ہوتی۔ وہ پلٹ کر اندر آئیں تو رومی انہیں نظر آئی تھی' وہ بہت ہمدردی اور شفقت سے بولی تھیں۔

''ادھر آؤ' میں تمہارا ہر وقت نام بھول جاتی ہوں''۔ وہ مسکرائی۔

''رومی''۔ اس کے دونوں ہونٹ کھل گئے تھے۔

''تمہاری یہ ادا مجھے بہت اٹریکٹ کرتی ہے تم ہر بات پر مسکرا پڑتی ہو' تم بہت اچھی لڑکی ہو گڈ۔ آج گھر میں بہت بڑی پارٹی ہے تم آؤ میرے ساتھ''۔ وہ اس کو لے کر اپنے بیڈروم میں گئی تھیں اور والٹ کھول کر کئی نوٹ اس کے ہاتھ میں تھما کر بولی تھیں۔

''تم کوئی اچھا سا سوٹ بوتیک سے جا کر خرید لو ٹھیک ہے''۔ انہوں نے پیار سے تین انگلیاں اس کے گال پر ماریں اور پلٹ کر بولیں۔

''سنو یہ تم نے کلرنگ بال کہاں سے کروائے ہیں؟''

''نہیں تو''۔ وہ ہنس پڑی۔

''اچھا...... میں سمجھی تھی شاید تم نے کروائے ہیں' کاش میرے بھی ایسے خوبصورت بال ہوتے۔ تم ہنستی ہوئی بہت اچھی لگتی ہو مگر اتنا بڑا دوپٹہ اور ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں اٹریکٹ نہیں کرتی ہو۔ دیکھو تو میری شرٹ فٹنگ کی ہے میں تمہیں کتنی بڑی نظر آتی ہوں؟'' انہوں نے شیشے میں غور سے دیکھا۔

''آپ بہت ینگ دکھائی دیتی ہیں''۔ وہ ہنس پڑی۔

''کیا مطلب ہے میں دکھائی دیتی ہوں' میں ہوں' میں ولید حیدر سے پورے دس سال چھوٹی ہوں' یو نو...... کیا نام ہے تمہارا؟'' وہ ہنس کر بولیں۔

''رومی''۔

''ہاں رومی! میں ولید حیدر کے ساتھ باہر نکلتی ہوں تو بڑا آکورڈ فیل ہوتا ہے۔ دولت ہے سب کچھ ہے مگر ہسبینڈ ینگ نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ میری گیدرنگ میں جتنی بھی فرینڈز آئیں گی ناں ان کے ہسبینڈ سب ینگ اور

اسمارٹ ہیں سوائے میرے اس لئے اچھا ہی ہے ولید سامنے نہیں آئیں ورنہ مجھے اپنی پوزیشن بڑی آکورڈ سی فیل ہوتی ہے پھر میں خوامخواہ جھوٹے جواز دیتی ہوں کہ میرے ہسبینڈ کی فیملی میں جلد ہی بال سفید ہوجاتے ہیں ولید اتنے بڑے نہیں ہیں۔ مجھے معلوم ہے سب پیچھے ہنستے ہیں مگر کیا کروں؟'' وہ آئینے میں شکل دیکھ رہی تھیں وہ بھلا کیا بولتی لیکن وہ پھر خود ہی بول پڑیں۔

''میری وہ فرینڈ جو کل آئی تھی جیسمین...... ایک دن کہنے لگی ہسبینڈ تو سب کے بڑے ہوتے ہیں مگر تمہارے کچھ زیادہ ہی بڑے ہیں میں نے بھی کہہ دیا کہ چل چل ولید میری پسند ہیں اور اسمارٹ ہیں''۔ انہوں نے پھر اپنی شرٹ کو نیک سے نیچے کھینچا تھا۔ رومی کو تو وہ بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ ان کا لہجہ ان کا اسٹائل کپڑوں سے اٹھتی خوشبو ہیئر کلپ سے بندھے بال اور آستینوں سے جھانکتے بازو اس کے لئے سب کچھ بہت نیا نیا سا تھا۔ وہ پیسے تھامے ہوئے چھوٹی دادی کے کمرے میں آئی تھی۔

''دادی! آج گھر میں بہت بڑی پارٹی ہے آنٹی نے مجھے یہ پیسے دیئے ہیں اور کہہ رہی تھیں کہ تم کسی بوتیک سے اچھے سے کپڑے لے لو۔ دادی! میں کہاں جاؤں گی کپڑے لینے؟'' وہ بے چارگی سے بولی۔

''کیوں نہیں جاؤ گی کپڑے لینے؟ ابھی تو سارا دن پڑا ہے وہ رات کو آئے گا وہ بھی تمہارا کزن ہے اور حذیفہ بھی تمہارا کزن ہے۔ تم ایسا کرو ڈرائیور کے ساتھ بڑی دادی کے پاس چلی جاؤ وہاں سے کلثوم کی بیٹی کو لے لینا وہ بڑی اچھی شاپنگ کرتی ہے میں سارے کپڑے اسی سے منگواتی ہوں۔ یہ دیکھو شیفون کا دوپٹہ سارے کپڑے ڈائی کروا کے بھجوا دیئے ہیں جاؤ تم میں ابھی ڈرائیور سے کہتی ہوں وہ تمہیں بڑی دادی کے گھر لے جائے گا۔ صحیح کہہ رہی ہے صبا تم انہیں آنٹی مت بولو ان سے تمہارے دو رشتے ہیں وہ تمہاری مامی بھی ہیں اور چچی بھی ہیں''۔

''چھوڑیں دادی!'' وہ کسمسا کر بولی تھی۔

''کیوں بھئی...... آج کی پارٹی میں بڑا شور ہنگامہ ہوتا ہے تھوڑی دیر کیلئے تم بھی چلی جانا نیچے۔ ویسے تم دیکھنا اشمل سیدھا بھاگتا ہوا کمرے میں آئے گا۔ جاؤ تم اور ہاں یہ سوپ تم واپس لے جاؤ اس وقت میرا دل نہیں کر رہا۔ کک سے کہو ڈھانک کر رکھے ورنہ اس میں خوشبو آجاتی ہے''۔ دادی اس سے بولی تھیں۔

کچھ ہی دیر بعد رومی ڈرائیور کے ساتھ تایا کے گھر شاپنگ کی غرض سے پہنچی تھی فون پر پہلے ہی اس نے ایشل اور اجالا کو بتا دیا تھا وہ دونوں بھی تیار تھیں بلکہ بہت ایکسائیٹڈ کہ وہ پہلی بار ڈرائیور کے ساتھ شاپنگ کرنے جا رہی ہیں۔ دو گھنٹے کی تگ و دو کے بعد بہت مشکل سے وائٹ نازک سے کام والا ڈریس رومی کو پسند آیا تھا۔ ایشل اور اجالا نے اسے خود ہی تیار کیا۔ پہلی بار رومی آئینے میں اپنا سراپا دیکھ کر ہنس پڑی تھی۔

''میں کیا تھی تم دونوں نے کیا سے کیا بنا دیا''۔ وہ بار بار اپنی ایئر لائن فراک کو دیکھ رہی تھی۔

''اس میں ہمارا کیا کمال ہے تم ہو ہی اتنی پیاری بس دیکھ لینا آج ولید ہاؤس میں تم ہی نظر آؤ گی۔ بالکل نہیں دوپٹے کو اسی طرح رکھنا ہے''۔ اجالا ہنسی تھی۔

''اچھا بھئی اچھا...... تم لوگ جیسا کہہ رہی ہو میں ویسا ہی کرلوں گی۔ بس یہ دیکھ لو تماشا نہ بن جاؤں''۔ وہ تھوڑا حیران سی ہو کر بولی تو ایشل بولی۔

''ارے تم سا ہو تو سامنے آئے''۔ تبھی سامنے سے کلثوم اندر آئی تھیں۔

''ماشاءاللہ رومی! تم تو بالکل بھی نہیں پہچانی جا رہی ہو''۔

''یونہی ہر کوئی تھوڑی رومی کو پسند کرلیتا ہے''۔ اجالا بول پڑی تھی۔

''اچھا تم بکواس مت کرو جاؤ تمہیں دادی بلا رہی ہیں''۔ انہوں نے اپنا رخ پھیر لیا تھا۔ رومی وائٹ ڈریس وائٹ گولڈن شوز پر اور دراز قد لگ رہی تھی۔ ہلکے ہلکے سے بلش آن کے بیچ سے اس کے گالوں کے ڈمپل اور ہی نمایاں ہوگئے تھے۔ ہونٹوں پر ہلکی سی آؤٹ لائن کی جھلک اس کے ہونٹوں کو ایسی طمانیت دے رہے تھے کہ ہنستی تو دودھیا دانت ننھی ننھی جوہی کی کلیوں کی طرح نظر آتے۔

وہ دادی سے اجازت لے کر ڈرائیور کے ساتھ واپس ولید ہاؤس چلی گئی تھی۔ ہلکا ہلکا دسمبر کا آخری سورج ڈوب رہا تھا۔ گزرتے ہوئے اس نے ایک نظر ڈالی سرخ دہکتا ہوا سورج سمندر میں اتر رہا تھا۔ ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلنے کو تھا۔ سرسراتی ہوئی ہوائیں اپنے بازوؤں پر وقت کو سمیٹ رہی تھیں تبھی کار ولید ہاؤس کے گیٹ پر آ کر رکی تو گیٹ کے اندر اس کی نظر پڑی تو وہاں کی دنیا ہی کچھ اور تھی۔ گزرتے ہوئے اسے یوں لگ رہا تھا کہ وہ کسی طلسم کدے سے گزر رہی ہے۔

صبح سے زیادہ اس وقت سجاوٹ اور استقبال کی تیاریاں تھیں۔ وہ سفید آنچل کو سنبھالتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی۔ کوئی بھی نہیں تھا۔ راہداری سے گزرتے ہوئے اس نے محسوس کیا کہ صبا گھر پر نہیں ہے۔ دادی نے جونہی دیکھا اسے پیار سے بلایا تھا۔

''ماشاءاللہ رومی! تم آج بڑی پیاری لگ رہی ہو کیسا رنگ روپ نکھر کے سامنے آیا ہے تم ایسے ہی رہا کرو''۔ تو وہ ''جی دادی'' کہہ کر ہنس پڑی تھی۔ تبھی ولید ماں کے کمرے میں آئے تھے دیکھا تو ایک دو بار تھا مگر کبھی اتنے غور سے نہیں دیکھا تھا ان کی چونکتی ہوئی نظر اس پر پڑی تو امی بول پڑی تھیں۔

''سعیدہ کی بیٹی ہے''۔ ولید حیدر اسے دیکھ کر مسکرائے تو وہ سلام کر کے نظریں جھکا گئی تو چھوٹی دادی بولی تھیں۔

''بیٹا! یہ تمہارے ماموں ہیں''۔

''جی دادی''۔ کہہ کر وہ سر جھکا گئی۔

''کیسی ہے سعیدہ؟'' ولید حیدر وہیں بیٹھ گئے تھے تو امی جلدی سے بولی تھیں۔

''دو چار دن میں جانے کی تیاری ہے ایک دو بار ملنے آئی لیکن تم پاکستان سے باہر گئے ہوئے تھے''۔

''ارے بس امی! کیا کریں بہت زیادہ مصروفیات بڑھتی جارہی ہیں''۔ وہ تھکے تھکے لہجے میں بولے۔

''یہ بالکل سعیدہ کی کاپی ہے امی!'' ولید حیدر نے دیکھا کہ امی کا جسم کانپنے لگا ولید حیدر رخ پھیر کر کمرے سے باہر چلے گئے۔

''کیا ہوا دادی! ماموں کچھ افسردہ سے ہو کر گئے ہیں''۔ وہ انہیں غور سے دیکھنے لگی تھی۔

''نہیں تو''۔ ان کے پاؤں بے جان سے ہوگئے ان میں حرکت نہیں ہو رہی تھی۔

''کیا ہوا دادی جان! کیا ماموں جان امی کو پسند نہیں کرتے ہم لوگ غریب ہیں اس لئے''۔ ولید حیدر کے جانے کے بعد وہ کچھ اپنے اندر محسوس کر رہی تھی کہ اس کی ماں کا ذکر آیا تو ولید حیدر اٹھ کر باہر نکل گئے تھے اور دادی بھی کچھ گھبرا رہی تھیں۔

''نہیں نہیں...... ایسا کچھ نہیں ہے مصروف اتنا ہوتا ہے اسے کسی کی کوئی خبر ہی نہیں ہوتی ہے۔ میں ہی اسے بتاتی رہتی ہوں خاندان کے بارے میں''۔ وہ بڑے بے جان لہجے میں بولی تھیں تو وہ بول پڑی تھی۔

''امی تو آپ کے پاس ہی رہتی تھیں ناں''۔ تو وہ بتاتی ہیں۔

''ہاں بیٹا جی...... سعیدہ میری نند بی بی کی بیٹی ہے جب بی بی بیوہ ہوئیں تو وہ اپنے بچوں کو لے کر ہمارے ہی پاس

آ گئی تھیں۔ اس وقت سعیدہ سب سے بڑی تھی' عمر اس وقت 17-18 سال تھی"۔

"جی دادی! امی بتاتی ہیں"۔ دادی چونک پڑیں۔

"کیا بتاتی ہے سعیدہ؟" وہ بجھے بجھے انداز سے بولی تھیں۔

"اپنے بچپن کے سارے قصے سناتی ہیں کہ وہ ولید ماموں' خالد ماموں اور زاہدہ خالہ کے ساتھ مل کر کھیلا کرتی تھیں"۔ اس نے دادی کے چہرے کی طرف دیکھا تو دادی ان سنی کر کے رُخ پھیر گئی تھیں۔ رومی بھی ان کی طرف غور سے دیکھنے لگی کہ دادی کونے پر رکھے گلدان کو کیوں دیکھ رہی ہیں۔

رات بڑی شاندار پارٹی تھی۔ اتنا شور ہنگامہ فائرنگ کی آوازیں اس میں ولید حیدر دور دور بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ اشمل ولید آ چکا تھا اور یوں پارٹی بہت عروج پر تھی۔ اشمل سب سے پہلے دادی سے ہی مل کر آیا تھا۔ آہستہ آہستہ شور فائرنگ تھم چکی تھی۔ رنگین آتش بازی کے فوارے بھی خاموش ہو چکے تھے مگر رنگ دور چل رہا تھا ہر طرف۔ وہ بڑی حیران پریشان سی بیٹھی سب کو دیکھ رہی تھی۔ صبا نے اس کو بڑی ستائشی نظروں سے دیکھا۔ اشمل اجنبی چہرہ دیکھتے ہوئے ماں کی طرف بڑھتا ہوا آیا تو صبا بہت نارمل سے انداز میں بولیں۔

"سعیدہ کی بیٹی"۔ تو اشمل نے چونک کر ایک نظر اس پر ڈالی تو وہ بہت شرمائے شرمائے انداز میں نظریں جھکا گئی۔ صبا ایک بار پھر اس کا نام بھول گئی تھیں تو اشمل نے پلٹ کر ماں کی جانب دوبارہ دیکھا تو وہ بولی تھیں۔

"تمہاری دادی کے رشتے دار ہیں"۔ وہ ہاتھ میں ڈرنک تھامے ہوئے بے حد مصروفیانہ انداز میں مخاطب ہوئی تھیں۔

"مام! اگر یہ دادی کی رشتے دار ہے تو یہ میری بھی دوست ہے"۔ اشمل کو چپ چپ سی ہنستی ہوئی نازک سی لڑکی نجانے کیوں اچھی لگی تھی۔ اشمل کو یوں لگا اس کی آنکھیں ایک پل میں سارے بھید کھول رہی ہیں۔

"ایکسکیوزمی"۔ اشمل گھبرا کر وہاں سے پلٹا تو رومی نے مسکرا کے دوسری جانب بیٹھے ہوئے لوگوں کو دیکھا تھا تو نجانے کیوں اس نے پلٹ کر ایک نظر اس پر ڈالی تھی تو رومی کی بھی نظر اس پر پڑی۔

"ایسا کیا ہوا آپ کیوں پلٹ کر دیکھ رہے ہیں ہم نے تو آپ کو پہلی بار دیکھا ہے آپ تو یوں سوچ رہے ہیں کہ آپ نے ہمیں کہاں دیکھا ہے"۔ اس کے پلٹنے پر رومی کی آنکھوں کا مسکرانا اس کے دل کے بھید کھول رہا تھا۔

"کیا واقعی میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا ہے۔ یوں لگ رہا ہے میں نے تمہیں پہلے بھی دیکھا ضرور ہے"۔ اس نے جاتے جاتے پھر ایک چوری کی نظر سے اس بھیڑ میں رومی کو دیکھا تھا جسے رومی نہ دیکھ سکی تھی۔

⟡ .... ☆ .... ⟡

ثروت' سمعیہ سے چھوٹی لیکن تین بہنوں سے بڑی تھیں جو بھی رشتہ آتا ماہم یا ماہم سے چھوٹی شانزہ کو پسند کر لیتے۔ رشتے تو گھر میں آتے رہتے تھے مگر ہر بار یہی مسئلہ ثروت نہیں ماہم پسند ہے۔ کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوا کہ انہیں ماہم نہیں شانزہ پسند آ گئی۔ اماں کیلئے یہ بڑا ہیڈک تھا' پھر کہیں سے دور کے رشتے دار سمعیہ باجی کے جان پہچان والے صفدر بھائی کے ذریعے آئے۔ اماں کو اعتراض تھا کہ بہت چھوٹی لوکیشن میں رہتے ہیں وہ۔ بھائی کو بھی خاص نہیں لگے لیکن ابا مل کر بے حد مطمئن ہو کر اماں سے بولے تھے۔

"لڑکا دیکھا بھالا' پڑھا لکھا ہے' ابھی معمولی سا پرائمری اسکول کا ٹیچر ہے لیکن MS کرنے والا بھوکا نہیں رہے گا۔ میں منا سے بات کروں گا"۔ ان کا اشارہ بڑے بیٹے کی طرف تھا جو پہلی بیوی سے تھا اور وہ الگ رہائش پذیر تھے۔ عماد بھائی نے بھی سنا تو بولے۔

"جی ہاں کروا چکے بڑے بھائی صاحب' وہ کسی کے بھی کام نہیں آئیں گے"۔ لیکن ابا کا خیال تھا کہ وہ جو بات بھی کریں گے بڑا بیٹا اسے ٹال نہیں سکے گا۔ پھر یہی ہوا ابا نے بڑے بھائی صاحب کو بلا کر بات کی۔

"رشتے آتے ہیں لیکن تمہاری چھوٹی بہنوں کے' ان سے بڑی ثروت ہے' لڑکا پڑھا لکھا ہے لوگ اپنی ہی طرف کے ہیں' پرائمری ٹیچر ہے' اگر تم اس کو بینک میں جاب دلوانے کا وعدہ کر لو تو میں ہاں کر دوں"۔ بڑے بیٹے کی مجال کیا کہ ماں باپ کے سامنے نہ کہے۔ انہوں نے ہاں کی اور ثروت کی شادی کی تاریخ طے کر دی گئی۔

گاؤں سے اور لوگ بھی شادی میں شرکت کیلئے آئے تھے لیکن ان میں سے عادل ماموں خاص طور پر قریبی رشتہ دار تھے۔ شادی بڑی سادگی سے ہوئی اور یوں ثروت اپنے سسرال چلی گئیں۔ یوں تو ثروت کے سسرال والے جانے مانے تھے لیکن بھید تو اندر جا کر جب کھلا جب ثروت اندر جا کر پہنچی مہینوں ثروت گھر نہ آتیں' روتی رہتیں کہ وہ لوگ لے کر نہیں آتے تو ماہم غصے سے کہتی۔

"تم اپنے ہاتھ پاؤں کیوں کٹوا کر بیٹھ گئیں' رکشہ پکڑو اور گھر آ جاؤ۔ میں تو اماں کے بغیر ایک دن نہیں رہ سکتی"۔ سن کر ثروت کو غصہ آیا۔

"جی ہاں..... تم لوگوں کو پڑھایا' لکھایا' آزادی دی' خوب گھومتی پھرتی ہو' کالج جاتی ہو۔ ہمیں تو اماں نے باورچی خانے میں لگا دیا' پڑھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ ہماری نند تو ہمیں طعنہ دیتی ہیں کہ تمہارے والے جھوٹ بولے کہ میں میٹرک ہوں' ہماری نند بڑی بے عزتی کرتی ہے"۔ ماہم کا دل چاہا جا کر سلطانہ کا منہ نوچ لے لیکن جاتے جاتے ثروت' سمعیہ باجی سے ایک نیا انکشاف کر گئیں تھیں کہ ساس کے پیر دبانے کی ڈیوٹی ہے جب تک ساس سو نہ جائیں پیر دباؤ۔

"اُف خدایا! اتنا ظلم"۔ ماہم کو شدید غصہ آیا تھا۔

ماہم' ثروت باجی کو نئی نئی باتیں سکھاتی' احتجاج کرنے کے طریقے بتاتی' بلکہ ماہم کو یوں محسوس ہوتا کہ ثروت باجی کے اندر ایک آگ کا لاوا جو ابل رہا ہے' وہ اس کی ذات کے والے سے ہے۔

ماہم تمام اور اک نہم کے گھوڑے دوڑاتی رہتی کہ یہ راز کیا ہے؟ کہ ثروت باجی کیوں اس سے بدظن رہتی ہیں' ہر بات ہر جملے میں وہ پڑھائی کا طعنہ دیتی ہیں' اپنی کم مائیگی کا رونا روتی رہتی ہیں لیکن سمعیہ باجی' ثروت پر ہمیشہ مہربان رہیں۔ سمعیہ باجی کا میڈیکل فری تھا لہٰذا کبھی ثروت کو کبھی دوا اور ڈاکٹر کی کمی محسوس نہیں ہوئی البتہ اماں کا دل کڑھتا رہتا کہ ثروت بالائی منزل پر رہتی ہے۔ پانی اور گیس کا کنکشن نہیں ہے۔ ثروت کو خود نیچے سے اوپر لے جانا پڑتا ہے۔ باجی ہر وقت ثروت کی دردرسائی کیلئے حاضر رہتی تھیں۔ ثروت بھی بے چاری باجی کے آگے پیچھے گھومتیں اور ہاں میں ہاں ملاتی رہتیں۔

انسان جب خود کمزور ہوتا ہے تو دوسرے اس پر خود حاوی ہو جاتے ہیں۔ یہی ثروت کی کمزوری تھی۔ انہوں نے خود کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا اور ماہم بغاوت کی چنگاری کو ان کے اندر نہ بھڑکا سکی۔ لہٰذا شروع سے ہی سسرال کی چکی میں ہی پستی رہیں۔ اپنے صبر اور چپ والی عادت سے انہوں نے سسرال کے دکھ جھیلنے شروع کر دیئے تھے۔

ظلم کرنے والے سے وہ مظلوم جس پر ظلم کیا جاتا ہے زیادہ ظالم ہے۔

"اپنے نفس پر ظلم کرنا دوسرے کی انا کو توڑتا ہے ثروت باجی"۔ لیکن ماہم کی یہ بکواس ثروت باجی کے دماغ میں کبھی نہیں آئی لیکن وہ یہ بات آج تک نہ جان سکی کہ ثروت باجی کیوں اس سے ناراض رہتی ہیں۔ اماں کی محبت کو تو

www.Paksociety.com

وہ پہچان گئی تھی‘ تقریباً وہ اماں کے مزاج اور رنگ میں پور پور ڈوب چکی تھی‘ اسی لئے اماں اسے زیادہ اہمیت دیتی تھیں‘ اس کی فوقیت بہنوں پر زیادہ تھی۔ اماں کی شفاف نیلگوں آنکھوں میں محبت کی چھاپ ماہم کیلئے جو تھی اس کی لو آہستہ آہستہ ماہم کے دل میں اتر کر گئی تھی۔ ایک رشتہ تھا ماہم اور ماں کے درمیان جو بظاہر تو یکساں تھا لیکن ماہم کو محسوس ہوتا کہ ماں کے وجود کی مہک کبھی کبھی سوتے میں اسے محسوس ہوتی تو آنکھ کھل جاتی۔ بہت سارے اسرار و رموز کے در بظاہر جو بند ہوتے ہیں کسی پر منکشف بھی ہو جاتے ہیں اور وہی لمحہ الوہی محبت کا ہوتا ہے‘ چاہے محبت کسی بھی رنگ میں ہو۔

ماہم کو اپنی محبت‘ اپنے ادراک پر اپنی سوچ پر مکمل گرفت تھی‘ بظاہر وہ ایک نارمل سی لڑکی تھی لیکن کبھی کبھی وہ سوچتی کہ سب سے الگ ہے۔ ایک بار حماد نے بھی عماد کے سامنے کہا تھا۔

’’ایسا لگتا ہے کہ یہ اپنے آپ کو سمجھتی ہے اور خود کو الگ محسوس کرتی ہے‘‘۔ اس وقت عماد ہنس کر بولے تھے۔

’’اچھا ہے یار! ایسا سوچنا چاہیے‘‘۔ بات دونوں کی سچ تھی۔ ہر شخص کو انفرادی طور پر سوچنے کا حق حاصل ہوتا ہے چاہے ماہم ہو‘ حماد ہو یا عماد یا ثروت۔ زندگی کا ایک طویل سفر ہے جس پر گزرنا تو ہر شخص کو پڑتا ہے۔ کبھی کبھی بات سمجھنا اتنا آسان نہیں ہوتا جتنی منزل آسان ہوتی ہے۔ ہمیشہ اس کا راستہ دشوار ہوتا ہے‘ دشوار راستوں سے گزرنا ہر شخص کے اختیار میں نہیں ہوتا ہے۔



تیز و تند ہوائیں چل رہی تھیں اچانک موسم ابر آلود ہو گیا۔ کالے سیاہ بادلوں نے چمکتے ہوئے سورج کو اپنے اندر چھپا لیا تھا۔ سرد ہوائیں اور تیز ہو گئیں اور اچانک گڑگڑاہٹ کے ساتھ بہت تیز بارش برسنے لگی‘ جل تھل سے لان میں جھومتے ہوئے درخت اور تیز ہواؤں نے ایک ایسا شور مچا رکھا تھا کہ رومی نے جلدی سے کرٹن ہٹا کر باہر دیکھا۔ بجلی بہت زور سے کڑکی تھی۔ اندر اور باہر کی دنیا تیز روشنی میں ڈوب گئی۔ اتنی تیز تھی بارش کہ سب نے اپنی کھڑکیوں سے پردے ہٹا کر باہر دیکھا‘ تیز روشنی میں اشمل نے بھاگتی ہوئی رومی کو دیکھا تھا۔ اتنی ہی تیز رفتار سے اشمل باہر کی طرف گیا یہ جاننے کے لئے کہ اتنی تیز بارش میں رومی اتنی تیز کیوں دوڑی ہے۔ درختوں کے پیچھے سے واپس دوڑتی ہوئی رومی‘ اشمل سے ٹکرائی تھی۔ وہ دوپٹے میں اپنے دونوں ہاتھ چھپائے ہوئے بہت تیزی سے اندر بڑھی۔ اشمل کے بڑھتے ہوئے قدموں سے اندر کی پریشانی اور تجسس محسوس ہو رہا تھا۔

’’یہ کیا‘‘۔ اس نے بہت حیرت سے رومی کی جانب دیکھا تو اس نے ایک ہاتھ سے بھیگے بالوں کو ہٹاتے ہوئے بہت نرمی سے نظریں اٹھاتے ہوئے اشمل کی جانب دیکھا جس میں یہ تاثر نمایاں تھا کہ تم جیسے لوگ اس تکلیف کو محسوس نہیں کر سکتے۔ اشمل بھی وہیں کھڑا ہوا حیرت سے کبھی بھیگی ہوئی بلی‘ کبھی اس پر جھکی ہوئی رومی کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ جلدی جلدی وہ اپنے دوپٹے سے بلی کے بالوں کو خشک کر رہی تھی۔

’’او مائی گاڈ...... یہ تو بالکل بھیگ چکی ہے‘‘۔ وہ جلدی سے اپنا ہیئر ڈرائیر اٹھا کر رومی کی جانب بڑھا۔ دونوں مل کر اس کے بھیگے ہوئے بالوں کو خشک کر رہے تھے۔ اشمل جلدی سے دوڑ کر پیالے میں دودھ لے کر آیا تھا۔

’’آئی ایم سوری...... ایزل میری یہ غفلت تھی...... Thanks کرو میم کا کہ انہوں نے تمہیں آج بچا لیا‘‘۔ اس نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ایک نظر رومی کی جانب بڑی حیرت سے دیکھا تھا جس کے چہرے پر بڑا ہمدردانہ انداز تھا۔ وہ مسلسل ابھی تک بلی کے قریب بیٹھی ہوئی تیمارداری کر رہی تھی۔

’’کم آن‘‘۔ اشمل نے دونوں ہاتھوں سے اس کے پیروں کو پکڑ کر اٹھا لیا تھا لیکن وہ ’’میاؤں‘‘ کر کے رومی کے قدموں پر لوٹنے لگی۔

’’جانور بھی اپنی حفاظت کو پہچانتے ہیں‘ اگر ہم انسان ان سے اتنی محبت نہیں کر سکتے تو انہیں اپنا وقت گزارنے کیلئے ہم پالتے کیوں ہیں‘ بے ضرر معصوم اور بے زبان جانوروں کو ہم کیوں قید کر لیتے ہیں‘‘۔ اس نے بلی کو اٹھا کر اپنے چہرے سے لگا لیا تھا۔

’’اب معاف بھی کر دو‘‘۔ اس نے ایک بار دھیرے سے بہت پیار سے ایک تھپڑ مارا‘ دوبارہ سے پھر وہ ’’میاؤں‘‘ کر کے رومی کے دوپٹے سے اپنا سر رگڑنے لگی۔

’’دیکھا دیکھا...... یہ پھر بتا رہی ہے کہ میرا سر ابھی بھی ہلکا ہلکا گیلا ہے‘‘۔ رومی ہنسی تو دور کہیں بجلی کڑکی اور بڑی سی لڑکی سے روشنی کوند کر آئی تھی۔ اشمل نے بارش میں بھیگی ہوئی رومی کو بہت غور سے دیکھا۔ اس سے پہلے بھی وہ اسے دیکھ تو چکا تھا لیکن اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ اس کی کون ہے اور کہاں سے آئی ہے؟ رومی کے بالوں سے ٹپکتا ہوا پانی دیکھ کر اشمل نے مڑ کر باہر کی جانب دیکھا اسے یاد آیا...... جہاں بھیگتے ہوئے پانی میں اشمل دوڑ کر گاڑی کے نیچے چھپی ہوئی اپنی پالتو ذی کو لے کر اندر کی جانب بھاگا تھا۔

’’ہرگز نہیں‘ کبھی نہیں‘ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا‘‘۔ اسے یاد آیا تھا اس نے ذی کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ کر اپنی جانب گھسیٹ لیا تھا۔

’’کیا کر رہی ہو ارج؟‘‘ وہ بھاگ کر ڈور کا لاک تھامتے ہوئے بولا تھا۔

’’پاگل مت بنو اتنی تیز بارش میں مر جائے گی‘‘۔ اس نے جھٹکے سے ذی کو دبوچ لیا تھا۔

’’بالکل نہیں‘ تم پاگل مت بنو یہ گھر میں ہو گی تو میں اس کی اسمیل سے مر ہی جاؤں گی‘‘۔

’’کوئی نہیں مرتا‘‘۔ اس نے ذی کو پھر جھپٹنا چاہا اور بہت تیزی سے ڈور کھولا۔ تیز بارش اور ٹھنڈ سرسراتی ہوئی ہوا کی ایک لہر سب کے جسموں کو چھو گئی تھی۔ ذی اس کی گود سے پھسل چکی تھی۔ ارج نے تیز دوڑ کر ذی کو باہر اچھال دیا تھا۔ دھڑ سے دروازہ بند کر کے چابی ہاتھ میں لے کر اپنا رخ موڑ کر سامنے اشمل کو دیکھ کر کھلکھلائی تھی۔ اشمل غصے کے عالم میں اس پر جھپٹا تو وہ بہت تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گئی تھی لیکن اشمل نے راستے میں ہی اس کا بازو تھام لیا تھا۔

’’چابی مجھے دو‘ دیکھو تم بہت برا کر رہی ہو‘‘۔ اشمل اس کے ہاتھ سے چابی لینا چاہتا تھا۔ وہ چابی ہاتھ میں تھامے ہوئے بھاگ کر بیک یارڈ کے دروازے کے قریب پہنچی تھی۔

’’تمہیں بہت شوق ہے اسے اندر لانے کا۔ اسی راستے سے باہر گئی تھی وہ کود کر۔ جاؤ تم بھی چلے جاؤ‘‘۔ اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ ہوا کا تیز جھونکا آیا۔ اشمل نے دروازہ کھینچ کر بند کر دیا تھا۔

’’ارج! تم پاگل ہو گئی ہو۔ وہ بلی تھی جانور تھا‘ وہ یہاں سے کود کر جا سکتا ہے لیکن میں نہیں...... چابی دو‘ وہ بہت برے طریقے سے چیخ رہی ہے‘‘۔ ذی دروازے پر مسلسل پیر مار رہی تھی‘ اس کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ہنستی ہوئی ارج اندر بیڈ روم میں گئی اور چابی نا جانے کہاں ڈال کر آ گئی تھی۔

’’سوری حذیفہ! آئی کانٹ بیئر‘‘۔ میاؤں میاؤں کی آوازیں مسلسل سنائی دے رہی تھیں۔ اشمل بھاگ کر دوسری ونڈو پر گیا اور کرٹن ہٹا کر اسے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن بارش اور ہوا نے اس کو مایوس کر دیا۔ مایوسی سے سر جھکائے ارج کی منت کر رہا تھا۔

’’پلیز ارج! وہ آج مر جائے گی‘ صرف ایک بار ایک موقع دے دو‘‘۔ وہ انکساری سے بولا۔

"میں بھیگا ہوا جانور گھر کے اندر برداشت نہیں کر سکتی"۔ وہ اکڑ کر بولی۔

"نہیں ارج! وہ مر جائے گی"۔ اشمل نے بہت زور سے لاک پر ٹھوکر ماری تھی۔ وہ ہنستی ہوئی دوبارہ بیڈ روم میں بھاگی اور چابی اچھالتی ہوئی اس کی طرف آئی تھی۔ ارج نے دور سے چابی دکھائی تو وہ جھپٹ کر اس کے پاس آیا تو ارج نے چابی اچھال دی تھی۔ وہ اس وقت بھاگ کر دوسری جانب آیا تو ارج نے چابی دوسری جانب پھینک دی۔ وہ شدید غصے کے عالم میں ارج پر جھپٹ پڑا تھا۔ بڑی بے رحمی سے اس سے چابی چھین کر دروازے کی جانب بڑھا' وہ کتنی دیر تک ادھر اُدھر ذی کی تلاش میں رین کوٹ پہن کر بھاگتا رہا تھا۔ ہر گاڑی کے نیچے اس نے دیکھا' گلابوں کے جھنڈ میں چھپی ہوئی کوئی بلی میاؤں سے بولی تو وہ ذی ذی کہہ کر آگے بڑھا تو وہاں کوئی دوسری بلی چھپی ہوئی بیٹھی تھی۔ وہ پانی میں بھیگتا ہوا کافی تلاش کے بعد اندر آ گیا تھا۔

"کیا ہوا' نہیں ملی ناں؟ مر کھپ جائے اللہ کرے' یہ تو میری سوکن بن گئی ہے"۔ وہ غصے سے بولی۔

"ارج پلیز......!" وہ دروازہ لاک کر کے بے حد مایوس سے لہجے میں بولا تھا۔

پھر اسے دوسرے دن پتہ چلا تھا کہ ذی کسی گاڑی کے نیچے آ کر مر گئی تھی۔ کئی دن وہ اداس رہا تھا' اس نے ارج سے بات کرنی چھوڑ دی تھی۔

"پلیز...... دروازہ لاک کر دیجیے ورنہ وہ دوبارہ نکل جائے گی"۔ اشمل کا تسلسل ٹوٹ گیا تھا' وہ پلٹ کر حال میں آیا تو سامنے وہ ایزل کو گود میں لئے تھپک رہی تھی۔ اس نے بہت غور سے رومی کو دیکھا تھا جس کا لائٹ لیمن کلر کا سوٹ مکمل بھیگ چکا تھا۔ ٹھنڈ سے رومی کا چہرہ نیلا ہو رہا تھا۔

"او سوئیٹ...... ایزل کو نیند آ رہی ہے' اس کو تم میرے بیڈ پر سلا دو"۔ اس آواز پر وہ بری طرح چونک گئی تھی۔

"کیا مطلب یہ آپ کے بیڈ پر سو جائے گی جا کر"۔ وہ حیران ہوئی۔

"اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے' عموماً لوگ اس طرح کا بی ہیو جانوروں کے ساتھ نہیں کرتے لیکن ہمارے لئے یہ بہت خاص ہے' شاید تمہیں معلوم نہیں 26 جنوری کو ایزل 3 سال کی ہو جائے گی"۔

"ویری انٹرسٹنگ' یعنی آپ اس کی برتھ ڈے بھی یاد رکھتے ہیں"۔ وہ مسکرائی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟ کیا آپ کو اپنی برتھ ڈے نہیں یاد"۔ اشمل نے بہت غور سے اسے دیکھا تھا۔ وہ کچھ پل کیلئے نروس ہوئی اور پھر بے ساختگی سے ہنستے ہوئے بولی تھی۔

"اچھا تو آپ بلیوں کی تاریخ پیدائش بھی یاد رکھتے ہیں"۔

"خاص طور پر ہمارے لئے جو بہت اہم ہوتے ہیں جن سے ہم محبت کرتے ہیں' آئی لو یو ایزل"۔ اشمل نے اپنے ہونٹ ایزل کے سر پر رکھ دیئے تھے۔ رومی بری طریقے سے جھینپ کر ہنس پڑی تھی۔

"مجھے آپ کی اس چاہت کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ چیز تو ہمارے دین کا حصہ ہے' دوسروں نے ہم سے اپنا لی ہے اور ہم ان سے دور ہو گئے ہیں۔ ہم جانوروں کو بے جان سا سمجھ کر بی ہیو کرتے ہیں"۔ وہ آہستہ سے گویا ہوئی تو اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا تھا۔

"لیکن آپ تو اس سے مختلف ہیں' آپ کتنا پیار کرتی ہیں اس سے' کاش ہماری ذی......"

"کیا مطلب آپ کی زندگی میں ذی نامی کوئی لڑکی ہے؟" وہ مسکرائی۔

"نو نو نو...... میرا مطلب ایزل کی ہم شکل میں نے وہاں امریکا میں بھی پال رکھی تھی لیکن وہ ایک حادثے میں ایسے ہی موسم میں ہم سے بچھڑ گئی"۔ اشمل بڑے بوجھل لہجے میں بولا تو وہ بولی۔

"آپ نے اس کی حفاظت نہیں کی ہوگی۔ یہاں پر بھی لوگ پال تو لیتے ہیں جانوروں کو لیکن بے زبان جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے"۔

"یہی تو بڑی بدنصیبی ہے"۔ اشمل بولا تھا۔

"کیا آپ کو جانور بہت اچھے لگتے ہیں؟" اشمل پھر بولا تو وہ بولی۔

"اچھے لگنے کی بات نہیں' احساس ہوتا ہے کہ وہ کس طرح سے قید کر دیئے گئے تو مجھے ٹوٹ کر ان پر پیار آتا ہے تو میں ان کا خیال رکھتی ہوں"۔

"دراصل آپ بہت اچھی ہیں' جن کے دل خوبصورت ہوتے ہیں ان کے احساسات بھی گلاب کے جیسے ہی ہوتے ہیں"۔ اشمل کی اس بات پر اسے تھوڑی سی ہنسی آئی تو وہ منہ پھیر کر بولی۔

"پلیز دروازہ لاک کر دیجیے ورنہ یہ کسی بھی ملازم کے ساتھ میاؤں میاؤں کرتی پیچھے نکل جائے گی"۔

"آف کورس...... یہ بڑی شریر ہو گئی ہے' دیجیے مجھے"۔ اس نے بہت نرم ہاتھوں سے اسے سمیٹ کر دادی کے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔ جاتے جاتے اس نے پھر پلٹ کر رومی کی جانب دیکھا جس کی نظریں سوئی ہوئی ایزل کی جانب تھی۔

"دور رکھو' دور رکھو اس کو' میں کہہ رہی ہوں ...... ! ہٹاؤ اس کو میرے بستر سے' لے جاؤ اپنے کمرے میں۔ دو دن کیلئے آتے ہو اس کے ناز نخرے اٹھا کر چلے جاتے ہو' پورے بستروں میں کودتی پھرتی ہے"۔ دادی سمٹ کر بولیں۔

"اچھا دادی! ہمارے بعد یہ سلوک ہوتا ہے ایزل سے"۔ وہ ایزل کو اپنی گود میں سمیٹے مسکرائے جا رہا تھا۔

"دادی! تھوڑی سی جگہ چاہیے اس کو بھی' چلو بھئی ایزل...... دادی بھی تمہیں جگہ نہیں دیں گی' میں اس کو اپنے کمرے میں لے جا رہا ہوں اب یہ میرے کمرے میں رہے گی' اب اس کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کرے گا۔ مجھے معلوم ہے میرے بعد صرف پاپ اس کا خیال رکھتے ہیں دادی"۔ وہ دھم سے ان کے بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔

"اشمل! پہلے اس کو ہٹاؤ' اس کے بالوں سے مجھے الرجی ہے۔ اب تو ڈاکٹر بھی یہی کہتے ہیں"۔ دادی بولیں۔

"کوئی نہیں دادی! ڈاکٹر تو جھوٹ بولتے ہیں"۔ اس نے لائٹ گرے اور ڈارک براؤن والی ایزل پر اپنے ہونٹ رکھے تو ایزل نے پیار سے اپنی آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور میاؤں میاؤں کر کے اس کی گود میں چھپ گئی تھی۔

"دادی! یہ لڑکی کون ہے ہماری؟" اس نے دروازے کی طرف دیکھا کہ کہیں وہ سن تو نہیں رہی۔

"اچھا وہ رومی...... تمہیں چھوٹی دادی یاد ہیں؟"

"اچھا"۔ وہ سوچتے ہوئے بولا۔

"وہ چھوٹی دادی! مجھے بچپن میں لے کر جایا کرتی تھیں جہاں اونچے اونچے درخت تھے وہاں ایک لڑکا بھی ملا کرتا تھا نا دادی' ارسلان مجھے یاد آ گیا۔ بڑی دادی نا' میں جان گیا"۔

"یہ انہی کے بڑے بیٹے عادل کی بیٹی ہے رومی' اپنی پھپھو کی بیٹی ثروت کی شادی میں آئے ہیں' ویسے بیٹا ہے بہت پیاری...... ویسے بھی وہ اپنی پھپھو کے گھر جائے گی"۔ دادی فخریہ بولیں۔ وہ بڑی دلچسپی سے دادی کی باتیں سن رہا تھا۔ رومی کے بارے میں تفصیل جان کر اسے اچھا لگ رہا تھا۔

دوسرے دن بارش تھم چکی تھی لیکن ہر طرف اس کے اثرات پورے کیچڑ میں گھرے پڑے تھے‘ سوئمنگ پول ابل رہا تھا‘ چرند پرند سب اتر آئے تھے۔ ایسے حسین موسم میں ایزل پھر نکل کر لان میں آ گئی تھی۔ ہلکی ہلکی سورج کی کرنوں میں ہلکی سی گرمی نظر آ رہی تھی۔ ایزل کے بھی بڑے نخرے تھے وہ بھی اچھل کر مالی کی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ رومی اس کیلئے پیالے میں سوپ اور چکن کی بوٹی لے کر آئی تھی۔ اشمل کا ادھر سے گزر ہوا تو اس نے دیکھا کہ ایزل کوئی چیز چپڑ چپڑ کر کے پی رہی ہے۔ رومی نے اشمل کو انگلی سے منع کیا کہ اسے ڈسٹرب نہ کرو۔

”آپ...... محترمہ کے بہت نخرے اٹھاتی ہیں“۔

”ظاہر ہے کل بارش میں بھیگ گئی تھی اسی لئے میں اس کیلئے مرغی کا سوپ بنا کر لائی ہوں اور ہاں...... آج شام سے پہلے پہلے میں چلی جاؤں گی‘ آپ اس کا دھیان رکھیے گا‘ خاص طور پر رات کے اس کے کھانے کیلئے بندوبست کیجیے گا‘ ویسے تو یخنی دیگچی میں پڑی ہے پھر بھی اس کو دیکھنے کی ضرورت ہے‘ کہیں کوئی الٹا سیدھا نہ کر دے“۔ اشمل نے اسے بڑی حیرت سے دیکھا تھا۔

”کیا ہوا؟ آپ کیوں ایسے پریشان ہو رہے ہیں‘ میں تو اسی طرح سے جانور پالتی ہوں تو خیال رکھتی ہوں ورنہ پالو مت“۔

”تو پھر اس کو چھوڑ کر کیوں جا رہی ہیں؟“

”کیا مطلب ہے آپ کا؟ میں تو 2 دن کیلئے آئی تھی چھوٹی دادی کے پاس‘ اب پھپھو کے پاس جا رہی ہوں“۔

”اور مجھے سب معلوم ہے آپ کے بارے میں“۔ تو وہ نروس سی ہو کر گھبرائی تھی۔ اس نے ساری توجہ ایزل پر مرکوز کر دی۔ ایزل جلدی جلدی چکن کی بوٹیاں کھا گئی تھی۔

”آرام سے ایزل! کہیں ہڈی نہ اس کے لگ جائے“۔ اس نے جلدی سے جھک کر ہڈی کو ہٹایا تھا۔ ارج پھر ایک بار اس کے سامنے آئی تھی۔

”کیا ہے اشمل! کیوں تم اس کو بستر میں لے آئے ہو‘ مجھے اس سے اسمیل آتی ہے“۔ ارج اس کو اٹھا کر ڈرائنگ روم میں پٹخ آئی تھی۔

”ارج! ایک منٹ میں اس کو بسکٹ دے دوں یہ سو جائے گی“۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے‘ پھر رات میں یہ اسمیل کرتی پھرے گی“۔ ارج نے بسکٹ کا بکس جھپٹ لیا تھا اور ذی بڑی مایوس سی صوفے پر بیٹھی اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ جب وہ رات ذی کو دیکھنے گیا تو ذی وہاں نظر نہیں آئی‘ دیکھا تو وہ باورچی خانے میں اپنی مخصوص جگہ پر کھانے کے انتظار میں بیٹھی تھی۔

”سوری ذی! تم بہت جلدی اٹھ جاتی ہو“۔ اشمل کا روزانہ کا یہی معمول تھا۔ اسے بچپن سے جانوروں سے بے حد پیار تھا۔ چھوٹے چھوٹے بلیوں کے بچوں کو لان سے اٹھا کر لے آتا تھا۔ دادی اور ماں اسے برا بھلا کہہ کر گئی تھیں۔ کوئی نہ کوئی تو ادھر ہی ٹک جاتی پھر یہی عادت اس کی بڑے ہونے تک قائم رہی۔ وہ باہر جب بھی جاتا تو ملازم کو کہہ کر جاتا کہ اس کا خیال رکھنا اور کھانا دینا اور جب وہ ایک برس بعد آیا تو ایزل موجود تھی۔ رومی اسے بہت دلچسپ لگی۔

”آپ کی عادتیں اور میری عادتیں سیم ہیں‘ آپ نے محسوس نہیں کیا؟“ اس نے نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

”محبت اور ہمدردی کے جذبے کو آپ عادت تو نہیں کہہ سکتے“۔ وہ بولی۔

”آئی مین...... بے زبان جانور کے ساتھ مجھے اس طرح ہی ہیو کرنا اچھا لگتا ہے“۔

”کیوں نہیں......“ ابھی وہ بولی تھی کہ جنگلی بلا لان میں کود کر گھس آیا جسے دیکھ کر ایزل چیخنے لگی تھی۔

”بہت بے رحم ہے یہ آپ دھیان رکھیے گا‘ اس کو اس نے کئی جگہ سے کاٹا ہے‘ میں ٹیوب لگاتی ہوں تو یہ محترمہ چاٹ کر کھا جاتی ہیں“۔ رومی نے اس کے ایک دھپ لگاتے ہوئے کہا تھا۔

”بزدل کہیں کی...... اس کو دیکھنے کے ساتھ چیخنے لگتی ہے اور اندر بھاگ جاتی ہے“۔ وہ بولی۔

”میں اسے شوٹ کر دوں گا“۔ اشمل کو شدید غصہ آ رہا تھا۔

”چھوڑیئے بھی‘ خود ہی اللہ کے گھر اس کو حساب دینا ہوگا“۔ رومی نے ایزل کو اٹھا لیا تھا۔

”کیا مطلب ہے‘ انسانوں کی طرح اس کو بھی حساب دینا ہوگا؟“ وہ حیران ہوا۔

”بالکل...... کیا آپ کو نہیں معلوم ہے کہ یوم حساب کے دن سارے جانور زندہ کر دیئے جائیں گے اور ہر جانور کو یہ اختیار ہوگا کہ کسی نے ایک سینگ بھی مارا ہے تو تم بھی مارو اور اس طرح سے سب کا حساب ہوگا اور پھر سب جانوروں کو فنا کر کے مٹی کر دیا جائے گا‘ تب انسان کہے گا کہ کاش ہم بھی ایسے کر دیئے جاتے“۔ وہ بہت مسکرا کر بولی تھی‘ اس کے انداز میں خوف تھا۔

”اونو...... یقیناً ایزل وہاں تم سے حساب لے گی“۔ اس نے درخت سے چھلانگ لگاتے سیاہ بلے کی جانب دیکھا تھا جو بار بار ایزل کی جانب لپک رہا تھا۔



کیاری میں بھری ہوئی سفید ٹیوب روز کی ہری ہری نازک نازک نرم نئی پتیوں سے بھری شاخیں دور تک لٹک رہی تھیں‘ کونے میں لگے ہوئے پیراڈائز برڈ کی سرخ سرخ ننھی ننھی شاخوں سے لٹکتی ہوئی چڑیوں کو اس نے بہت غور سے دیکھا۔ ہر طرف پھول اور درخت تھے۔ وہ لان میں پڑی ہوئی کین کی کرسی پر بیٹھے نا جانے کن خیالوں میں گم تھی۔ اس کے اطراف میں بڑا گہرا سناٹا تھا‘ اتنی خاموشی تو پہلے کبھی اس نے نہیں محسوس کی‘ ہر چند کے چھٹی کا دن تھا پھر بھی پھپھا صاحب تو سامنے کرسی پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے ہوتے تھے مگر پھپھا صاحب لان میں نہیں آئے تھے۔ بار بار بلی رومی کے گھٹنے سے سر کو رگڑے جا رہی تھی۔ اس نے بہت پیار سے اٹھا کر اسے گود میں بٹھا لیا تھا تو دوسری بلی اچھل کر خود اس کی گود میں چڑھ گئی۔ اس کو پرندے اور بلیاں بے حد پسند تھیں۔ خرگوش کے چھوٹے چھوٹے بچے نرم گھاس میں اچھل کود رہے تھے۔ سب کچھ تو تھا مگر نا جانے کیوں اسے آج کچھ گہری خاموشی لگ رہی تھی۔ وہ سوچنے لگی۔ ہو سکتا ہے کہ ثروت باجی کی شادی کے بعد زیادہ خاموشی محسوس ہو رہی ہے حالانکہ اسے آئے ہوئے چھ ماہ ہو گئے تھے‘ اب تو ثروت کی شادی کو بھی 4 ماہ گزر چکے تھے پھر بھی اتنی گہری خاموشی‘ وہ کسی گہری سوچ میں پڑ گئی۔

آہستہ آہستہ ثروت کی شادی کی تقریبات ختم ہو گئی تھیں۔ سارے مہمان بھی چلے گئے تھے۔ زندگی دوبارہ پلٹ کر وہیں لمحوں کو سمیٹ لائی تھی۔ حماد تو ویسے بھی شادی میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ عادل ماموں جو شادی کیلئے گاؤں سے آئے تھے وہ بھی اپنے رشتے داروں سے ملنے ملانے چلے گئے تھے۔ کبھی ایک ہفتہ کسی کزن کے ہاں تو کبھی دوسرے کزن کے ہاں رہ کر گزار رہے تھے۔ یوں تو ان کے کئی بچے تھے۔ رومی جس کو خاص طور پر گاؤں سے لے کر آئے تھے کہ یہاں کوئی اچھا لڑکا مل گیا تو شادی کر کے چلے جائیں گے۔ اسی غرض سے رومی کو انہوں نے اپنی بہن جلوہ کے پاس چھوڑا ہوا تھا۔ شادی کے سارے فنکشن ختم ہو چکے تھے۔ رومی پھوپی کے

گھر سے اپنے تایا ابا کے گھر گئی ہوئی تھی وہیں پر اسے دادی لے کر ولید ہاؤس گئیں تو چھوٹی دادی نے اسے دو چار دن کیلئے روک لیا تھا۔

ہر شخص اغراض کے پردے میں محبت کرنا جانتا ہے۔ چھوٹی دادی بھی تنہا اور بیمار تھیں۔ رومی کی دھیمی دھیمی مسکراہٹ اور شوخیاں انہیں بے قرار رکھتیں۔ چھوٹی دادی جو کہ صاحب حیثیت تھیں' گاڑی ڈرائیور حاصل تھا' اس لئے رومی کو لئے لئے پورے شہر کی سیر کرواتی پھرتیں۔ اتنے بڑے ولید ہاؤس میں کسی کو کسی کی کوئی فکر نہیں تھی۔ ہر شخص اپنی زندگی آپ جی رہا تھا۔ پیسے کی فراوانی ہمیشہ فاصلوں کو جنم دیتی ہے۔ قربت فاصلوں میں جب بٹتی ہے تو انسان اس بھیڑ میں اپنوں کی تلاش کرتا ہے جب اپنوں کا ساتھ میسر نہ ہو تو ایسے لوگوں میں پناہ لیتا ہے جہاں اسے تنہائی اور محبت کی کمی کا احساس نہ ہو۔ چھوٹی دادی بھی انہی لوگوں میں سے ایک تھیں۔ ولید حیدر کا ایک وسیع کاروبار تھا۔ نوکروں کی بھیڑ تھی۔ اشمل ہر وقت Skype سے ادھر اُدھر باتیں کر رہا ہوتا تھا۔ بھلا اسے اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ دادی کے پاس آ کر بیٹھ جاتا۔ اچانک رومی کی سوچ منتشر ہوگئی۔ وہ پلٹ کر پھر حال میں آ گئی۔ جب وہ اپنے کمرے میں پلٹ کر آئی تو ماہم نے دیکھتے ہی لائٹ آف کر دی تھی۔

''سر میں درد ہے مجھے نیند نہیں آ رہی''۔ ماہم کا لہجہ اداس اور کچھ بجھا بجھا سا تھا۔ دل میں کھٹکا تو ہوا مگر وہ پوچھ نہ سکی اور اب لان میں وہ بیٹھی ہوئی یہی سوچ رہی تھی کہ ایسا کیا ہوا ہے کہ آج پھپھا صاحب کمرے سے باہر نہیں آئے۔ اخبار بھی کسی نے نہیں کھولا۔ نظر پڑتے ہی وہ اخبار اٹھا کر پھپھا صاحب کے کمرے کی طرف آئی تھی۔

بڑی سی گول میز پر نقشین مراد آبادی پاندان رکھا تھا۔ اس نے کمرے میں ایک نظر ڈالی' وہاں ایک گہری خاموشی تھی۔ وہ دبے قدموں نکلی تو سامنے پھوپی نظر آئی تھیں۔ نظر پڑتے ہی وہ ان سے بولی تھی۔

''پھوپی جان! پھپھا صاحب کہاں ہیں؟''

''پتہ نہیں' بہت پریشان تھے وہ سمعیہ کے گھر تک گئے ہیں''۔ پھوپی جان کا لہجہ بہت دکھی دکھی اور چہرہ اداس نظر آ رہا تھا۔ رومی نے بہت غور سے ان کی جانب دیکھا تو پھوپی جان نظریں موڑ گئی تھیں۔

''پتہ نہیں آج ایسا کیا گھر میں ہوا ہے؟ ایسا کچھ ہوا ہے جس کے بعد سے پھوپی جان بے حد اداس اداس سی نظر آ رہی ہیں' کل رات بھی سب لوگ اداس تھے اللہ جانے کیا ہوا ہے اس گھر میں' کیوں سب اداس ہیں؟ دو چار دن سے بابو جی بھی گھر نہیں آئے''۔ وہ ابھی سوچ کر مڑی تھی کہ سامنے سے ماہم سے ٹکرا گئی۔ وہ اس وقت کالج سے آئی تھی' اسے بھی گھر میں ایک اداسی کا احساس ہوا تھا۔

''اماں! ابا کہاں گئے ہیں؟'' ماہم نے بہت غور سے ان کا چہرہ دیکھا تھا۔ اماں کے چہرے پر ابھی تک دکھ کے سائے محسوس ہو رہے تھے۔ نظریں جھکی ہوئی تھیں اور وہ بار بار نروس ہو کر سفید ساڑھی کے آنچل سے اپنا شفاف چہرہ بار بار پونچھے جا رہی تھیں۔ وہ ماہم ہی کیا جو کہے بنا ہر بات نہ جان لے۔

''میں جانتی ہوں اماں! ابا اس وقت سمعیہ باجی کے گھر گئے ہوں گے''۔ اس نے بہت گہری نظروں سے اماں کی جانب دیکھا تھا۔ بک شیلف پر اپنے کالج کی فائل رکھتے ہوئے جب پلٹی تو سامنے سے اسے انعم نظر آئی تھی' ابھی شانزہ اپنے کالج سے گھر نہیں آئی تھی۔ ماہم سب کو نظر انداز کرتی ہوئی کچن میں پہنچی تو بھاپ نکلتے ہوئے چاول اور ارہر کی دال پر اصلی گھی کے بگھار کی خوشبو نے ساری افسردگی' سارے افکار' فلسفے کو ایک طرف ڈال دیا تھا۔ بس وہ جلدی جلدی دال چاول پلیٹ میں ڈال کر ٹیبل کی طرف پلٹ کر آئی تھی جہاں

سامنے اماں تخت پر بیٹھی ہوئیں اپنی مشین پر کوئی کپڑا سی رہی تھیں۔ کرسی کی آہٹ پر انہوں نے نظر اٹھا کر دیکھا اور بولی تھیں۔

''دو بج رہے ہیں بڑی مشکل سے دال چڑھائی تھی کتنی بار میں نے کہا دیکھو سب کالج سے آ جائیں گی اور بھوک لگی ہو گی پہلے دال چڑھا دو' لیکن نہیں' دس گیارہ بجے تک اخبار ضرور پڑھتی ہیں حالانکہ چشمے کا ایک شیشہ نہیں ہے پھر بھی اخبار پڑھے جا رہی ہیں' پڑھے جا رہی ہیں''۔ اماں کا اشارہ بڑی بھابی زوبیہ کی طرف تھا لیکن ماہم کھانے کی دھن میں کب بھلا کسی کی بات سنتی یا نظر ڈالتی' پھر اماں دبے دبے لہجے میں بولی تھیں۔

''سمعیہ نے اچھا نہیں کیا''۔

''میں جانتی ہوں جو آپ کہنا چاہ رہی ہیں' آپ سیدھی سادی ہیں اماں! آپ کچھ نہیں جانتیں' سمعیہ باجی کو صرف چوہدراہٹ کا شوق ہے''۔

''لیکن اب جو اس نے کیا ہے اچھا نہیں کیا ہے' اس نے ایک ایک بات حماد کو لکھ بھیجی ہے ایسا سخت خط حماد نے تمہارے ابا کو لکھ کر بھیجا ہے''۔ ان کے چہرے پر دکھ اور ملال تھا۔

''اماں! انہوں نے جو کھیل کھیلنا تھا کھیل چکیں' شاید آپ بھول چکی ہیں کہ پہلے بھی سمعیہ باجی نے یہی کھیل پھوپی جان کی سلطانہ کے ساتھ کھیلا تھا' بس ان کی نیچر کا حصہ ہے کہ ان سے پوچھ کر ہر بات کی جائے۔ اس بار بھی شاید رومی کے بارے میں بھی یہی ضد آن کھڑی ہے' بس ہر وقت اس صفدر کے چکر میں رہتی ہیں۔ زبردستی کی بات ہے کہ رومی اور صفدر کی شادی کروا دی جائے' کیوں بھئی؟ صفدر میں ایسی کیا خاص موتی لگے ہیں کہ بس باجی کو ہنسی مذاق اور دل لگی اچھی لگتی ہے۔ جب جاؤ وہاں صفدر' شہاب یا اس کے دوست گھر میں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اماں! میں نے تو اسی لئے آتے جاتے ان کے گھر سے گزرنا بھی چھوڑ دیا ہے''۔ اماں تو ہاتھ میں تھامے ہوئے کھجور کے پنکھے کو جھلے جا رہی تھیں۔ بارش کے بعد حبس ہو گیا تھا۔ لائٹ گئی ہوئی تھی۔

پتہ نہیں اس دن جلتے ہوئے موسم میں اب سوچتی ہوں نا جانے کتنی تقدیریں جل گئی ہوں گی' غلط فیصلہ ایک بار ہوتا ہے تمام عمر اس کے اثرات پھیلتے ہیں مگر ماہم کی تو بات سمجھ میں اسی دن آ گئی تھی کہ سمعیہ باجی جو کچھ کر رہی ہیں وہ سب غلط ہے۔

''ارے...... آؤ تم نے کھانا کھا لیا؟'' رومی کا چہرہ پسینے سے شرابور تھا' کلرنگ والے بال اس نے اوپر تک سمیٹ کر پنک ہیئر بینڈ چڑھایا ہوا تھا' وہ پنک دوپٹے سے چہرہ رگڑتے ہوئے بولی تھی۔

''میں تو پھوپی جان کیلئے روٹی بنا رہی تھی' سلاد بھی بنا دی بھائی صاحب کیلئے''۔ وہ ڈش ماہم کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی تھی۔

انعم اور شانزہ کھانا کھا رہی تھیں' لیکن رومی بہت پریشان اور اداس سی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ان لڑکیوں میں سے تھی جن کی قسمت کے فیصلے ماں باپ کرتے ہیں' جن کے دل اور دماغ اپنا کوئی فیصلہ نہیں کرتے' شاید رومی بھی انہی لوگوں میں سے ایک تھی جس کی وجہ سے بڑے ماموں گاؤں سے شہر آئے تھے تاکہ رومی کیلئے یہاں کوئی رشتہ مل جائے' وہاں پڑھے لکھے لڑکے ملنا بہت مشکل تھا لیکن یہاں پر خود جلوہ بی بی جو رومی کی بڑی پھوپھی تھیں رومی کی محبت' خلوص' خدمت دیکھ کر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اب اسی گھر میں رہے گی۔ رومی خود اپنی ذات میں اتنی مخلص اور محبت کرنے والی لڑکی تھی کہ کسی کو بھی انکار کی گنجائش نہیں تھی۔ ہر شخص کا وہ کام کرتی تھی سوائے ایک سمعیہ باجی کے وہ یہ کہتی تھیں کہ حماد سے نہیں میں صفدر سے کروں گی۔ سمعیہ باجی نے اپنا اظہار کھلم کھلا سب سے کر دیا

تھا' انہیں شاید بغاوت کی عادت تھی یا پھر دوسروں کے فیصلوں کو رد کرنے کی عادی تھیں۔ کوئی بھی تو انہیں نہیں سمجھ سکا تھا مگر ماہم جسے سوچنے اور انسانوں کو سمجھنے کی تھوڑی بہت صلاحیت موجود تھی جس کی وجہ سے وہ یہ جان گئی تھی کہ سمعیہ باجی' رومی اور حماد کے معاملے میں ویٹو کریں گی کیونکہ زوبیہ بھابی بھی انہی کی پسند سے لائی گئی تھیں اور ماہم نے خوب خوب شور مچایا تھا کہ اسے بڑی بھابی پسند نہیں ہیں' جس پر دبی دبی ہنسی سمعیہ باجی' ماہم کو دیکھ کر ہنسی تھیں۔ ماہم ان کی پراسراری مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر دیکھ کر ان کے دل کا بھید جان لیا کرتی تھی تب وہ انعم سے کہتی۔

''مجھے نہیں لگتا زیادہ دن رومی کو باجی اس گھر میں رہنے دیں گی''۔ انعم کہتی۔

''ہر جگہ تمہارا فلسفہ' تمہاری سوچ سچ نہیں ہو سکتی''۔ شانزہ نے ایک دن ہنستے ہنستے کہا تھا۔

''تم صحیح کہتی تھیں ماہم! سمعیہ باجی کوئی لمبا گیم کھیلنے جا رہی ہیں ویسا ہی کھیل جیسے پھوپی جان کی سلطانہ کے ساتھ کھیلا گیا تھا۔ کیا صاف صاف حماد بھائی نے ابا جان کو لکھ کر بھیجا تھا۔ اس کی ماں نے طلاق لی' سلطانہ ہر وقت ونڈو سے جھانکتی رہتی ہے' باہر نکل نکل کر گولے گنڈے اور آئسکریم لے کر جاتی ہے' بال کٹے ہوئے' کپڑے دیکھو کس طرح کے پہنتی ہے' ماں نے طلاق لی اور پھر دوسری شادی کی۔ اس کی بیٹی سے تم لوگ ہمارا رشتہ کرنے جا رہے ہو' فوراً انکار کر دو۔ پھر تم نے دیکھا ہم لوگوں کو کیسی ذلت اٹھانی پڑی۔ ہم اپنی پھوپی جان سے ہمیشہ کیلئے چھپ گئے' اس ذلت اور اس رسوائی سے جو ہم نے اٹھائی ہے کیا تم بھول گئیں''۔ شانزہ کی بھوری بھوری آنکھوں میں نجانے کیسے بھید بھرے تھے۔

''ہاں...... مجھے سب کچھ یاد ہے' باجی بہت اکڑتی ہوئی اس دن آئی تھیں اور ہم سے اس دن پوچھنے لگی تھیں''۔ وہ بتانے لگی۔

''ہاں بھئی کیا ہوا انعم کی استانی کے گھر تم لوگ حماد کا رشتہ کرنے گئی تھیں''۔ انہوں نے کھڑاک سے اماں کا گول پاندان کھول کر بڑے سے سانچی پان میں کتھا لگا کر چھالیہ سروتے سے کتر کر ڈالی اور منہ میں رکھتے ہوئے ہنس کر بولی تھیں۔ اس وقت باجی کے ہونٹ مسکرا رہے تھے اور شفاف چہرہ جو بہت معصوم لگتا تھا شرارت سے دمک رہا تھا اپنی کامیابی پر۔ ماہم نے بڑی بے بسی سے یہ دیکھا تھا۔ انعم اور شانزہ کو تو شاید اتنا احساس نہ ہو لیکن ماہم کے اندر کا کتھارسس رو پڑا تھا۔ وہ کر تو کچھ نہیں سکی تھی لیکن اتنا ضرور بولی تھی۔

''ایسا نہیں کرتے وہ بہت دکھی لڑکی ہے''۔

''پورے محلے میں شیکا' فرحت اور اس کی دوستی کے چرچے ہیں''۔ باجی نے کہا تو نا جانے کیوں ماہم کو محسوس ہوا تھا کہ سمعیہ باجی اور اس کے درمیان ایک سرد جنگ ہے۔ اس سرد جنگ میں باجی سب کو شکست دینا چاہتی ہیں۔ اپنی صرف واہ واہ چاہتی ہیں۔ بڑی بیٹی ہونے کے ناطے ابا اور اماں بھی ان کی رائے کو اہمیت دیتے ہیں۔ باقی کسی کی رائے کی کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن سمعیہ باجی شروع سے بہت خود غرض تھیں' کبھی انہیں اپنے ریٹائرڈ باپ کا خیال نہیں آیا۔ جب سسرال سے سمعیہ باجی گھر آتیں ابا کتنے دکھی اور پریشان ہو جاتے تھے۔ باجی کی خاطر مدارت' ان کی شاپنگ' ان کے لینے دینے پر ابا کو قرض لینا پڑتا تھا۔ جب باجی گھر سے چلی جاتی تھیں ابا جب گھر سے نکلتے تھے تو اماں کہتی تھیں۔

''چلی جائے گی سال کے بعد آئی ہے' شاپنگ کرنا چاہتی ہے کچھ تھوڑا قرضہ تم اپنے دوست ڈاکٹر عزیز یا حکیم سے لے لو''۔ تب ابا بہت افسردگی سے کہتے تھے۔

''مانگتے ہوئے بڑی شرم آتی ہے اچھا نہیں لگتا' دیکھتا ہوں کہہ کر۔ خدا کی قسم میں مر جاتا ہوں ادھار مانگتے ہوئے''۔ لیکن اماں کے بے حد اصرار پر ابا قرض ضرور لیتے تھے اور باجی کی وہ عیاشیاں کے ہاتھ پیروں پر مہندی لگائی جا رہی ہے' جو چیز کھانے کا دل چاہ رہا ہے وہ منگوائی جاتی تھی۔

ان کے جانے کے بعد گھر میں کتنی مشکلات کا سامنا ہوا۔ حماد بھائی ہاسٹل میں پڑھ رہے تھے۔ شعور و آگہی کا وہ لمحہ تھا کہ ماہم کو پتہ چلا کہ سمعیہ باجی سسرال سے آ رہی ہیں' ماہم کتابوں میں منہ چھپا کر بہت روئی تھی اور اس نے بددعا بھی دی تھی۔

''باجی! تم کبھی گھر نہ آؤ' تمہاری ٹرین اڑ جائے''۔ ابا' باجی کے جانے کے بعد مقروض ہو جاتے۔ اماں سب کو بات بات پر مارتی تھیں' قرض اتارنا مشکل ہو جاتا۔ ابا کی پنشن 16 تاریخ کو آتی' ایک ایک دن گن کر اماں گزارتی تھیں۔ دکاندار دو دن پہلے پوچھنے لگتا تھا کہ پرسوں تو 16 تاریخ ہے' اماں بار بار ابا سے کہتی تھیں۔

''منا کو خط لکھو کہ اس نے منی آرڈر کیوں نہیں بھیجا؟'' ابا کہتے۔

''کئی بار تو لکھ چکا ہوں کوئی جواب ہی نہیں دیتا۔ بڑی شرم آتی ہے حکیم صاحب سے آنکھیں ملاتے ہوئے۔ خدا کی قسم میں نے تو شطرنج بھی کھلنا بند کر دیا ان کے ساتھ' شکار بھی کھیلنے نہیں جاتا' وہ لوگ پوچھتے ہیں تو میں بیماری کا بہانہ کر دیتا ہوں''۔ اماں تو یوں بیٹھی ہوتیں جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو اور ماہم جو ابا سے انگلش پڑھ رہی ہوتی تھی اس کی آنکھوں میں ستارے ناچنے لگتے اور وہ اٹھ کر اسٹور روم میں چلی جاتی' جہاں بڑے بڑے اونچے اونچے صندوق رکھے تھے' ان کے اوپر بیٹھ کر پڑھنے کے بجائے وہ خوب پھوٹ پھوٹ کر روتی تھی۔

''یا اللہ! یہ میری بڑی بہن کس طرح کی چیز ہے''۔ باجی اور ماہم کے درمیان کل کی سوچ نے آج ایک سرد جنگ درمیان میں حائل کر دی تھی۔ شعور اور آگہی کے در پر ماہم کے کتھارسس میں اپنے اطراف میں پھیلے ہوئے مسائل کو جب محسوس کیا تو وہ گھبرا کر کتابوں میں پناہ لیتی تھی۔

اس وقت بھی گرم گرم بھاپ نکلتے ہوئے چاول بھی وہ غصے سے تیز تیز نگل رہی تھی۔ اماں نے بہت گہری نظروں سے اسے دیکھا تو پلیٹ اور چمچ پٹختی ہوئی اٹھ کر کچن میں چلی گئی جہاں رومی' ابا کا کھانا لے جانے کیلئے ٹرے سجا رہی تھی۔

''لاؤ رومی! مجھے دو میں ابا کو کھانا دے دیتی ہوں''۔

''ارے نہیں ماہم باجی! آپ کالج سے تھک کر آئی ہیں' آپ آرام کریں میں کر دیتی ہوں''۔ ماہم نے ایک نظر باورچی خانے میں ڈالی۔ ایک قیامت برپا تھی ہر طرف۔ زوبیہ بھابی دال چاول پکا کر اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ ایک قیامت کا سا شور تھا جو ماہم کے دل کے اندر اسے توڑ رہا تھا۔

اس نے سنہری رنگت والی رومی کو بہت غور سے دیکھا اور ہنس پڑی۔ وہ معصوم سی رومی جب ہنستی تھی تو گالوں پر ڈمپل پڑتے تھے' یہ نہ جان سکی کہ ماہم اس وقت کیوں ہنس رہی تھی' وہ بھی ہنس پڑی۔

''ماہم باجی! آپ ہنستی ہوئی بہت اچھی لگتی ہیں''۔ ماہم نے کمرے میں جا کر اداس چہرے کو دیکھا تھا۔ ابا واپس آ گئے تھے۔ سمعیہ باجی گھر پر نہیں تھیں۔ ابا نے ایک نیلا لیٹر نکالا تھا اور اپنے ریک میں بلیک لیدر کے فولڈر میں رکھتے ہوئے اماں سے بولے تھے۔

''وہ تو مجھے بھی بہت پسند ہے۔ بہت اچھی اور خدمت گزار لڑکی ہے لیکن اب حماد کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ نہیں ...... ابا نے اماں کی جانب دیکھا تھا۔

''یہ سب کچھ سمعیہ نے کیا ہے صفدر کے چکر میں اور میں ایسا ہونے نہیں دوں گی' صفدر کے ماں باپ راضی نہیں ہیں' ماں باپ تو چلے جائیں گے رومی کو تمام عمر یہی طعنہ ملے گا کہ تم صفدر کی پسند ہو''۔ تو ماہم نے دھیرے سے اماں کے کان میں یہ بات کہی تھی۔

''اماں! صفدر بھائی ایسا نہیں چاہتے''۔ لیکن اماں کے نزدیک ماہم کی کوئی حیثیت نہیں تھی کہ وہ اس کی بات پر دھیان دیتیں یا سوچتیں کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔

آج رومی سے ملنے بابو جی کئی دن کے بعد آئے تھے۔ رومی بضد تھی کہ وہ ساتھ جائے گی دادی کے پاس۔ بابو جی بھی انکار نہ کرسکے۔



آج صبح سے شام ہونے کو آئی تھی رومی کے بڑے ابا کے گھر پر ہڑبونگ سی مچی ہوئی تھی۔ ہر شخص اتنا مصروف تھا کہ مت پوچھیں' بڑی اماں نے آسمان سر پر اٹھایا ہوا تھا۔ کل ان کے گھر ان کی بڑی بیٹی ایشل کیلئے رشتہ آرہا تھا۔ بڑی اماں کو نیو ٹچ دینے کی عادت سی تھی لہٰذا بلیو صوفوں پر فیروزی کشن اچھے لگے۔ بس پھر کیا تھا بڑی اماں چھوٹی اجالا کو لے کر نکل پڑیں۔ ہر دکان پر کہتیں بس فیروزی دکھاؤ۔ ایک جگہ بڑی مشکل سے فیروزی پیس نظر آیا۔

''ہاں بس یہی رنگ ہے فیروزی''۔ تو اجالا جھٹ بولی تھی۔

''امی! یہ فیروزی رنگ نہیں ہے''۔

''نہیں نہیں...... مجھ کو تو بس یہی رنگ چاہیے' یہ تو مور کے پر والا رنگ ہے اور بار بار یہی رنگ مجھے صوفے پر کھلتا ہوا نظر آیا تھا''۔ مگر مایوسی اس وقت ہوئی کہ یہ تو صرف چھوٹا پیس تھا۔ اماں نے الٹ پلٹ کر دیکھا' چھوٹا سا پیس تھا' دکان والا جلدی میں کہہ کر نکل گیا۔

''اماں! یہ تو سیمپل کا ڈیزائن ہے''۔ اماں کو بے حد افسوس تھا کہ کاش یہ رنگ اسی دکان میں مل جاتا' پھر کیا تھا مارکیٹ کی ایک ایک دکان میں فیروزی رنگ کے کشن کا کپڑا ڈھونڈتی پھریں' پھر فیصلہ کیا کہ چلو اسی پیس کو لے لیتے ہیں کچھ کر کرا لیں گے۔

''امی! یہ فیروزی رنگ نہیں ہے سی گرین ہے''۔

''جی نہیں...... وہ فیروزی رنگ ہے' بس چلو پلٹ کر اسی دکان پر''۔

''امی پلیز......'' اجالا تنگ آکر بولی تھی۔

''امی! وہ فیروزی رنگ نہیں ہے''۔

''لیکن مجھے تو وہی رنگ چاہیے''۔ امی جب اس دکان میں دوبارہ گھسیں تو دکاندار نے صاف کہہ دیا۔

''یہ تو سیمپل ہے بیچنے کیلئے نہیں ہے' اگر کہیں تو میں تھان منگوا دوں''۔

''لو اس سے اچھا ہو ہی کیا سکتا ہے''۔ امی تو فوراً جم کر کرسی پر بیٹھ گئیں' اجالا چیختی رہی۔

''امی! یہ فیروزی رنگ نہیں ہے''۔ لیکن امی کو تو فیروزی ہی لگ رہا تھا۔

''چلو چھوڑو مجھے تو یہی لینا ہے''۔ امی بہت مہنگا کپڑا کشن کا خرید کر گھر لائی تھیں' جب کشن پر یونہی لپیٹ کر سیمپل کے طور پر دیکھا تو دل دھک سے ہوا۔

''ہائے...... یہ تو بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا اور فیروزی بھی نہیں ہے''۔ وہ حیران اور پریشان سی ہوئیں۔

''کہا تو تھا امی! یہ فیروزی رنگ نہیں ہے''۔ اجالا بولی تھی۔

''یہ کیا ہوا کہ میں کلر بلائنڈ ہوگئی ہوں' وہاں تو مجھے یہ فیروزی نظر آرہا تھا یہاں تو یہ سی گرین نظر آرہا ہے''۔ امی پریشان ہوئیں۔

''یہی تو میں کہہ رہی تھی امی...... آپ مانتی ہیں کسی کی''۔ امی بڑی دلبرداشتہ سی بیٹھی تھیں' پھر بڑی ہمت سے بول پڑیں۔

''کوئی بات نہیں...... میں دوبارہ فیروزی منگواؤں گی لیکن فیروزی کشن لگا کر رہوں گی''۔ چپہ چپہ' کونا کونا' حتیٰ کہ امی نے ایک ایک کیاری سے سوکھے پتے اور کنکر چنوائے تھے۔ ایشل کا رشتہ آنے والا تھا۔ ایک ایک دروازے کی گھسائی' صوفوں کی پونچائی حتیٰ کہ فرش کو بھی سرف' بلیچ اور سوڈا ڈال کر رگڑا گیا تھا' کہاں تو مہینوں صوفوں کے کشن نہیں بدلے جاتے تھے آج پندرہ دن بعد ہی بدلے جارہے تھے' گھر تو بالکل صاف ستھرا ہو کر چمک رہا تھا۔

بہت زیادہ اچھا ناشتہ رشتے والوں کیلئے بازار سے منگوایا گیا تھا' کوشش کی تھی کہ ہر طرح سے انہیں متاثر کیا جاسکے۔ ایک جگہ کسی کے گھر میں دیکھا تھا کہ لڑکی والوں نے بڑا سا پیزا لاکر رکھا تھا اور دیکھو کیسے فٹافٹ رشتہ ہوگیا حالانکہ لڑکی کچھ بھی نہیں تھی۔ بس یہی سوچ لے ڈوبی۔ بس پھر کیا تھا لڑکے والوں کیلئے پیزا آرڈر کروا دیا اور گھر کے بنے ہوئے شامی کباب' پڈنگ تاکہ لڑکے والوں کو پورے طریقے سے یہ احساس دلایا جائے کہ ہم بھی صاحب حیثیت ہیں۔ منٹ منٹ میں ڈرائنگ روم کی سلوٹیں ٹھیک کیے جارہی تھیں۔ کون کب اور کیسے آئے گا وہ بھی ہدایت دے رہی تھیں۔ ایشل سامنے والے صوفے پر آکر بیٹھے گی تاکہ روشنی اس کے چہرے پر پڑے تو وہ فیئر کلر کی نظر آئے۔ ایشل کو الگ انہوں نے تیار کروایا تھا۔

''ایشل! سوٹ تمہارا بالکل نیا ہو' ہیل ذرا سی اونچی پہننا' لوز پاجامہ رکھنا تاکہ ہیل چھپ جائے' سامنے دس منٹ کیلئے آکر بیٹھنا' شرمائی ہوئی بیٹھنا اور ہر بات میں جی جی کرنا ورنہ وہ سمجھیں گے کہ لڑکی بہت پکی ہے۔ اب تم جاؤ اجالا کے ساتھ بیوٹی پارلر۔ اجالا! اس کو لے کر جاؤ تھوڑا سا ٹاپ ٹاپ کرادو''۔

جب اجالا بیوٹی پارلر سے ایشل کو لے کر آئی تو امی نے اس کے ڈریس کا جائزہ لیا تھا۔

''تم دیکھو...... یہ بلیک والا سوٹ پہننا یہ ابھی دھلا نہیں ہے' نیا سوٹ نیا ہوتا ہے سمجھیں تم۔ تیار ہو کر اندر رہو میں تمہیں بلوالوں گی''۔ وہ بہت دکھی لہجے میں بولی تھیں۔

''جی امی!'' ایشل اندر کمرے میں چلی گئی۔

''جلدی کرو...... جلدی کرو...... وہ راستے میں ہیں' لڑکے والوں کا فون آگیا ہے''۔ امی چلا رہی تھیں۔

ہر بار رشتے والے جب آئے امی نے ایسا ہی کیا تھا لیکن اچانک بابو جی اور رومی گھر آگئے تو انہیں شدید مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔

''دیکھو اماں جی! یہ رومی کو لے کر اس وقت کیسے آگئے' یہ کیا بات ہوئی اماں''۔ وہ اپنی ساس سے مخاطب ہوئی تھیں۔

''اماں! آپ کو پتہ تو ہے رشتہ آنے والا ہے ایشل کا' وہ پھپھو کے گھر رک جاتی' کیا ضروری تھا تایا کے گھر [illegible]

[illegible] کی باتیں کرتی ہو تم...... وہ بہن کا گھر ہے یہ میرے بیٹے کا گھر ہے''۔ ساس بولیں۔

"اماں......" وہ کھینچ کر بولی تھیں۔
"رشتہ ایشل کا آرہا ہے تمہیں رومی سے کیا خطرہ؟ میں بول دوں گی وہ بیٹھ جائے گی اجالا کے ساتھ"۔
"اماں! رشتے والیاں سونگھتی پھرتی ہیں پورے گھر کو، کبھی پانی دینا، کبھی واش روم جانا، تو وہ لیتی پھرتی ہیں پورے گھر کی۔ آپ جانتی تو ہیں دو سال سے اس گھر میں کیا ہو رہا ہے"۔
"چلو ٹھیک ہے...... رومی اجالا کے ساتھ بیٹھ جائے گی، کنڈی لگالے گی"۔ ساس بولیں۔
"تاکہ وہ پوچھیں کہ کمرہ کیوں بند ہے، اس میں کون ہے؟ اماں! اتنی سی بات کو سوچتی ہیں اور پکڑتی ہیں یہ عورتیں، یاد نہیں پچھلے ہی ہفتے ایشل کو دیکھنے آئی تھیں اور کیسی کیسی کھوج لگا رہی تھیں، ابا کتنی عمر کے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟ اماں! وہ لڑکی سے شادی کرنے نہیں نکلتیں بلکہ پورے خاندان کا شجرہ کھولتی ہیں"۔
"ارے وہ لڑکے والے ہیں ناں، چلو میں بھی ہٹ جاتی ہوں"۔ ساس بولیں۔
"نہیں اماں! آپ کیوں ہٹ جائیں گی؟ آپ بیٹھئے ناں، وہ فوراً پوچھیں گی آپ کہاں کی ہیں؟ میاں کہاں کے ہیں؟ گڑھے مردے اکھاڑتی ہیں۔ انڈیا کی تو شکل بھی نہ دیکھی نہ پیدا ہوئیں، منہ پھیلا کر پوچھیں گی ضرور کہ کہاں کی ہو"۔ ان کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔ بس اتنے میں شور ہوا۔
"وہ آگئے......وہ آگئے"۔
"سب جاؤ"۔ کلثوم جلدی سے سر پر دوپٹہ ڈال کر آگے بڑھی تھیں۔ لڑکے والے آگئے تھے۔ کلثوم بڑی محبت اور انکساری سے ملی تھیں۔
"آیئے...... آیئے...... بیٹھئے"۔ تھوڑی دیر کے بعد ایشل کو بلایا تھا۔ وہ کولڈ ڈرنک کی ٹرے تھامے ہوئے اندر داخل ہوئی تھی۔ پیچھے پیچھے ماسی کی بیٹی پیزا رکھے اندر داخل ہوئی تھی۔ لڑکے والوں نے سر سے پیر تک ایشل کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔
"ارے بہن! آپ لیجیے ناں پیزا"۔ کلثوم نے ان کی گھورتی ہوئی نظروں کا تصادم توڑ دیا تھا۔
"ارے...... آپ نے کچھ زیادہ تکلف نہیں کرلیا"۔ لڑکے والے بولے۔
"نہیں بہن! آپ کیسی باتیں کرتی ہیں، شام کو کچھ نہ کچھ کھاتے ہیں ہم لوگ، ایسا ہم نے کوئی تکلیف نہیں کیا، آپ لیجیے"۔ کلثوم بولیں۔
"آپ مائنڈ نہ کریں تو اماں گاڑی میں بیٹھی ہیں باہر"۔
"ارے...... کیوں؟" کلثوم چونک سی گئیں۔
"ہماری اماں کو گاڑی میں چڑھنے اترنے میں تکلیف سی ہوتی ہے، ایسا کریں......" لڑکے والوں نے ایشل کو دیکھتے ہوئے اشارہ کیا۔
"کیوں نہیں کیوں نہیں، ایشل! یہ چائے کا کپ باہر آنٹی بیٹھی ہیں انہیں دے کر آؤ"۔ ایشل نے کپ تھام لیا تھا۔ باہر نکلتے ہوئے ایشل کے پیر کپکپا رہے تھے مگر ماں کی ہدایت پر وہ گیٹ سے باہر آئی۔ وہ جیپ میں بیٹھی ہوئیں نظر آئی تھیں۔ ایشل سلام کر کے ان کی طرف بڑھی تو انہوں نے ہنس کر سلام کا جواب دیتے ہوئے کپ تھام لیا تھا۔
"کیا نام ہے تمہارا......؟"
"ایشل"۔ وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔
"بیٹا! ذرا دائیں جانب دیکھنا مڑ کر، اب اس طرف دیکھو بیٹا......" بڑی بی نے دائیں بائیں جانب چہرہ کروا کر

جائزہ لیا۔ انہوں نے غور سے ایشل کو دیکھا اور بولیں۔
"آپ کی ہائٹ کتنی ہے؟"
"5-5"۔ وہ حیرت سے بولی۔
"ماشاءاللہ! آؤ بیٹا کچھ دیر کیلئے برابر میں آکر بیٹھو، میں اتر نہیں سکتی"۔ ڈرائیور پہلے ہی اتر کر دور کھڑا تھا۔
"نہیں آنٹی"۔ وہ شرما کر اندر بھاگ آئی تھی۔
تھوڑی دیر بعد لڑکے والے بات کرتے رہے پھر چلے گئے۔ جونہی لڑکے والے باہر نکلے دونوں بہنیں ناشتے پر ٹوٹ پڑی تھیں۔
"آؤ رومی! آؤ......" تائی اماں پیار سے بولیں۔
"اجالا کے رشتے کیلئے لوگ آئے تھے، دوبارہ آنے کو کہہ گئے ہیں"۔ وہ اماں جی سے مخاطب ہوئی تھیں۔
"خیر سے اللہ نصیب اچھے کرے، وہ تو کھاتے پیتے لگے"۔ ساس بولیں۔
"رومی! تم بھی کچھ لو"۔ تائی اماں پیار سے بولی تھیں۔
"نہیں بڑی اماں! میں یہ نہیں کھاتی"۔ اس نے پیزا کی طرف اشارہ کیا تو سب کو بڑی زور کی ہنسی آئی تھی۔
"تو چلو تم سموسہ لے لو"۔ تائی اماں بہت پیار سے بولی تھیں۔
"ارے ہاں رومی! تمہاری پھپھو کیسی ہیں؟ اور تمہارے حماد فاروقی کب آرہے ہیں باہر سے؟" تو اس کے چہرے پر برسے ہوئے موسم کی پھوار سی گری تھی۔ اس کے موتی جیسے دانت آدھے آدھے نکھر کر باہر آرہے تھے اور دونوں ڈمپل اندر چلے گئے تھے۔ تائی اماں نے بڑی رشک کی نظروں سے اسے دیکھا تھا پھر اجالا اور ایشل کے چہرے پر پلٹ کر نظر ڈالی تو ان کی نظریں خود بخود جھکتی چلی گئی تھیں جبکہ رومی کے ہونٹوں پر ابھی تک شریری مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

☆

موسم میں ہلکی ہلکی خنکی تھی، گرم لحاف میں ابھی تک وہ بیٹھیں کوئی وظیفہ پڑھ رہی تھیں۔ ولید حیدر 10 بجے ناشتے کی ٹیبل پر آکے بیٹھ گئے تھے۔ ملازم دادی جان کو بلانے آیا تھا۔ اتنی دیر میں صبا بھی ٹیبل پر پہنچ چکی تھی لیکن ابھی تک اشمل نہیں آیا تھا۔ ولید حیدر بار بار واچ کی طرف دیکھ رہے تھے، انہیں آج آفس جانے کیلئے دیر ہوگئی تھی۔ امی جان ہاتھ میں تسبیح تھامے ہوئے سفید دوپٹے سے اپنے مہندی لگے بالوں کو ڈھانپتی ہوئیں ٹیبل پر آکے بیٹھ گئی تھیں۔
"میری وجہ سے دیر ہوگئی تم جلدی سے کھا پی لو"۔ انہوں نے ولید کی طرف ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا تھا۔
"جی امی!" کہتے ہوئے صبا پر ایک نظر ڈالی جو بڑی گہری سانس لے کر کپ لینے کیلئے رخ موڑ گئی تھیں۔
"ابھی تک اشمل نہیں اٹھا، آل ریڈی میں لیٹ ہو چکا ہوں"۔ یہ کہتے ہوئے ٹیبل سے اٹھ کر چلے گئے تھے۔
تھوڑی دیر بعد اشمل ٹاول سے گردن رگڑتا ہوا ٹیبل کی جانب بڑھا تو صبا نے اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہوئے ٹوکا تھا۔
"کہاں ہے اشمل! تم وقت پر اٹھ کر نہیں آئے"۔
"سوری مام! تھوڑی سی تو دیر ہوگئی"۔ اشمل بولا۔
"تھوڑی سی دیر؟ تمہارا تو باپ مجھے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ جیسے مجھے کھا جائے گا"۔ ان کے ماتھے پر کئی

بل پڑ گئے تھے۔

''ایسا کچھ نہیں تھا صبا! بچے ہیں دیر سویر ہو جاتی ہے۔ اشمل! بیٹے تم کیوں نہیں دھیان رکھتے کہ بابا آپ کے ساتھ ناشتہ کرنا چاہتے ہیں، چلو خیر تم بیٹھو آؤ ناشتہ کرو' کیا کھانا ہے تمہیں؟ آملیٹ پراٹھا یا کچھ اور؟ آؤ بیٹھو''۔ دادی بولیں۔

''بس امی جان! آپ ہر بات میری اشمل کے سامنے کاٹ دیتی ہیں' آپ کی موجودگی میں ولید کو کوئی شخص بھی یاد نہیں رہتا۔ بس یہی کہ میڈیسن لے لی' امی جان! ناشتہ کر لیا؟'' وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کرسی کو بہت تیزی سے آگے کی طرف پش کرتی ہوئی اندر چلی گئی تھیں۔ اشمل نے پلٹ کر دادی کی طرف دیکھا تھا۔

''کوئی بات نہیں بیٹا! تم ناشتہ کرو۔ ماں ٹھیک کہہ رہی ہے''۔

''نہیں دادی! یہ سب ٹھیک نہیں ہے' اگر پاپ آپ سے اتنی محبت کرتے ہیں تو یہ آپ کا حق ہے۔ میں بھی تو مام سے اتنا ہی پیار کرتا ہوں کہ مام کو ایسی کیا ضد ہے کہ پاپ آپ سے بات نہ کریں''۔ اشمل بہت اداس لہجے میں دادی کے شفاف چہرے کو تک رہا تھا جہاں کوئی فکر' کوئی ملال' غصے کا شائبہ تک نہ تھا۔

''بیٹے! یہ زندگی ہے ہم کئی لوگوں کے درمیان رہتے ہیں' ہر انسان کی سوچ مختلف ہوتی ہے''۔ اور اسی وقت ایزل آئی تھی۔

''بس یہ مجھے پسند نہیں ہے اس طرح کے تمہارے تعلقات......'' ایزل نے اس کی پلیٹ میں منہ مارا تھا اور اچھل کر دونوں پنجے اشمل کے کندھوں پر مارنے لگی تھی۔

''دادی! ایسا ہی ہوتا ہے اُس دنیا میں جہاں سے میں آیا ہوں''۔ وہ ہنستے ہوئے بولا تھا۔

''کیا مطلب؟ کہ وہاں بلیاں کندھوں پر چڑھتی پھرتی ہیں''۔

''نہیں دادی! وہاں بلیاں نہیں' جل پریاں ایسا کرتی ہیں''۔ ہنستے ہوئے اس نے ایزل کو نیچے اتار دیا تھا۔ اچانک اسے رومی کا خیال آیا تھا۔ رومی جو کئی دن سے اسے اردگرد نظر نہیں آ رہی تھی' ایزل کو دیکھتے ہی رومی کی شکل سامنے آ گئی۔ کئی دن سے وہ ولید ہاؤس میں رہنے کے بعد واپس اپنی پھپھو کے گھر چلی گئی تھی۔

''دادی! وہ لڑکی نظر نہیں آ رہی''۔

''کون لڑکی؟'' دادی واقعی نہیں سمجھ پائی تھیں۔

''وہ جو ایزل کے ساتھ ہر وقت لگی رہتی تھی''۔

''اچھا وہ رومی......وہ بے چاری اپنی پھپھو کے گھر چلی گئی ہے''۔

''کیوں دادی! بے چاری کیوں ہے وہ؟''

''بس بیٹا! ابھی تک فیصلہ نہیں ہو پا رہا اس کی شادی کا' کبھی پھپھو کے یہاں کبھی تایا کے گھر۔ دو چار دن کیلئے میں نے بلا لیا وہ یہاں آ گئی''۔ اشمل نے اپنے اردگرد دیکھا اور بہت رازدارانہ انداز میں دادی سے بولا تھا۔

''دادی! اگر اس کے رہنے کا مسئلہ ہے تو آپ اپنے پاس رکھ لیں اسے۔ آپ کی دیکھ بھال کرے گی' آپ اکیلی ہوتی ہیں' آپ کو وہ کمپنی دے گی''۔

''ہاں......کمپنی دے گی اور تمہاری ایزل کو وقت پر اٹھ کر انڈے ڈبل روٹی کھلائے گی''۔ وہ مسکرا کر بولی تھیں۔

ابھی باورچی بازار سے سبزی لے کر آیا تھا اور ٹیبل سے برتن اٹھانے کیلئے قریب آیا تو اشمل نے دادی کی بات کاٹتے ہوئے بہت گہری نظروں سے دیکھا تھا کہ دادی ایک لمحے کیلئے خاموش ہوئیں تا کہ باورچی یہاں سے چلا

جائے' جونہی وہ فریش چائے رکھ کر برتن سمیٹ کر آگے بڑھا دادی بولیں۔

''تم کہو تو میں اسے ہمیشہ کیلئے اپنے پاس رکھ لوں''۔ ان کے ہونٹوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ رینگ رہی تھی۔

''وائی ناٹ شیور شیور......آپ اسے فوراً بلا لیں اپنے پاس' میں پاپ سے بات کر لوں؟''

''بات ولید کی نہیں ہے بیٹے! تمہاری مام کسی کو پسند نہیں کرتیں پھر میرے رشتے دار' توبہ کرو''۔

''اف دادی! آپ اور مام کی یہ جنگ بچپن سے سن اور دیکھ رہا ہوں''۔

''خیر چلو......اگر تم ایسا چاہتے ہو تو پھر کبھی آئی تو میں روک لوں گی لیکن......رومی ہے بہت پیاری''۔

''جی دادی......جی دادی!'' وہ اپنی نظریں ایزل کی جانب موڑ گیا۔

''میری بات تو سنو اور غور بھی کرنا' اگر میں رومی کو تمہارے لئے مانگ لوں تو......'' وہ آہستہ سے بولیں۔

''جی دادی''۔ اسے ایک کرنٹ چھو گیا۔

''واٹ نانسنس' میں اور شادی؟ نو دادی......نو......میں اس کے حق میں بالکل نہیں ہوں''۔ ہنستے ہوئے پھر بولا۔

''حذیفہ کیلئے بات کر لیں۔ اس کیلئے یہ لڑکی بڑی سیٹ رہے گی۔ بہت کیئرنگ ہے وہ''۔ وہ رومی کی تعریف میں بولا تھا۔

''اسی لئے تو کہتی ہوں وہ تمہاری ایزل کا بھی خیال کرے گی''۔

''نہیں دادی! وہ بھابی بن کر زیادہ اچھا کرے گی''۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

''میں ولید سے بات کروں گی''۔

''پلیز دادی......!'' وہ اٹھ کر کرسی سے دادی کے قریب آ کر کندھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا تھا اور بار بار ان کے کندھے دبائے جا رہا تھا۔

''دادی! میرا نام مت لیجیے گا' گھر میں ایک طوفان کھڑا ہو جائے گا' مام کبھی نہیں مانیں گی ایسا اور دادی! میں خود بھی ایسا نہیں چاہتا''۔ وہ بے حد نروس تھا۔

''اشمل......ادھر آؤ''۔ اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھا اور دادی نے ہاتھ تھام کر برابر والی کرسی پر بٹھا دیا۔

''کیا ہوا......؟ میں تو مذاق کر رہی تھی بیٹے''۔

''نہیں دادی! آپ غلطی سے ایسا مذاق مت کیجیے گا۔ آپ کچھ نہیں جانتیں''۔

''ایسا کیا ہے جو میں نہیں جانتی؟''

''بس دادی! آپ یہ نام دوبارہ مت لیجیے گا۔ ہاں اگر وہ آنا چاہتی ہے اسے کوئی پریشانی ہے یا مالی سپورٹ چاہیے تو آپ اس کی مدد کیجیے۔ میں پاپ سے بات کر لوں؟'' اس نے گھبرا کر دونوں ہاتھ دادی کے گھٹنوں پر رکھ دیئے۔

''چھوڑو تم......اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے خاص۔ میں نے بتایا ہے تمہیں کہ اس کی پھپھو اپنے بیٹے کیلئے رومی کو پسند کرتی ہیں اور تایا کے گھر میں بھی اس کا تایازاد بھائی ہے''۔

''جی جی دادی! وہ بہت اچھی لڑکی ہے اور بہت کیئرنگ نیچر ہے''۔

''ہاں......صرف اس لئے ناں کہ وہ ایزل کا رات دن خیال رکھ رہی تھی''۔

''اونو دادی!'' اس کی نظریں پھر ایزل کیلئے بھٹکنے لگی تھیں۔



ابھی دو دن نہ گزرے تھے کہ رومی پھر پلٹ کر پھپھو کے گھر آ گئی تھی' کوئی بات کوئی کشش تو تھی کہ رومی یوں پھر پلٹ کر آئی یا شاید ماموں کی خواہش کے مطابق پھر پلٹ کر آ گئی تھی۔

پھپھو اور سبھی لوگ اس سے خوش تھے' رومی بھاگ بھاگ کر پھپھا صاحب اور پھوپی کا کام کر رہی تھی۔ ماہم کو کھوج تو لگ گئی کہ وہ پلٹ کر کس کیلئے آئی ہے۔ حماد بھائی کیلئے یا صفدر بھائی کیلئے۔ ماہم بہت دیر سے خالی کاغذ پر یہی لکھے جا رہی تھی کہ رومی کیوں آئی ہے...... حماد بھائی کیلئے یا صفدر بھائی کیلئے؟ حماد بھائی تو ملک سے باہر ہیں' وہ تو انگلینڈ میں ہیں۔ پھر اچانک اس کے ذہن میں یہ بات آ گئی تھی کہ رومی' صفدر بھائی کیلئے آئی ہے......

ہر وقت باجی' صفدر بھائی کی باتیں کرتی رہتی ہیں۔ سیر اور سپاٹے بھی کرواتی رہتی ہیں۔ مال پانی بھی بہت زیادہ ہے ان کے یہاں۔ اوپر کی کمائی زیادہ ہے اور یہاں خشک سالی ہے۔ صرف بڑے بھائی گھر چلا رہے ہیں۔ دال روٹی بھی بڑی مشکل سے ہوتی ہے' صرف ناشتے میں ابا اور بھائی انڈہ لیتے ہیں اور سارے ہی لوگ چائے ڈبل روٹی' شاید یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہاں آؤ بھگت زیادہ ہوتی ہو۔ زیادہ تر ڈیرہ سمعیہ باجی کے گھر پر ہی ہوتا ہے۔

رومی کو رہنے کی کہیں اجازت نہ تھی سوائے پھپھو کے گھر' تایا کے گھر یا چھوٹی دادی کے گھر۔ گھومنے پھرنے تو وہ سب جاتے تھے لیکن واپسی پھپھو کے گھر پر ہی ہوتی تھی جہاں ان کی تینوں بیٹیاں رہتی تھیں۔ سمعیہ اور اس سے چھوٹی بہن ثروت دونوں کی شادی ہو چکی تھی۔ ثروت کا عمل دخل نہ ہونے کے برابر تھا' کبھی کبھار آ جاتی تھی ہاں البتہ سمعیہ باجی کا سکہ چلتا تھا۔

اماں اور ابا دونوں ہی سمعیہ باجی کی بات مانتے تھے ان کی حیثیت بالکل ایک بیٹے کی طرح تھی یہ اماں کی محبت اور مہربانی کا نتیجہ تھا۔

''رومی! تم تایا کے گھر سے جلدی واپس نہیں آ گئی ہو؟'' تو وہ ہنس پڑی۔

''بس وہاں تم لوگوں کے بغیر دل نہیں لگتا۔ ویسے بھی وہاں ایشل کا رشتہ آیا ہوا ہے' ہر وقت وہاں اودھم مچا رہتا ہے' اچھا نہیں لگتا مجھے''۔

''کل تم باجی کے گھر سے بھی جلدی آ گئی تھی''۔

''وہاں صفدر آنے والا تھا' بابو جی آ گئے تھے' اچھا نہیں لگتا''۔ وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو تم مت جایا کرو۔ رومی! ایک بات بتاؤں کہ تم صفدر کے ساتھ کہیں نہیں جاؤ گی اور نہ اس کے سامنے آؤ گی' پتہ ہے وہاں شہاب کا دوست بیٹھا ہوتا ہے۔ پتہ ہے رومی......! پہلے شہاب کا دوست بیٹھا ہوتا تھا اس کا رشتہ بھی آیا تھا۔ میں باجی کے گھر ایک سال تک نہیں گئی۔ کیا سوچے گا میرا بھائی اور کیا سوچے گا میرا باپ۔ میں ناراضگی کا بہانہ بنا کر ان کے گھر نہیں گئی۔ اب جب سے تم لوگ آئے ہو تو میں تھوڑا بہت پھر بھی چلی جاتی ہوں اس لئے کہ اب شہاب اور اس کا دوست وہاں نہیں آتے۔ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے اس کا انجام سوچ لیا جائے تو غلطی کا امکان نہیں ہوتا۔ میں تو ایسی ہی ہوں۔ میں کبھی زندگی میں شرمندہ نہیں ہونا چاہتی' بس یہ بات میرے دماغ میں آتی ہے۔ میں بے حد محتاط زندگی گزارتی ہوں''۔

''ماہم باجی! آپ کتنی پیاری پیاری باتیں کرتی ہیں' دل چاہتا ہے بس سنتی رہوں' آپ بہت خوبصورت ہیں''۔

وہ بار بار ماہم کے فیروزی رنگ کے کرتے کی تعریف کیے جا رہی تھی۔

''میں نے آج اپنی ڈائری میں دیکھو ایک خوبصورت جملہ لکھا ہے''۔ ماہم بولی۔

''زندگی ایک سفید کاغذ کی مانند ہے جو چاہو تحریر کر لو''۔ ماہم' رومی کے چہرے کی طرف دیکھ کر بولی۔

''کیا واقعی رومی......! تمہیں صفدر بھائی پسند ہیں؟''

''بس ماہم باجی......!'' اس کا چہرہ بلش کر رہا تھا۔ اس کے چہرے کے ڈمپل شرم سے اور نمایاں ہو گئے تھے۔ سنہرے کلر رنگ والے بال اس کی ابرو تک لٹک رہے تھے' وائٹ دودھیا دانت' گلابی ہونٹوں سے جھانک رہے تھے۔ وہ اس وقت بے حد حسین لگ رہی تھی۔



''اماں......! لوگ تو بہت کھاتے پیتے گھرانے کے لگتے ہیں''۔ کلثوم بولی تھیں۔

''کھاتے پیتے لوگ لگتے ہیں پر پہلے لڑکا تو دیکھ لو کہ کیسا ہے؟''

''اماں......! اتنی بڑی کمپنی کا منیجر ہے' ساری بہنوں کی شادیاں ہو گئی ہیں' صرف ماں اور بیٹا رہتے ہیں۔ اتنا پوش علاقہ ہے جہاں وہ لوگ رہتے ہیں''۔

''بھلے پوش علاقہ ہے لوگ اچھے ہیں لیکن لڑکے کو بغیر دیکھے ہاں نہیں کرتے ہیں''۔

''اماں......! وہ تو پھر دوبارہ آنے کو کہہ کر گئے ہیں' لگتا ہے انہیں ایشل پسند آ گئی ہے' ویسے بیچاری گھٹنے سے مجبور تھیں اس لئے وہ نہیں اتر سکیں گاڑی سے''۔

''خیر......وہ تو کوئی بات نہیں' اچھے لوگ تو ہمیں بھی لگ رہے ہیں''۔

پھر آج وہی ہوا جو کچھ دن پہلے ہوا تھا۔ لڑکے والے آنے والے تھے۔ گھر کی صفائی' دھلائی کی جا رہی تھی۔ رومی کو پھپھو کے گھر سے خاص اسی لئے بلایا گیا تھا کہ وہ صفائی کر دے۔

''رومی......! ذرا دروازوں کو بھی دیکھ لینا بیٹا' ماسی تو بس یہی کام کرتی ہے''۔ دادی اماں کے کہنے پر جلدی سے برتن سمیٹ کر وہ اٹھ گئی تھی۔

''دیکھا کیسی سعادت مند بیٹی ہے' نصیب والوں کے گھر جائے گی۔ یونہی تھوڑی پھپھو نے پسند کر لیا ہے' آخر کچھ سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے''۔ کلثوم کی ساس بہت پیار بھرے انداز میں بولیں تو کلثوم غصے سے اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔

رومی خوب چمکا چمکا کر دروازوں کو پونچھے جا رہی تھی' زینے کے نیچے تک صفائی ستھرائی کیے جا رہی تھی' بڑا پائپ تھامے پودوں کو پانی دیئے جا رہی تھی' اپنی تھوڑی سی تعریف سن کر اس کا دل یہی چاہ رہا تھا کہ دنیا بھر کا کام وہ آج کر ڈالے۔ اس کی واہ واہ ہر طرف ہونے لگی۔ پھپھو کے گھر میں ہر شخص اس کی محبت کا' اس کی خدمت کا اعتراف کرتا تھا۔ اب یہاں تایا ابا کے گھر بھی پوری طرح چھا گئی تھی۔ اتنے کم دنوں میں دوسروں کو یوں لگتا کہ جیسے تمام عمر سے رومی اس گھر میں رہ رہی ہے۔

شام سے پہلے پہلے خوب صفائی ستھرائی ہو گئی تھی۔ تائی اماں اس کی طرف پلٹ کر آئی تھیں۔

''دیکھو بیٹا! جب کوئی گھر میں لڑکی کو دیکھنے آتا ہے تو اسی لڑکی کو دکھاتے ہیں جس کی نسبت آ رہی ہوتی ہے' میں نے ابا کو منع کر دیا ہے کہ وہ کمرے میں ہی بیٹھے' اندر صرف ایشل ناشتہ لے کر ڈرائنگ روم میں آئے گی۔ برا نہ ماننا

بیٹا! تم بھی دادی کے کمرے میں تھوڑی دیر کیلئے بیٹھ جانا۔ اِدھر اُدھر نکلو تو یہ عورتیں جھانکتی پھرتی ہیں، نظر پڑ جائے گی تو پھر وہی الٹی سیدھی باتیں...... ان کی نظر تو بکرا منڈی میں بکریوں کی چھان بین میں لگتی ہے''۔ یہ سن کر رومی کو بڑی زور کی ہنسی آئی تھی۔ ہنستے ہنستے وہ وہیں صوفے پر ٹک گئی، الجھے ہوئے کلرنگ بال اس کے چہرے پر آ گئے تھے، گالوں کے گہرے ڈمپل بلش کر رہے تھے۔

''یہاں ایسا ہی ہوتا ہے رومی! رشتے والیاں فیس لے لیتی ہیں لوگوں سے پھر گھر گھر جھانکتی پھرتی ہیں''۔ رومی کو پھر زور کی ہنسی آئی تھی۔ تائی اماں بھی اس کی ادا پر مسکرا پڑی تھیں۔ پھر شام ہونے سے پہلے پہلے وہ لوگ آ گئے تھے۔ جلدی سے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر ان کا استقبال کیا گیا۔ تمام لڑکیاں کونے کھدروں میں چھپ سی گئیں۔ باتوں باتوں میں انہوں نے اپنی پسندیدگی کا بہت زیادہ اظہار کیا تھا۔

اس وقت لڑکے کی بہن شاہانہ اپنی دوسری بہن رعنا کے ساتھ اس بہانے سے آئی تھی کہ یہ بہن بھی دیکھے گی۔ پہلی ملاقات شاہانہ سے تو ہو چکی تھی لہٰذا کلثوم کا لہجہ تھوڑا بے تکلفانہ سا تھا۔ وہ اماں کی خیر خبر پوچھنے لگیں تو رعنا جلدی سے بولیں۔

''بیچاری اماں کو گاڑی سے چڑھتے اترتے درد ہوتا ہے ناں، باہر بیٹھی ہیں''۔ کلثوم جلدی سے باہر کی طرف لپکیں تو شاہانہ بول پڑی تھیں۔

''کہاں جا رہی ہیں آپ......؟ اماں اتر کر اندر نہیں آئیں گی، آپ تو جانتی ہیں انہیں گھٹنے کا پرابلم ہے، ایشل سے کہیے گا کہ ایک کپ چائے وہیں پہنچا دے''۔

''کیوں نہیں''۔ کلثوم راحت رساں لہجے میں بول کر مسکرائی تھیں۔

ایشل بڑی بنی سنوری پنک سوٹ میں ناشتے کی ٹرے میز پر رکھ کر وہیں صوفے پر نظریں جھکائے بیٹھ گئی۔ کلثوم جلدی سے سینڈوچ اور کباب رکھتے ہوئے ایشل سے بولی تھیں۔

''دیکھو بیٹا! آنٹی اتر نہیں سکتیں ناں، چلو شاباش انہیں دے کر آؤ''۔ شاہانہ اور رعنا کے چہرے پر پسندیدگی کی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

ڈرائیور نا جانے کس کونے میں کھڑا تھا البتہ اسے وہی بوڑھی آنٹی نظر آئیں۔ انہوں نے جلدی سے ایشل کو دیکھ کر گاڑی کا دروازہ کھول دیا تھا، سلام کرتے ہوئے نظریں جھکا کر ایشل نے پلیٹ ان کی طرف بڑھا دی تھی۔

''جیو بیٹا!'' انہوں نے ایک مسکراہٹ ایشل کے چہرے پر ڈالی، پلیٹ ڈیش بورڈ پر رکھتے ہوئے نظر کا چشمہ آنکھوں پر لگا کر بولیں۔۔

''بیٹا! اس دن میں چشمہ نہیں لگا کر آئی تھی اس لیے صحیح سے نہ دیکھ سکی۔ بیٹا! ذرا اوپر دیکھنا''۔ تو ایشل نے گھبرا کر اوپر دیکھا، آنکھوں کے سامنے سیاہ بادل گھوم رہے تھے۔

''دائیں بائیں مڑنا بیٹا! اب ذرا چل کر دکھاؤ''۔ ایشل چلتی ہوئی اندر بھاگ گئی تھی۔ اندر شاہانہ، رعنا اور کلثوم کا خوش گپیوں کا دور چل رہا تھا۔

''آپ لیجیے ناں کچھ اور''۔ بار بار تکرار ہو رہی تھی۔

''ارے لے بھی لیجیے شاہانہ! ایشل نے بڑے اسپیشل کباب بنائے ہیں، اس کے ہاتھ میں بڑا ذائقہ ہے''۔

''جھوٹ بالکل جھوٹ، کباب تو رومی نے بنائے تھے، سینڈوچ تو اجالا نے بنائے تھے، امی کس طرح سب کے سامنے جھوٹ بول رہی ہیں''۔ ایشل چپ چاپ بیٹھی سوچ رہی تھی۔

شاہانہ اور رعنا کی نظروں میں پسندیدگی مسکرا رہی تھی۔ کلثوم اپنی زبان کی تلخی کو مٹا کر نرم لہجے میں چائے کپ میں انڈیل رہی تھیں۔

''شاہانہ! کسی دن ڈنر پر آؤ پھر گپ شپ ہو گی''۔

''کیوں نہیں بھابی! دیکھتی ہوں ایک دو دن میں چکر لگاؤں گی، بڑی باجی بہت بے چین ہو رہی ہیں ایشل کو دیکھنے کیلئے''۔ کلثوم کے دل میں ٹھنڈک سی اتر آئی۔

''کیوں نہیں بھئی یہ تمہارا گھر ہے، بشریٰ ہماری دوست ہے، ہمیں تو تم اس حوالے سے بہت پسند آئیں، بات کچھ ہو نہ ہو اخلاق اور انسانیت بھی تو کوئی چیز ہے''۔ کلثوم نے بالکل جھوٹ بولا تھا۔ وہ بشریٰ کو بالکل پسند نہیں کرتی تھیں۔

''وہ لوگوں کے پیسے کھاتی ہے، لوگ اسے پکڑتے پھرتے ہیں کہ کوئی ڈھنگ کی لڑکی تو دکھاؤ تو پکڑ کر انہیں ہمارے گھر لے آتی ہے اچانک، لوگوں کی تو عادت ہو گئی ہے گھر گھر جھانکنے کی، مزے لیتی پھرتی ہیں طرح طرح کے لوازمات کے''۔ دادی کی کھری کھری سن کر سب ہنسے تھے۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں بیٹا!'' بچیوں کی کھی کھی کی ہنسی پر دادی مڑ کر بولی تھیں۔

''کیا کریں اماں! مجبوری ہے اپنے تو اب رشتے لے کر آتے نہیں، غیروں میں جھانکتے پھرتے ہیں۔ ظاہر ہے ہم انہی عورتوں کے ذریعے رشتہ مانگتے پھرتے ہیں، ویسے کوئی خاص رشتے ہوتے نہیں ہیں۔ ویسے خوامخواہ سب سے فیس بٹورتی رہتی ہیں، رشتے والیاں، ان کے دلوں سے اللہ کا خوف مٹ گیا ہے، جب دیکھو الٹے سیدھے رشتے لے کر آ جاتی ہیں۔ اتنی تعریفیں کی ہیں اماں! اس لڑکے کی کہ میں راضی ہو گئی، وہ کہہ رہی ہیں صرف انہیں ہائٹ دیکھنی ہے لڑکا کافی لمبا ہے اور ہماری ایشل بھی قد کاٹھ میں اچھی نکلی ہے، اللہ نے چاہا تو یہاں بات بن جائے گی، کہہ تو رہی تھیں شاہانہ کہ جمعہ کو وہ پھر چکر لگائیں گی''۔ کلثوم بہت تشکر بھرے انداز سے بول کر ساس کو دیکھنے لگی تھیں۔

''بھئی یہ اس کا تیسرا یا دوسرا چکر ہے، لڑکے کو کیوں نہیں ساتھ لا رہیں''۔

''اماں! میں نے بھی کہا ہے کہ لے کر آیئے گا لڑکے کو۔ اماں! اتنی جلدی کیا ہے، لے کر آئیں گی، میں اصرار کروں تو وہ سمجھیں گی کہ میں گری پڑی ہوں کہ میری بیٹی بھاری ہے۔ جہاں اتنے دن انتظار کیا اماں! وہاں دو دن صبر سے نہیں بیٹھ سکتے''۔

''چلو جیسے تمہاری مرضی''۔ اماں کا لہجہ کچھ شکوک بھرا تھا، انہوں نے بھی دنیا دیکھ رکھی تھی۔

ایشل کو کلثوم نے بلایا تھا۔

''ایشل! کیا کہہ رہی تھیں آنٹی، تم سے کوئی بات کی انہوں نے؟''

''جی امی...... ! پہلے انہوں نے کہا اوپر دیکھو پھر انہوں نے کہا دائیں مڑو پھر بائیں چلو، سامنے دیکھو...... امی! انہوں نے مجھے چلوا کر دیکھا ہے''۔ اس کی آنکھوں میں آنسو اتر آئے۔ کلثوم نے نظریں جھکا کر اپنا رخ پھیر لیا۔

(جاری ہے)

صنوبر فہیم اختر

مکمل ناول

محبت ہمسفر میری

سب بے چینی سے اس کے آنے کا انتظار کر رہے تھے، بس بے زاری تھی تو صرف صبا کے چہرے پر، اسے اس شخص کے آنے سے نہ تو کوئی خوشی تھی نہ ہی غم، پر اس کا انتظار کرنا اسے کوفت میں مبتلا کر رہا تھا، وہ اپنے تاثرات کو بہت



خوبصورتی سے چھپائے ہوئی تھی پر اب وہ پوری طرح سے اکتا چکی تھی، وہ ابھی سوچ رہی تھی کہ یہاں سے چلی جائے کہ وہ اپنی پوری آن بان اور شان شوکت سے سر اٹھاتا ہوا پروقار سی چال چلتا ان تک پہنچ گیا ہونٹوں پر دل آویز مسکراہٹ سجائے، وہ سوچ کر رہ گئی کہ نجانے کتنی لڑکیاں اس ظالم جادوگر پر مرمٹی ہوں گی۔

''اسلام وعلیکم! آغا جان اور امو حضور''۔ اس نے آتے ہی ان دونوں کے آگے سر جھکا دیا، جنہیں اس کے والدین ہونے کا اعزاز حاصل تھا، صولت عالم اور زرینہ عالم اپنے بڑے بیٹے کو دیکھ کر خوشی سے جی اٹھے اور امو حضور اس سے لپٹ کر رو دیں، اس نے ان کو چپ کروا کر اپنے سے الگ کیا تو اس کی نظر سامنے کھڑی صبا پر گئی جو چہرے پر زمانے بھر کی بے زاری سمیٹے کھڑی تھی، اضمار اسے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا تھا کیونکہ وہ بالکل بدل گئی تھی۔

''بھائی جان! ہم بھی کھڑے ہیں راہوں میں''۔ شمیر کی چہکتی آواز پر وہ مڑا اس سے گلے مل کر الگ ہوا، وہ اس کا اکلوتا چھوٹا بھائی تھا، اس سے تین سال چھوٹا تھا، اس نے اس کو بہت مس کیا تھا، اس سے ملنے کے بعد وہ صبا کی طرف متوجہ ہوا۔

''ہیلو...... تم صبا ہی ہونا؟'' وہ نعمان انکل کی بیٹی تھی، اس نے مسکراتے ہوئے اس سے ہائے ہیلو کی تو وہ فقط سر



ہلا کر رہ گئی۔

''پورے آٹھ سال بعد دیکھ رہی ہوں' جب گیا تھا تو کتنا سا تھا اب کتنا بڑا ہو گیا ہے ماشاء اللہ سے''۔ امو حضور نے اس کا ماتھا چوم کر نم آنکھوں سے کہا۔

''اماں جان! یہ ہی نہیں ہم بھی بڑے ہو گئے ہیں''۔ شمیر پھر شرارت سے بولا تو وہ سب مسکرا دیئے۔

''جی امو حضور! میں تو بڑا ہو گیا ہوں پر آپ تو آج بھی ویسے ہی بہت فٹ ہیں' جیسے آٹھ سال پہلے تھیں''۔ اس نے شرارت سے کہا کیونکہ زرینہ بیگم اپنی عمر سے کافی چھوٹی لگتی تھیں اور اب بھی کوئی انہیں اضمار عالم کی ماں نہیں کہہ سکتا تھا وہ تھیں ہی بہت پیاری سی' کہیں سے بھی دو بچوں کی ماں نہیں لگتی تھیں۔

''بہت ہو گیا...... اب کیا آپ لوگ ساری باتیں ایئر پورٹ پر ہی کریں گے''۔ آغا جان نے جگہ کا احساس دلایا تو وہ سب بھی مسکرا کر چل پڑے کہ اتنے میں پیچھے سے کسی نے اضمار کو آواز دی تو سب ہی چونک گئے' اضمار نے بھی مڑ کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔

''کیوں مجھے بھول گیا تھا کیا یاد دلانے کے لئے دو چار پنچ لگانے پڑیں گے''۔ اریب اس کے مقابل ہو کر اسے گھورنے لگا تو وہ شرمندہ ہو گیا کیونکہ اس نے اسے اپنے آنے کی خبر ہی نہیں دی تھی اور اب اسے اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

''سوری یار! یاد نہیں رہا تجھے بتانا' وہ بس موڈ ہوا سرپرائز دینے کا تو ایسے ہی چل پڑا''۔ اس نے گلے ملتے ہوئے تفصیل بتائی تو وہ دانستہ کچھ نہیں بولا۔

''اچھا یہ بتا کہ تو یہاں کیسے پہنچا اور تجھے میرے آنے کی خبر کس نے دی؟'' اس نے پوچھا تو وہ مسکرا دیا۔

''صبا نے بتایا تھا ورنہ مجھے تو پتہ ہی نہیں چلتا' اچھا ہوا صبا نے مجھے بتا دیا تھا ورنہ تو پورا چھپا رستم ہی رہے گا''۔ اس نے بھی بدلہ لینے کی ٹھانی تو اضمار کی نظر صبا پر جا ٹکی جو بہت اکتائی سی نظر آ رہی تھی' 8 سال پہلے والی صبا میں اور آج کی صبا میں بہت فرق تھا' وہ واقعی بہت حیران تھا۔

''اچھا...... میں بھی یہی سوچوں کہ تمہیں کون بتا سکتا ہے''۔ وہ بھی مسکرا کر بولا۔

''ہاں بھئی یہ تو ہے''۔ اس نے بھی تائید کی۔

''چلو بیٹا! گھر چلیں پھر مل کر ڈنر بھی کریں گے رات کے آٹھ بج رہے ہیں تم ایسے ہی گھر واپس نہیں جاؤ گے' ہمارے ساتھ گھر چلو وہاں تم بچوں کی باتیں تفصیل سے ہو جائیں گی''۔ امو نے انہیں باتیں کرتا دیکھ کر ٹوکا تو وہ سب ہنس دیئے پر اضمار نے دیکھا کہ صبا بہت سنجیدہ ہے۔

''نہیں امو! ہم جائیں گے ہماری بہت امپورٹنٹ میٹنگ ہے اور ڈنر بھی باہر ہی ہے''۔ اریب معذرت خواہ لہجے میں بولا تو امو ہم پر الجھ گئیں اور بولیں۔

''اس کا مطلب ہے صبا! تم بھی جا رہی ہو کیا ڈنر پر نہیں رکو گی......؟'' امو خفگی سے بولیں تو اس نے ان کے گرد بازو حمائل کر کے محبت سے گندھے لہجے میں کہا۔

''نہیں امو! میٹنگ بہت امپورٹنٹ ہے اور میرا وہاں ہونا بہت ضروری ہے' کروڑوں کی ڈیل ہے اگر نہیں گئی تو نقصان ہو جائے گا' اب آپ خود ہی بتائیں میں جاؤں یا نہیں جاؤں''۔ اس نے معصومیت سے سوال کیا تو وہ مسکرا کر سر ہلا گئیں۔

''ہاں جاؤ پر اریب! اسے جلدی گھر چھوڑ دینا اسے وقت کا خیال ہی نہیں رہتا ہے''۔ امو نے خاص تاکید بھی

ساتھ کی تو وہ دونوں الوداعی کلمات ادا کر کے آگے بڑھ گئے اور وہ چاروں بھی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔



نعمان بیگ' صولت عالم اور صابر رضا بچپن کے دوست تھے اور ان تینوں کی دوستی بہت گہری تھی' تینوں نے بزنس میں پارٹنر شپ کی ہوئی تھی اور بزنس بھی ان کا عروج پر تھا ایک دن نعمان بیگ اپنی بیگم کے ساتھ اپنے دوست کے گھر جا رہے تھے اور صبا کو بخار ہونے کی وجہ سے صولت عالم کے گھر چھوڑ گئے تھے' جب وہ واپس آ رہے تھے تو ان کی کار کھائی میں گر گئی اور وہ دونوں موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے اور اس طرح دس سالہ صبا ہمیشہ کے لئے صولت عالم کی ذمہ داری بن گئی۔

صولت عالم کی بھی دو اولادیں ہیں اضمار عالم جو اس وقت پندرہ سال کے تھے جبکہ ان سے تین سال چھوٹے شمیر عالم جو نہایت نٹ کھٹ اور شرارتی واقع ہوئے' اس طرح وہ صبا بیگ کو بھی ہمیشہ ایک اولاد کی طرح چاہتے ہیں اور اس کی پرورش بھی بہترین خطوط پر کی ہے۔

صولت عالم بیس سالہ اضمار کو اعلیٰ تعلیم کے لئے نیویارک بھیج دیتے ہیں' ایسے میں ان کی ساری توجہ اور محبت صبا بیگ کو مل جاتی ہے' وہ بھی ان کو بالکل سگے والدین کی طرح چاہتی ہے اور دل سے ان کی عزت کرتی ہے پر اسے اضمار عالم سے ایک چڑ سی ہے' اس کے والد کا بزنس بھی صابر رضا اور صولت عالم ہی سنبھال رہے ہیں۔

صبا نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے ساتھ ہی اپنا بزنس خود ہی سنبھالنا شروع کر دیا' اس کے دو ہی دوست تھے اریب اور شمیر' وہ تینوں ایک دوسرے سے بہت اٹیچ ہیں پر صبا کی اضمار سے چڑ کی وجہ؟ وہ بھی ناواقف ہیں۔



''یہ صبا ابھی تک نہیں آئی' آپ اریب کو فون کریں وہ کب تک آئیں گے دس بج رہے ہیں''۔ اضمار کھانے سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں جانے لگا تو اس نے امو حضور کی بات سنی تھی جو وہ آغا جان سے کہہ رہی تھیں پر وہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا' اسے مژگان کو بھی فون کرنا تھا جسے وہ خود اکیلا چھوڑ کر آیا تھا تاکہ اسے بھی کچھ احساس ہو' وہ اس کا پیار تھی محبت تھی اور اس پر ہی توجہ نہیں دے رہی تھی' وہ اس کی محبت تو تھی پر ساتھ میں ماموں زاد بھی تھی اور وہ آج کل اس کے ساتھ بہت روڈ رویہ اختیار کئے ہوئے تھی۔



''مجھے تمہاری سائیکی بالکل سمجھ میں نہیں آتی پہلے تو ڈنر کراتے ہو اور اس کے بعد ٹھنڈ میں آئسکریم کھلا رہے ہو''۔ معصومیت سے آنکھیں پٹپٹا کر بولی تو وہ اسے گھور کر رہ گیا۔

''انتہائی درجے کی بے وقوف ہو' اتنی خوبصورت شام کو ٹھنڈا کہہ رہی ہو''۔ وہ زچ ہوا تو وہ کھلکھلا کر مسکرا دی۔

''اچھا ایک بات بتاؤ گی صبا! بالکل سچ''۔ وہ یکدم سنجیدہ ہوا تو وہ بھی متوجہ ہو گئی۔

''ہاں بولو...... تمہیں اجازت کی ضرورت کب سے ہو گئی؟'' وہ حیران تھی اس کے اس انداز پر۔

''آج ہماری کوئی بھی میٹنگ نہیں تھی پھر بھی تم ضمی کے آنے پر گھر کیوں نہیں گئیں؟ بلکہ یہاں کیوں آ گئیں؟'' وہ سچائی جاننا چاہتا تھا اس نے گہرا سانس خارج کیا۔

''کچھ چیزیں بغیر کسی وجہ کے ہوتی ہیں یہ بھی ان میں سے ہی ایک ہے' میرے پاس سچ میں کوئی جواز نہیں ہے اس فرار کا' پر میں اس کے سامنے نہیں رہنا چاہتی' بہت سی تلخ یادیں جڑی ہیں''۔ وہ آزردگی سے بولی تو وہ حیران رہ گیا۔

''صبا! تم بچپن کی باتوں کو اب بھی دل میں بسائے بیٹھی ہو''۔ وہ سچ میں حیرت زدہ تھا کہ صبا اتنی حساس ہے۔

"اریب! کچھ باتیں بہت تکلیف دہ ہوتی ہیں جو اپنے زخم اور نشان ہمیشہ کے لئے ہمارے دل پر ثبت کر جاتی ہیں، وہ یادیں بھی کچھ ایسی ہی ہیں جو بھلائے نہیں بھولتیں، میں کیا کروں؟ میں وہ وقت، وہ تلخی، وہ بے عزتی نہیں بھول پاتی"۔ وہ تھکن زدہ لہجے میں بولی تو وہ بھی چپ ہو گیا۔

"صبا! ماضی بھول جانے کے لئے ہوتا ہے"۔ اس نے اسے سمجھایا تو وہ تلخی سے ہنس دی۔

"نہیں اریب! ماضی سبق ہوتا ہے جو آپ کو آنے والی زندگی کے لئے بہت سی باتیں سکھاتا ہے اور آپ کو حقیقت اور فریب کی دنیا سے باہر لاتا ہے، آپ کا ماضی، حال اور مستقبل آپ کے ہم قدم ہوتے ہیں ہمیشہ، کیونکہ آپ کا ماضی آپ کی، کی گئی غلطیوں کا احساس دلاتا ہے، حال میں آپ کو جینا سکھاتا ہے اور مستقبل کی نشاندہی کراتا ہے، آپکو اپنا ماضی کبھی نہیں بھولنا چاہئے"۔ وہ گہری سنجیدگی سے بولی تو وہ اس کی باتوں کی گہرائی پر غور کرتا رہ گیا۔

"اچھا چلو اب ان سب باتوں کو بھول جاؤ، کیوں اپنی زندگی کو مشکل بنا رہی ہو؟ زندگی جینے کے لئے ہے صبا"۔ اس نے پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"پتا ہے اریب! اگر تمہاری زندگی میں مشکل ہے تو سمجھ جاؤ کہ تم زندگی جی رہے ہو، کیونکہ سانس لینا جینے کا نام نہیں زندہ ہونے کا ثبوت ہے، کیونکہ سانس تو بستر مرگ پر لیٹا ہوا انسان بھی لیتا ہے"۔ وہ تلخی سے ہنس کر بولی تو وہ بھی افسردہ ہو گیا، وہ اس کی محرومی کو سمجھتا تھا۔

"صبا! ہمیں دیر ہو رہی ہے اب گھر چلو ورنہ امو بہت ڈانٹیں گی"۔ اس نے اس کا دھیان ان باتوں سے ہٹا کر کہا تو وہ بھی ہوش میں آئی۔

"ہاں چلو دیر ہو گئی ہے کافی"۔ وہ بھی کھڑی ہو گئی تو دونوں گھر کے لئے روانہ ہو گئے۔

☆

وہ جیسے ہی اریب کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی، امو نے اس کی ٹھیک ٹھاک کلاس لے لی تھی، وہ کبھی اتنی لیٹ نہیں ہوئی تھی پر آج اسے رات کے گیارہ بج گئے تھے، شمیر بھی تھک کر سو گیا تھا۔

"آئی ایم سوری امو! آئندہ لیٹ نہیں ہوں گی"۔ وہ کان پکڑ کر معصوم سا چہرہ بنا کر بولی تو اس کی اس حرکت پر امو سمیت اریب اور آغا جان بھی مسکرا دیئے، اضمار بھی کیونکہ کھانے کے بعد ہی کمرے میں چلا گیا تھا اس لئے وہ چاروں نفوس ہی اس وقت کمرے میں موجود تھے۔

"اچھا معاف کیا پر آئندہ دیر نہ ہو"۔ امو جان کچھ کچھ خفا خفا سی بولیں تو وہ مسکرا دی، وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ مصنوعی خفگی دکھا رہی ہیں۔

"بالکل پرامس"۔ وہ بھی اٹھلائی۔

"اور اریب بیٹا! آپ بتاؤ گھر میں سب کیسے ہیں؟" آغا جان اریب سے مخاطب ہوئے جو صبا کی شرارتوں کو ملاحظہ فرما رہے تھے۔

"سب ٹھیک ہیں آغا جان اللہ کے فضل و کرم سے سب اچھا چل رہا ہے اور صبا بھی بہت اچھا پروگریس کر رہی ہے"۔ وہ مودب انداز میں بولا، وہ بھی انہیں آغا جان ہی کہتا تھا۔

"چلو اللہ کا کرم ہے سب پر"۔ وہ دعا گو انداز میں بولے۔

"انشاء اللہ"۔ اسنے بھی تائید کی۔

"اچھا اب میں چلتا ہوں"۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ انہیں بھی وقت کا احساس ہوا تو وہ سب اسے الوداع کہہ کر اپنے

اپنے کمروں کی طرف بڑھ گئے۔



وہ کمرے میں آ کر نمبر ملا کر بے تابی سے کال ریسیو ہونے کا انتظار کر رہا تھا پر دو گھنٹے ہونے کو آئے تھے اور مژگان اس کی کال ریسیو ہی نہیں کر رہی تھی، اسے رہ رہ کر مژگان پر غصہ آ رہا تھا جو پتہ نہیں اب تک کہاں اتنی مصروف تھی، آخر اس کی دو گھنٹے کی خواری کے بعد اس نے کال ریسیو کر ہی لی تو وہ غصے سے چلا ہی اٹھا۔

"ہیلو"

"کہاں تھیں تم؟ اور تمہارے پیچھے یہ اتنا شور کیوں ہو رہا ہے اور تم ہو کہاں اس وقت"۔ وہ اس پر برہم ہوا۔

"سوری ضمی! وہ میں پارٹی میں تھی اور موبائل سائیلنٹ پر تھا اس لئے"۔ اس نے معذرت کی تو اس کا غصہ کچھ کم ہوا۔

"یہ بتاؤ اس وقت ہو کہاں؟" اس نے باز پرس کی۔

"جمی کے گھر پر پارٹی میں ہوں"۔ اس نے آگاہ کیا۔

"تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ وہ اچھا نہیں ہے اس سے مت ملا کرو"۔ وہ بولا۔

"ضمی! وہ تمہارے لئے برا ہے بٹ اس نے میرے ساتھ کبھی کچھ برا نہیں کیا وہ میرا بہت اچھا دوست ہے"۔ وہ بے زار لہجے میں بولی۔

"تو کیا وہ مجھ سے بھی زیادہ امپورٹنٹ ہے"۔ وہ خفا ہوا۔

"ضمی! بچوں جیسی باتیں مت کرو"۔ وہ تنک کر بولی۔

"تو کیا تم میرے لئے اسے نہیں چھوڑ سکتیں؟"

"تم نے میرے لئے پاکستان چھوڑا نہیں نا تو پھر میں کیوں"۔ وہ ضدی لہجے میں بولی وہ اس کی محبت تھی اور ضدی بھی بہت تھی۔

"ان دونوں باتوں میں بہت فرق ہے"۔ وہ سنجیدگی سے بولا۔

"کوئی فرق نہیں ہے، دونوں ہی قربانی کے زمرے میں آتی ہیں"۔ وہ دوبدو ہوئی۔

"تم یہ چھوڑو کوئی اور بات کرو"۔ وہ بولی تو لہجہ خوشگوار تھا۔

"تم نے مجھے مس کیا؟" وہ محبت سے پوچھنے لگا۔

"نہیں ٹائم نہیں ملا"۔ ٹکا سا جواب ملا۔

"ہاں میں ہی تو پاگل ہوں جو تمہیں یاد کر رہا ہوں"۔ وہ بھنا گیا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی اس کی ہنسی سن کر وہ بھی مسکرا دیا۔

"سنو مشی! میں تمہارا منتظر ہوں"۔ وہ آنچ دیتے لہجے میں بولا۔

"اور میں تمہاری"۔ وہ چہکی۔

"یہ تو وقت بتائے گا، مجھے یقین ہے تم پاکستان آؤ گی وہ بھی میرے لئے، میرے پیار کے لئے"۔ وہ پر یقین تھا۔

"اور مجھے یقین ہے تم واپس آؤ گے میری خاطر"۔ وہ بھی تنک کر بولی۔

"وقت بتائے گا"۔ وہ بھی سنجیدگی سے بولا۔

"او کے ضمی! میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں اس وقت تھوڑی بزی ہوں بائے"۔ اس نے مسکرا کر لائن کاٹ دی تو وہ بھی مسکرا دیا۔ اضمار مژگان کو بہت چاہتا تھا، وہ آٹھ سال سے اسے جانتا تھا وہ تھوڑی بے باک سی تھی پر اسے

اپنی محبت پر یقین تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ نیویارک میں ہی رہے، جبکہ وہ اب پاکستان میں سیٹل ہونا چاہتا تھا، اس لئے اسے وہاں اکیلا چھوڑ آیا تھا، تاکہ اسے اس کی کمی کا احساس ہو۔

☆

وہ جب سو کر اٹھا تو صبح کے دس بج رہے تھے، موسم کچھ ابر آلود سا تھا وہ کھڑکی کی طرف آ گیا، اس نے شیشے وا کئے تو نیچے ہی وہ تینوں تکون بنائے بیٹھے گپیں ہانک رہے تھے اریب کو اتنی صبح صبح دیکھ کر وہ حیران تو تھا، لیکن اسے اندازہ تھا کہ اس کا گھر قریب ہی ہے اس لئے اسے اتنی حیرت نہیں ہوئی تھی۔ وہ تینوں بیٹھے موسم کو کافی کے ساتھ انجوائے کر رہے تھے اور خوب ہنسی مذاق کر رہے تھے آج چھٹی کا دن تھا جبھی سب گھر میں موجود تھے، ورنہ سب اس وقت آفس میں ہوتے تھے، اتنے دنوں میں وہ ان سب کی روٹین سے واقف ہو چکا تھا، اس کی ملاقات سب سے ہوتی تھی ماسوائے صبا کے، اس سے اس دن ایئرپورٹ کی ہائے ہیلو کے بعد وہ مل ہی نہیں پایا تھا وہ جب اٹھتا وہ آفس میں ہوتی اور شام کو وہ کبھی شمیر کے ساتھ تو کبھی اریب کے ساتھ کام میں مصروف ہوتی۔

صبا کی نظروں میں اسے ایک چبھن سی محسوس ہوئی تھی وہ سمجھ ہی نہیں سکا تھا کہ آخر ایسی کیا وجہ تھی کہ وہ اس کو اس طرح دیکھتی ہے، پر کچھ تو تھا جو راز تھا جس کا بھید اس پر کھلا نہیں تھا، وہ سوچتے ہوئے فریش ہو کر لان میں ہی آ گیا، اسے آتا دیکھ کر صبا کی ہنسی کو بریک لگ گیا جسے وہ فوراً بھانپ گیا۔

”ہیلو ایوری ون! کیا ہو رہا ہے؟“ وہ خوشدلی سے بولا۔

”وعلیکم ہیلو! اور ہم سب موسم انجوائے کر رہے ہیں“۔ شمیر نے شرارت بھرے لہجے میں جواب دیا تو وہ کھل کر مسکرا دیا۔

”تم کبھی مت سدھرنا“۔ اس نے مسکرا کر اسے کہا۔

”جو بدل جائے وہ موسم ہے اور ہم تو انسانوں کی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں، کیوں صبی؟“ اس نے تائید چاہی۔

”ٹھیک کہا تم نے، رنگ موسم بدلتے ہیں، انسان کو سورج کی طرح ہونا چاہئے اجلا اور صاف“۔ وہ سنجیدگی سے بولی تو اریب اور شمیر اس کے رویئے کو صرف محسوس کر کے رہ گئے۔

”لیکن سورج تو غروب ہو جاتا ہے“۔ اضمار بھی ایک چیز تھا اس نے تنقید کی۔

”وہ اس لئے تاکہ ایک نئی صبح روشن ہو سکے، انسان کو اپنے ہر گزرے ہوئے دن میں سے گرد ہٹا کر اجالے کو جگہ دینے کا موقع ملتا ہے اس لئے ہمیں ہر گزرے ہوئے دن سے کچھ سیکھ کر زندگی کو اور آنے والے اگلے دن کو صبح سے روشن کرنا چاہئے اس سے زندگی سہل ہو جاتی ہے“۔ وہ مضبوط لہجے میں بولی تو وہ امپریس ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔

”امیزنگ تم تو بہت اچھا بولتی ہو کافی جینئس ہو گئی ہو“۔ وہ برملا اس کی تعریف بھی کر گیا۔

”جینئس بنتا نہیں ہے بلکہ پیدائشی جینئس ہوتا ہے“۔ وہ سنجیدگی سے بولی تو وہ حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔

”واقعی ٹھیک کہا تم نے پر اب تک تم نے کچھ کہا ہی نہیں تھا تو مجھے کیسے پتہ چلتا“۔

”آپ نے شاید سنا نہیں، ورنہ میں اچھا خاصا بول لیتی ہوں“۔

”بھئی آپ لوگ کیا جینئس جینئس کھیلنے بیٹھ گئے چلیں کوئی پروگرام بناتے ہیں“۔ شمیر نے ٹوک دیا تو وہ دونوں بھی چپ ہو گئے۔

”ہاں یہ اچھا آئیڈیا ہے“۔ اریب بھی خوش ہوا۔

”سوری مجھے پروجیکٹ کی تیاری کرنی ہے“۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”یار صبی! وہ تو کل بھی ہو جائے گی“۔ ان دونوں کے منہ لٹک گئے۔

”نہیں میں اپنا کام وقت پر مکمل کرنا چاہتی ہوں“۔ وہ کہنے کے ساتھ کھڑی ہو گئی تو اضمار نے کافی حیرت سے اس کا یہ انداز دیکھا تھا، اس نے بھی کمرے میں آ کر ہی دم لیا تھا، اس کی آنکھوں سے دو موتی ٹوٹ کر گرے تو اس نے ماضی کے دریچوں کو وا کر دیا اور خود اس میں کھو گئی۔

صبا بیگ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی اور بہت ہی چہیتی تھی وہ ہمیشہ سے ہی کم گو سی اور موٹی بھدی تھی وہ جب بھی صولت عالم کے گھر جاتی تھی اور صابر رضا کے ہاں تو وہ وہاں بہت خوش رہتی تھی اریب اور شمیر کے ساتھ۔

اریب اس سے چار سال بڑا تھا اور شمیر تین سال، وہ دونوں اس کے موٹا ہونے پر اس کا مذاق بھی نہیں اڑاتے تھے پر وہ اضمار عالم سے بہت ڈرتی تھی جو اس کو ہر وقت غصے سے جھڑک دیتا تھا اور اس کے موٹاپے کا مذاق اڑاتا تھا وہ تھی تو دس سال کی پر بہت حساس تھی ہر بات بہت گہرائی سے سوچتی تھی اس لئے اس کو اضمار پسند نہیں تھا۔

پھر وقت نے ایسا چکر چلایا کہ اسے ہمیشہ کے لئے وہیں آنا پڑا، پر ان پانچ سالوں میں جو دن اس نے اضمار عالم کی موجودگی میں عالم پیلس میں گزارے تھے وہ اسے بہت اذیت ناک لگتے تھے، اس کا بار بار طنز کرنا اسے موٹا کہنا اور اسے یتیم کہہ کر نیچا دکھانا، سب بچپنا تھا، شاید وہ سب بھول بھی گیا تھا پر صبا بیگ کو سب یاد تھا وہ اس سے بچپن میں بات کرنا چاہتی تھی، کھیلنا چاہتی تھی، شیئرنگ کرنا چاہتی تھی پر اضمار نے کبھی موقع ہی نہیں دیا، وہ اسے اچھا لگتا تھا پر اس کی باتوں کی وجہ سے وہ اس سے چڑتی تھی اور اسے ناپسند کرتی تھی، پر دل وہ تو شاید بچپن سے ہی اس کے نام پر دھڑک رہا تھا، اس کو من میں دیوتا بنا کر پوج رہا تھا، پر اس نے کبھی یہ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا، کیونکہ اس میں اپنی انا، نسوانیت اور وقار کو زندہ رکھنے کی خواہش زندہ تھی، اسے اپنی عزت نفس زیادہ عزیز تھی، محبت کی اس آگ میں وہ اپنا وقار نہیں جلا سکتی تھی، اس لئے آج اسے جھڑک رہی تھی، اگنور کر رہی تھی اور ہر طریقہ فرار آزما رہی تھی کیونکہ وہ مضبوط تھی اور اگر نہیں بھی تھی تو بننا چاہتی تھی اپنی نسوانیت اور وقار کے لئے۔

دو قطرے موتی کے اس کے عارض پر گرتے ہیں شاید وہ غبار نکالنا چاہتی تھی، انتشار ختم کرنا چاہتی تھی، وہ جانتی تھی اضمار عالم اسے دیکھ کر حیران ہے، وہ سر تا پیر بدل گئی تھی، وہ دبو اور موٹی سی لڑکی آج ایک سلم اسمارٹ، گوری رنگت، کالی آنکھوں والی ایک کانفیڈنٹ اور بریلینٹ بزنس وومین بن گئی تھی، پر اسے اس کے متعلق کوئی پرواہ نہیں تھی، اب وہ بس اپنے بارے میں اپنے وقار کے بارے میں سوچ رہی تھی اور اپنی بقا کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

☆

وہ ڈائننگ ٹیبل پر پہنچی تو وہاں موجود اضمار کو دیکھ کر حیران رہ گئی کیونکہ وہ دس بجے سے پہلے نہیں اٹھتا تھا اب صبح سات بجے اسے اٹھا دیکھ کر اسے حقیقتاً حیرت ہوئی تھی پر وہ اپنی حیرت کو کمال خوبصورتی سے چھپا کر تمام تاثر کو زائل کئے وہ سب کو سلام کر کے بریک فاسٹ اسٹارٹ کر چکی تھی، وہ ہلکے فیروزی رنگ کے سوٹ میں بے انتہا کی جاذبیت سموئے سنجیدہ تھی، فارغ ہونے کے بعد اس نے شمیر کے ساتھ باہر جانے کے لئے قدم بڑھائے تو اسے اس کے پیچھے سے اضمار کی آواز سنائی دی۔

”میں بھی آج سے آفس جوائن کر رہا ہوں“۔ اس نے مسکرا کر مطلع کیا تو وہ اور شمیر حیران رہ گئے۔

”اتنی جلدی بھائی!“

”جلدی کیا اور دیر کیسی؟“ وہ دل آویز تبسم سجا کر بولا۔

”ٹھیک کہا آپ نے یہ بھی صحیح ہے“۔ وہ بھی مسکرا دیا۔ وہ پھر اپنی کار کی طرف بڑھ گئی، وہ ہمیشہ سے الگ جاتی تھی

اور خود ہی کار ڈرائیو کرتی تھی وہ لوگ آفس کے لئے روانہ ہوگئے۔

☆

وہ تینوں اریب کے کیبن میں تھے۔ اریب، صبا کا سچا دوست اور غمگسار تھا اس کے سکھ دکھ کو شیئر کیا تھا۔

"امو جان بتا رہی تھیں کہ تم تینوں نے ایک ساتھ ایم بی اے کیا ہے حالانکہ صبا کو تو ابھی اصولاً یونیورسٹی لائف میں ہونا چاہیے تھا؟" وہ مسکرا کر ان کی زندگی کے بارے میں تفصیل جاننے لگا۔

"اصل میں صبا شروع سے ہی انٹیلی جنٹ رہی ہے اور اس نے تین چار کلاسز جمپ بھی کی تھیں، تم اپنے آپ میں ہی بزی رہتے تھے، اس لئے تم کبھی اس پر یا اس کی پڑھائی پر دھیان ہی نہیں دے پائے ورنہ صبا بہت مختلف ہے۔" اریب میٹھا سا طنز کر کے بولا تو اس کے لہجے میں صبا کے لئے خلوص و محبت تھی جو وہ بخوبی محسوس کر گیا۔

"تھینکس اریب"۔ وہ مشکور ہوئی۔

"ویسے بھائی آپ کو پتہ ہے لڑکیاں خاصی بے ایمان ہوتی ہیں"۔ شمیر نے ٹاپک چینج کیا تو سب متوجہ ہوئے۔

"وہ کیوں بھئی؟" صبا اضمار کو یکسر فراموش کر کے بولی۔

"وہ اس لئے کہ ہر چیز میں ہم سے آگے رہنے کی سوچتی ہیں، ہر چیز میں ہمارا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں، پر پیار کے معاملے میں روڈنس، اگنور اور بے نیازی اختیار کر لیتی ہیں"۔ وہ موضوع کو بڑھا چڑھا کر بولا، اسے معلوم تھا کہ لڑکیوں کے معاملے میں کچھ بھی کہنے پر صبا تڑپ اٹھتی تھی، وہ اپنی صنف کی لیڈر بنی پھرتی تھی۔

"یو نو شمیر! آدمی میں ایک بیماری ہوتی ہے اگر لڑکی اچھے سے سلوک کرے تو کہے گا کہ وہ اس کے پیار میں پاگل ہے، اگر برا سلوک کرے تو وہ کہے گا وہ لڑکی مغرور ہے، اگر کوئی لڑکی اس سے محبت نہیں کرتی ہوگی تو یہ شو کرے گا جیسے اس کی محبت میں وہ ڈوب چکا ہے، اگر وہ لڑکی اس سے محبت کرے گی تو وہ اسے چھوڑ دے گا، اگر کوئی لڑکی اسے چھوڑے گی تو وہ بے رحم بن جائے گی اور اگر وہ کسی لڑکی کو رد کرے گا تو وہ احساس کمتری کا شکار ہو جائے گی، یہ ہے تم لڑکوں کا فلسفہ اور کہتے ہو لڑکیاں بدماغ ہوتی ہیں"۔ وہ نان اسٹاپ لڑکیوں کی حمایت میں بولی اور وہ دونوں اس کے چپ ہونے کے بعد قہقہہ لگا بیٹھے جبکہ اضمار کی تو اس کی زبان دیکھ کر ہی بولتی بند ہو گئی تھی۔

"دیکھا بھائی! آپ نے ایک دن کہا تھا نا کہ صبا نہیں بولتی آج دیکھا کتنا بولتی ہے"۔ شمیر شرارت سے بولا تو وہ بھی ان دونوں کی شرارت سمجھ کر مسکرا دی، پھر خفا ہو کر بولی۔

"میں تم دونوں سے بات ہی نہیں کروں گی"۔ وہ یہ کہہ کر خفگی سے چلی گئی پر اپنے پیچھے ان تینوں کا قہقہہ سن کر مسکرا دی۔

☆

"ہیلو مژگان! کیسی ہو؟" وہ مژگان سے بات کر رہا تھا، کافی دنوں کی بے قراری بول رہی تھی اس کے لہجے میں۔

"میں ٹھیک ہوں ضمی! تم کیسے ہو؟" وہ ازلی لاپرواہی سے بولی۔

"ایک تو میں ہی تم کو یاد کرتا ہوں، تم تو مجھے کال ہی نہیں کرتی ہو، سوچ لو اگر کسی اور نے مجھے اپنی زلف کا اسیر بنا لیا تو زندگی بھر پچھتاؤ گی"۔ اس نے چھیڑا۔

"تم بے فکر رہو ضمی! مجھے پتہ ہے تم کبھی کسی کے اسیر نہیں ہو سکتے"۔ وہ بھی اسی کے انداز سے بولی۔

"اور اگر ہو گیا تو......" اس نے کہا۔

"نہیں ہو سکتے مجھے پتہ ہے، جو ایک بار مژگان کا ہو جائے وہ پھر کسی کا نہیں ہو سکتا"۔ وہ غرور اور تکبر

سے بولی تو اسے اس کا لہجہ بالکل پسند نہیں آیا۔

"زندگی سے زیادہ اور نصیب سے پہلے کسی کو کچھ نہیں ملتا مژگان! اس لئے ہمیں بولنے سے پہلے الفاظ صحیح چننے چاہئیں تا کہ اللہ کو ہمارا غرور و تکبر ناراض نہ کر دے"۔ وہ سنجیدگی سے بولا۔

"مجھے کسی چیز کا نہیں پتہ پر اتنا پتہ ہے کہ تم میری قسمت میں ہو، تم صرف میرے ہو، تمہیں مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا"۔ وہ ایک ادا سے بولی۔

"او کے مژگان! میری بات سنو...... امو جان کہہ رہی تھیں میری شادی کا اور وہ جلد از جلد میری شادی کرنا چاہتی ہیں تم پاکستان کب آ رہی ہو؟" وہ اصل موضوع کی طرف آیا تو وہ ہنس دی۔

"ضمی بے بی! میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ میں پاکستان نہیں آؤں گی مجھے پتا ہے تم واپس آ ؤ گے"۔

"مژگان! میں سنجیدہ ہوں، مجھے کوئی فیصلہ جلد ہی لینا ہے، امو کی طبیعت بھی خراب رہتی ہے، تم بتاؤ تم کب آ رہی ہو؟ یہ مذاق کا وقت نہیں ہے"۔ وہ اس کی بات سن کر چکرا گیا تھا پھر بھی سنبھل کر بولا۔

"اوہ پلیز ضمی! مجھے پتہ ہے کہ تم کتنے ایموشنل ہو اور تم میرے بغیر رہ ہی نہیں سکتے ہو اس لئے میں قطعی نہیں آؤں گی تمہیں ہی لوٹنا ہو گا میرے لئے"۔ وہ بے نیازی سے بولی تو اس کا خون کھول گیا۔

"ممی! میں کوئی مذاق نہیں کر رہا ہوں اگر تم نے سنجیدگی سے کوئی جواب نہیں دیا تو میں امو کے فیصلے پر سر خم تسلیم کر دوں گا، بعد میں روتی مت پھرنا"۔ وہ آگ بگولہ ہو کر بولا۔

"مجھے پتا ہے تم کچھ نہیں کر سکتے"۔ اس کا انداز بہت چیلنجنگ تھا۔

"تم مجھے چیلنج کر رہی ہو"۔ وہ بھی ضد پر اترا۔

"تم یہی سمجھ لو"۔ وہ بھی دوبدو ہوئی۔

"پھر اب انجام بھی خود ہی بھگتنا"۔ وہ بھی فون کاٹ کر کچھ سوچ کر نیچے چل دیا۔

☆

وہ لان میں آیا تو وہ تینوں تکون بنائے بیٹھے تھے اور صبا کو منانے کے لئے وہ دونوں اس کی منت سماجت پر اترے ہوئے تھے پر وہ بھی بے رخی اور روکھائی برت رہی تھی، آغا جی اور امو جان بھی وہیں موجود تھے اور ان کی باتیں سن رہے تھے وہ بھی وہیں چلا آیا۔

"مل گئی تمہیں فرصت"۔ امو جان نے اسے دیکھتے ہی خفگی دکھائی، اسے آئے تین مہینے ہو گئے تھے اور وہ اسے شادی کرنے کا بول رہی تھیں پر وہ کان پر جوں تک نہیں رینگنے دے رہا تھا۔

"جی امو جان! آپ مجھ سے ناراض ہیں؟" وہ حیران ہوا۔

"تو اور کون آیا ہے ابھی تمہارے علاوہ"۔ انہیں اور غصہ آیا۔

"اوہ آئی ایم سوری"۔ وہ شرمندہ ہوا۔

"ویسے بھائی جان! اندر کیا راز و نیاز ہو رہے تھے"۔ شمیر نے معنی خیزی سے پوچھا تو وہ چونک گیا۔

"کیا مطلب......؟"

"کچھ نہیں وہ تو میں ایسے ہی کہہ رہا تھا"۔ وہ کچھ گڑبڑا کر چپ ہو گیا۔

"مجھے تمہارا جواب آج ہی چاہیے ضمی!" امو جان بولیں تو سب چونک گئے کہ وہ کس سوال کا جواب آج ہی [illegible] ہیں اور وہ بھی ضمی سے۔

''جی امو جان! میں آپ سے بات کرنے ہی والا تھا''۔ پل ہی پل میں اس کا لہجہ سپاٹ ہو گیا۔
''تو پھر بولو...... کیا جواب ہے تمہارا؟'' وہ امو جان کو غور سے دیکھنے لگا پچھلے دنوں جب امو جان نے یہ رشتہ اس
کے سامنے رکھا تھا تو اس نے صاف انکار کر دیا تھا پر اب اپنی ضد اور انا کی وجہ سے وہ ہر راہ سے گزرنے کو بھی تیار تھا'
اس نے اپنے فیصلے کے دوسرے پہلو پر غور ہی نہیں کیا تھا۔
''مجھے آپ کا فیصلہ منظور ہے''۔ وہ بے تاثر لہجے میں کہتا اٹھ گیا' اس کا لہجہ ہر جذبے سے عاری تھا' سب حیران
تھے اس کے طرز گفتگو پر...... کوئی بھی کچھ بول نہیں سکتا تھا۔
''سچ......'' وہ بے پناہ خوش تھیں۔
''جی ہاں''۔ وہ یہ کہہ کر چلا گیا تو شمیر فوراً ہوش میں آیا۔
''آغا جان! امو جان! یہ کس مقدمے کا فیصلہ سنایا گیا ہے......؟'' اس نے کچھ عجیب نظروں سے پوچھا' خطرہ تو
اسے دکھ رہا تھا۔
''ہم نے اضمار کا اور صبا کا رشتہ طے کر دیا ہے اور اب میں خود صبا سے پوچھ رہی ہوں' جیسے اضمار نے میرا فیصلہ
قبول کیا ہے' کیا تمہیں بھی منظور ہے......؟'' انہوں نے جواب کے ساتھ ہی صبا کو گھیرا تو وہ تینوں حیرانی کے طوفان
میں غوطہ زن ہو گئے' شمیر سے صبا کے کھردرے زاویئے اور اریب کے چہرے پر گزرنے والا تاریک سایہ چھپا نہ رہ
سکا' اوسان تو اس کے بھی خطا ہوئے تھے پر ان دونوں کے جتنے نہیں' وہ جانتا تھا اریب' صبا کو پسند کرتا ہے' صبا کے دل
میں کوئی جذبہ نہیں تھا وہ اضمار کو بے حد ناپسند کرتی ہے وہ اس بات سے بھی واقف تھا اور وہ اضمار کی پسند بھی جانتا تھا وہ
پوری طرح الجھ گیا تھا۔
''امو جان! اتنی جلدی کیا ہے''۔ شمیر سب سے پہلے بولا۔
''تم چپ رہو لڑکے...... صبی! تم جواب دو بیٹا کیا تمہیں میرا فیصلہ نامنظور ہے......؟'' وہ کچھ اداسی سے صبا سے
پوچھنے لگیں۔
''نہیں امو جان! مجھے آپ کا ہر فیصلہ منظور ہے''۔ یہ کہہ کر وہ رکی نہیں تھی اندر چلی گئی تھی اس کے سوچنے سمجھنے کی
حس سلب ہو چکی تھی' وہ اضمار کی سوچوں تک رسائی چاہتی تھی جو ناممکن تھی پر وہ امو جان کا مان بھی نہیں توڑ سکتی تھی اور وہ
ان کی احسان مند تھی ایسے کیسے ان کا بھرم چکنا چور کر دیتی' اس کی ذات پر ہی ایک سوالیہ نشان کیوں نہ اٹھ گیا ہو' وہ تختہ
مشق کیوں نہ بن گئی ہو......؟ وہ طوفان میں گھری تھی پر اپنے اندر کے سکوت کو پہچان ہی نہ پا رہی تھی۔ اس نے اپنے
پیچھے کسی کے تاثر ملاحظ نہیں کیے تھے جن میں اریب اور شمیر حیرانگی کے صدمے سے کچھ بول ہی نہیں پائے تھے' پر اب
یہ طے تھا کہ وہ امو جان کو ناراض نہیں کر سکتی تھی' وہ احسان فراموش نہیں تھی۔

☆

''کیوں خود کو مشکل میں ڈال رہی ہو صبی! تم جانتی ہو اضمار بھائی کسی اور کو پسند کرتے ہیں اور وہ شاید یہ سب کسی
ضد میں کر رہے ہیں پر تم کیوں اپنی زندگی برباد کر رہی ہو......؟'' شمیر اس سے سخت ناراض تھا' وہ تین دن بعد اس کے
ہاتھ آئی تھی وہ تینوں اس وقت اریب کے کیبن میں تھے وہ اریب کے حال سے انجان ہی سب باتیں ڈسکس کر رہے
تھے اضمار اپنے کیبن میں تھا۔
''میں جانتی ہوں اس کی پسند کوئی اور ہے' پر میں یہ سب امو جان اور آغا جی کے لئے کر رہی ہوں' یہ دل کا تعلق
ہے شمیر! ہم مجبور ہو جاتے ہیں اس کے آگے ......'' وہ اپنی بے بسی بیان کر گئی۔

''پر صبا! ہمیں ہمارے دماغ کے فیصلے کو بھی ماننا چاہئے''۔ اریب نے یاسیت بھرے لہجے میں کہا تو شمیر افسوس
سے سر جھکا گیا وہ اس کے دل کے حال سے واقف تھا۔
''ہاں پر کہتے ہیں اریب! اگر کبھی دل اور دماغ کے بیچ میں کسی کو چننا ہو تو دل کو چنو کیونکہ دماغ سب جانتا ہے پر
تمہارا دل صرف تمہیں جانتا ہے' تمہیں پہچانتا ہے اور میرا دل یہی کہتا ہے کہ میں امو جان اور آغا جان کے بغیر ادھوری
ہوں''۔ وہ کرب سے کہہ کر آنکھیں میچ لیتی ہے وہ اضمار کو چاہتی تھی پر اپنی عزت نفس سے زیادہ نہیں...... اب پوری
زندگی اس کے نام سے بجنا اسے سخت تکلیف میں مبتلا کر رہا تھا۔
''دیکھو صبا! تم پاگل ہو رہی ہو' علامہ اقبال کہتے ہیں جو شخص پیار میں پڑ جاتا ہے وہ بے عقل ہو جاتا ہے اور تم بھی
بے عقل ہوتی جا رہی ہو' کچھ تو سوچو اپنے بارے میں''۔ شمیر سے یہ سب دیکھا ہی نہیں جا رہا تھا۔
''تم نے ٹھیک کہا شمیر! پر شیکسپیئر کہتا ہے پیار آنکھوں سے نہیں دل سے دیکھتا ہے...... سو وہ میں دیکھ رہی ہوں''۔
وہ بھی بے تاثر سپاٹ لہجے میں کہتی اٹھ گئی۔ اریب خاموش تماشائی بنا سب دیکھ رہا تھا' اس کے جاتے ہی کرسی پر پشت
رکھ کے ڈھے سا گیا۔
''آئی ایم سوری اریب! میں سب جانتا ہوں پھر بھی کچھ نہیں کر پا رہا ہوں' پر سب سے زیادہ غصہ مجھے ضمی بھائی
پر آ رہا ہے۔ جو پیار تو مژگان آپی سے کرتے ہیں پر شادی صبی سے کر رہے ہیں' آخر وہ چاہتے کیا ہیں......؟'' یہ وہ ایک
نقطہ تھا جس کا جواب حاصل کرنے کی کوشش میں وہ پاگل ہوا جا رہا تھا پر کوئی سرا ہاتھ ہی نہیں آ رہا تھا۔
''کوئی بات نہیں یار! اللہ ان دونوں کو خوش رکھے میں تو صرف صبی کی خوشیاں چاہتا ہوں چاہے وہ ضمی کے ساتھ
ہی خوش کیوں نہ رہے''۔ وہ زخمی مسکان سجا کر بولا۔
''ایسا ممکن نہیں ہے یار! معاملہ کچھ اور ہے''۔ شمیر کو یقین تھا کہ چکر کچھ اور ہے۔
''او کے تم معاملہ دیکھو شاید کوئی حل نکل آئے پر اب ان سوچوں سے باہر آ جایئے جناب! بہت کام ہے آفس
میں''۔ وہ تھوڑا سا ماحول کی کثافت مٹانے کو میٹھے لہجے میں بولا تو وہ بھی سنبھل گیا۔
''ہاں اور ویسے بھی اپنے دوست کے لئے بہت ہیں یار''۔ وہ بھی ہلکا پھلکا ماحول پیدا کرنے کو بولا۔
''نہیں یار! یہ اب ممکن نہیں...... اپنے غالب صاحب کہتے ہیں جو شخص ایک سے زیادہ پیار میں گرے سمجھ لو وہ
آج تک پیار سے آشنا ہی نہیں ہوا ہے جبکہ میرا دل صبی کے نام سے روشن ہے''۔ وہ آزردگی سے بولا تو اندر آتا اضمار
حیرانگی کے شدید جھٹکے سے وہیں رک گیا۔
''یار! ایسا مت بول' پتہ نہیں صبی کیوں یہ مجبوری کا چولا اوڑھے ہوئے ہے' وہ بھی بہت بے بس ہے ورنہ میں
جانتا ہوں وہ اس شادی سے قطعی خوش نہیں ہے پر......'' وہ بول کر چپ ہو گیا تو اضمار اس کی باتوں کو کوئی اور ہی رنگ
پہنا کر پلٹ گیا۔
''پر یار! مجھے اس سے کوئی شکوہ نہیں ہے وہ تو اس سب سے ہی انجان ہے''۔ وہ دل کی کسک چھپا کر بولا۔
''تم نے کبھی دیکھا ہے لفظوں کے کھیل کو اریب!'' شمیر بولا تو وہ سمجھ نہیں پایا تو نفی میں گردن ہلا گیا۔
''ایک لفظ کی جگہ بدلنے سے معنی اور خوبصورتی بھی بدل جاتے ہیں''۔
''دیکھو نا ایک محبوب کے خلاف پوری دنیا ہی کیوں نہ چلی جائے پر اس کی محبوبہ یہی کہتی ہے' مگر میں تمہارے
ساتھ ہوں اور اگر اس کی ہی طرف سے یہ الفاظ کچھ اس طرح ادا ہوں کہ میں تمہارے ساتھ ہوں مگر...... تو کتنی تکلیف
ہو گی صرف ایک مگر پر پورا جملہ دارومدار کرتا ہے اور زندگی بھی......'' اریب اس کی سوچوں پر حیران تھا اتنا جولی بندہ

اتنی سمجھداری کی باتیں کر رہا تھا اس کی حیرت دوچند تھی۔

''اچھا چھوڑو! کام پر دھیان دو''۔ وہ بھی کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☆

سب کچھ طے ہو گیا تھا سب تقریبات کا انتظام طے پا گیا تھا' آج اس کی مایوں تھی اور ٹھیک دو دن کے بعد شادی طے پائی تھی' وہ بس چپ سادھ کر یہ تماشہ دیکھ رہی تھی کہ آگے اس کی زندگی کیا نیا موڑ اختیار کرنے والی تھی۔ اضمار ایک ہفتے پہلے ہی اسلام آباد کام کے سلسلے میں چلا گیا تھا اور آج اس کی واپسی متوقع تھی پر اس کے دل میں کوئی ہلچل نہیں مچی تھی' شمیر اسے بہت بار سمجھا چکا تھا پر وہ اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھی اور وہ بھی شاید اب تھک گیا تھا تبھی دوبارہ اس کے پاس نہیں آیا تھا لیکن اریب کا وہ انتظار کر رہی تھی اسے ایک اچھے دوست کی ضرورت تھی' نہ جانے وہ کہاں تھا اسے کچھ پتا نہیں تھا لیکن وہ اس کی منتظر تھی۔

نکاح آج ہی تھا اور شمیر اس سے بات کرنے کے لئے بے تاب تھا اور اس کے آتے ہی وہ اس کے کمرے میں پہنچ گیا تھا وہ بہت بجھا بجھا سا لگ رہا تھا' اس کا یہ بے گانگی بھرا انداز تشویش کا باعث تھا۔

''بھائی کچھ بات کرنی ہے''۔ وہ فوراً مدعا پر آیا۔

''ہاں بولو......؟'' انداز کچھ سرد سا تھا۔

''بھائی! بغیر کسی تمہید کے بولوں گا کہ کیوں کر رہے ہیں آپ ایسا......؟ کیوں تین زندگیاں برباد کر رہے ہیں' جبکہ آپ جس سے پیار نہیں کرتے تو پھر یہ رشتہ کیسا......؟ میں جانتا ہوں آپ مژگان آپی سے پیار کرتے ہیں پھر یہ کھیل کیوں ہے......؟ یہ تماشہ کیوں لگا رہے ہیں......؟ کیوں آپ صبی کی زندگی برباد کر رہے ہیں اور ادھر صبی بھی سب جانتے ہوئے اس شادی کے لئے تیار ہے' میں الجھ گیا ہوں''۔ وہ واقعی تھک گیا تھا شاید تبھی روہانسا ہو گیا تھا' بلاشبہ اسے بھائی عزیز تھا پر صبی بھی اتنی ہی عزیز تھی ایک بہن کی طرح چاہا تھا اسے۔

اضمار نے اس کی طرف دیکھا...... آنکھوں میں ایک سکوت سا تھا پر کچھ کرب بھی تھا شاید کچھ کھو دینے کا افسوس تھا' شمیر نے بغور اسے دیکھا تھا۔

''میں یہ سب اپنے والدین کے لئے کر رہا ہوں' تمہاری ہر بات صد فیصد درست ہے لیکن میں اس کی تردید یا تصدیق نہیں کروں گا جو جیسا ہو رہا ہے ہونے دو' تم خود کو اذیت مت پہنچاؤ اس معاملے میں پڑ کے''۔ وہ بردباری اور سرد لہجے میں بولا تو الفاظ بالکل بے تاثر تھے اور لہجہ سپاٹ۔

''یہ تو آگ کے ساتھ کھیلنے والی بات ہے بھائی......!'' وہ متفکر تھا ان دونوں کے لئے' جب کہ دونوں کی منزلیں جس منظر اور زاویئے سے وہ دیکھ رہا تھا ایک نہیں تھیں۔

''ہاں...... میں جانتا ہوں' پر اس کھیل کا بھی اپنا ہی ایک مزہ ہے' جب آپ شعلوں میں گھرے ہوں اور آپ کا وجود اس کی تپش میں جھلس رہا ہو اور انجام کا کچھ پتا ہی نہ ہو کہ آپ فاتح ہوں گے یا شکست خوردہ......'' وہ بڑی زخمی سی مسکراہٹ لبوں پر تجائے بولا تھا' انداز ایک عجیب سی تھکن لئے ہوئے تھا' لہجہ اندر پکتے ہوئے لاوے کا غماز تھا۔

''بھائی! یہ ٹھیک نہیں ہے آپ جل کر خاکستر بھی ہو سکتے ہیں کیوں کھیل رہے ہیں اپنی روح کے ساتھ؟ آپ صبا کو کیا دے پائیں گے......؟'' اسے صبا کی فکر زیادہ تھی۔

''پتہ نہیں...... اس لمحے میں' میں کچھ نہیں کہہ سکتا سب وقت پر ہے وہ جو بھی طے کرے میں کچھ نہیں کہہ سکتا''۔ انداز میں دکھ واضح تھا۔

''بھائی! یہ رشتہ پائیدار نا ہو شاید آپ اس سے محبت نہیں کرتے''۔ وہ قائل کرنے پر آمادہ تھا۔

''کیا تم کچھ اور کہنا چاہتے ہو شمیر......؟'' وہ اریب کی محبت کے بارے میں جانتا تھا اور جتنا بھی سنا تھا اس سے یہی غلط فہمی پال بیٹھا تھا کہ صبا بھی اریب سے پیار کرتی ہے۔

''نہیں''۔ جیسے وہ بھی ہار مان چکا تھا سو چپ چاپ وہاں سے چلا گیا بغیر کوئی سوال جواب کئے۔

☆

رسم مایوں اور نکاح ہو چکا تھا وہ کسی اور کے نام ہو چکی تھی کسی اور کی ملکیت ہو چکی تھی اس کا اپنا آپ کسی اور کا ہو چکا تھا وہ خود کی نہیں رہی تھی' آج اسے کسی اور کے لئے پور پور سجایا جا رہا تھا کسی اور کے لئے...... لیکن وہ غیر نہیں تھا اس کا شوہر تھا۔

اس کے اندر کوئی ہلچل نہیں تھی جذبات میں کوئی احساس نہیں تھا' شاید وہ اس شخص سے بہت بدگمان تھی اس لئے یا پھر وہ اس سے بہتر طور سے واقف تھی اس لئے کوئی خواب نہیں بنا تھا کوئی سپنا نہیں سجایا تھا' وہ جانتی تھی وہ کسی اور سے محبت کرتا ہے اور اس کی طرح وہ بھی یہ سب کچھ صرف اپنے والدین کی خوشی کے لئے کر رہا ہے' وہ ہر کام ایک گڑیا کی طرح کر رہی تھی جیسے وہ کوئی جذبات ہی نہ رکھتی ہو' وہ پوری طرح سج چکی تھی اور چاند کو بھی مات دے رہی تھی پر اندر کوئی خوشی نہیں تھی' امو جان آ گئی تھیں اور اس کی نظر بھی اتار رہی تھیں۔

''نظر نہ لگے میری صبا کو...... بہت ہی خوبصورت لگ رہی ہے' خدا ہر بری نظر سے محفوظ رکھے''۔ وہ اس کا ماتھا چوم کر بولیں۔

''صبا! میری بچی تم خوش تو ہو نا......؟'' اس کی اتری صورت دیکھ کر انہیں تشویش ہوئی تھی۔

''جی امو جان! میں بالکل ٹھیک ہوں اور خوش بھی''۔ وہ مصنوعی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر بولی پر اس کو یہ مسکراہٹ نمودار کرنے کے لئے ہزار جتن کرنے پڑے تھے۔

''اللہ تم دونوں کی جوڑی کو سلامت رکھے سدا''۔ بہت انوکھی دعا ہوتی ہے یہ اس نے جب سنا تھا تو سوچا تھا جب کسی لڑکی کو ملتی ہے تو وہ آمین کہتی ہے پر اس کے اندر کوئی خواہش نہیں جاگی تھی۔ اسے لے جا کر اضمار کے پہلو میں بٹھا دیا گیا' سب کی نظروں میں ستائش تھی پر وہ دونوں سپاٹ تھے بغیر کسی جذبے کے ایک فارمیلٹی نبھا رہے تھے۔

☆

اسے لے جا کر اضمار کے کمرے میں بٹھا دیا گیا تھا وہ جانتی تھی یہ سب ایک جھوٹ ہے' ایک سچ تھا تو وہ نکاح تھا کہ یہ بندھن سچا تھا پر ساتھ کھرا نہیں تھا' یہ بندھن ایک حقیقت تھا مذاق نہیں تھا' پر دونوں شاید اسے مذاق سمجھ رہے تھے اور اس مذاق میں شامل ایک ساتھ سفر کر رہے تھے پر اپنی ہمسفری کو جھٹلا رہے تھے۔

وہ ہر ایک چیز سے اپنی جان چھڑا چکی تھی زیور' میک اپ سے اور ان بھاری کپڑوں سے بھی' وہ اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی' اسے کمرے کے اس فسوں خیز ماحول سے گھبراہٹ ہو رہی تھی' وہ کھڑکی میں جا کر کھڑی ہو گئی تھی اور تازہ ہوا کو محسوس کرنے لگی وہ سوچ رہی تھی جب اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سنائی دی تھی' اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا' وہ اس سب کو ایک خواب جاننا چاہتی تھی۔

''صبا......!'' اضمار نے اسے پکارا تو وہ پلٹی ہی نہیں وہ اس آواز کو خیال سمجھ رہی تھی۔

''صبا......!'' پھر آواز آگئی تو اس بار وہ نظر انداز نہ کر پائی تھی کیونکہ اس کا رخ اضمار اپنی طرف موڑ چکا تھا۔

''جی......'' انداز تھکن زدہ تھا۔

"تم نے منع کیوں نہیں کیا اس شادی کے لئے......؟" عجیب سوال تھا اور انداز سرد و سپاٹ تھا۔

"کیا مطلب......؟" وہ واقعی بری طرح چونکی تھی۔

"تم جانتی تھیں کہ میں یہ شادی صرف مجبوری میں کر رہا ہوں، پیار کسی اور سے کرتا ہوں، پھر کیوں اپنی اور اریب کی زندگی برباد کی......؟ مجھے شادی کرنی تھی کسی اور سے بھی ہو سکتی تھی تم لازم نہیں تھیں پر تم نے اریب کو دھوکہ کیوں دیا......؟" وہ سرد انداز میں اس پر الزام دائر کر رہا تھا اسے مجرم کہہ رہا تھا، وہ اس کی ساری بات میں صرف اریب کے نام پر حیران رہ گئی تھی۔

"اریب کے ساتھ......؟" وہ زیر لب بڑبڑائی تھی۔

"ہاں اریب کے ساتھ تم نے ناانصافی کیوں کی......؟ تم دونوں پیار کرتے تھے ایک دوسرے سے پھر کیوں تم نے اس کا ساتھ چھوڑا......؟ تمہیں اس کے ساتھ اس طرح نہیں کرنا چاہئے تھا"۔ وہ منتشر تھا پر اسے اریب کے لئے افسوس بھی تھا، وہ اس دن ان دونوں کی بات سنتے ہی اسلام آباد کے لئے فلائی کر گیا تھا اور اس کے پیچھے آغا جان اور امو جان سب امور طے کر چکے تھے اور آتے ہی نکاح تھا وہ کچھ نہیں کر پایا تھا اس پل خود کو بہت بے بس پایا تھا پر اب وہ اریب کے لئے لڑ رہا تھا۔

"اریب پیار کرتا تھا مجھ سے......؟" اس کی حیرت دوچند تھی۔

"ہاں تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے کچھ جانتی ہی نہ ہو"۔ وہ طنزیہ لہجے میں بولا تو وہ اپنی حیرت چھپا کر اس کے دوبدو ہوگئی۔

"میں آپ کو صفائی دینے کی پابند نہیں ہوں، جس طرح آپ نے یہ سب اپنے والدین کے لئے کیا ہے میں نے بھی یہ سب اپنے والدین کے لئے ہی کیا ہے، ہمارے بیچ باز پرس کا کوئی رشتہ نہیں ہے تو بہتر ہوگا کہ ہم اپنے کام سے کام رکھیں اور ایک دوسرے کی ذاتیات میں دخل نہ دیں"۔ وہ کچھ سخت لہجے میں بولی تو وہ اس کے انداز پر حیران تھا وہ پہلی رات کی دلہن تھی پر کہیں سے بھی نہیں لگ رہی تھی۔

"میں آپ کو ایک سمجھدار انسان سمجھتی ہوں آپ میری بات سمجھ گئے ہوں گے، اس کمرے کے باہر ہم ایک خوش باش میاں بیوی ہیں پر اس کمرے میں صرف دوست ہوں گے اگر آپ چاہیں تو...... ورنہ ہم اجنبی بن کر بھی رہ سکتے ہیں، پر ہم میں سوال جواب کا کوئی رشتہ نہیں ہوگا"۔ وہ صاف گوئی سے دل کی بات کر رہی تھی اور اضمار اس کے انداز پر حیران تھا بے حد حیران۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی، ہم دوست بن کے رہیں گے"۔ وہ بغیر بحث کئے بولا تھا اور اس کی بات کی تائید بھی کر گیا تھا۔

"تھینکس......"

"یو ٹو......" وہ بھی یہ کہہ کر اپنے بیڈ کی سائیڈ کی طرف بڑھ گیا تھا وہ اس سے بولنا چاہتا تھا پر اس کے قطعی انداز نے اسے کچھ بھی کہنے سے روک دیا تھا۔



جب وہ اٹھا تھا تو وہ کمرے سے باہر تھی اور اس کی آنکھ بھی موبائل کی بیپ سے کھل گئی تھی اس نے کال ریسیو کی تو مژگان تھی۔

"ہیلو ضمی! کیسے ہو......؟" وہ چہکی تھی۔

"فائن"۔ وہ مختصر بولا تھا۔

"ضمی! تم کب واپس آ رہے ہو اور دو دن سے تمہارا موبائل کیوں آف تھا، پتہ ہے مجھے تمہیں کتنی بڑی نیوز بتانی تھی مجھے جاب مل گئی ہے وہ بھی میری پسند کی"۔ اس کے لہجے میں اس کی خوشی بول رہی تھی۔

"مبارک ہو"۔ اس کا انداز ٹھنڈا ٹھار تھا۔

"کیا بات ہے ضمی......؟ اور تم اتنے عجیب طریقے سے کیوں بات کر رہے ہو اور یہ دو دن سے موبائل کیوں آف تھا"۔ وہ اس کے انداز سے کچھ الجھ گئی تھی۔

"سوری...... تمہیں انفارم نہیں کر پایا تھا، دراصل میری شادی تھی اور دو دن سے میں اسی میں بزی تھا اس لئے تمہیں کال نہیں کر پایا تھا"۔ وہ اطمینان سے بول کر چپ ہو گیا تھا اس کے ری ایکشن جاننے کے لئے۔ چند ثانئے کے لئے وہ بھی چپ ہو گئی تھی۔

"تم مذاق کر رہے ہو نا......؟" آواز میں لرزش واضح تھی۔

"نہیں میں مذاق نہیں کر رہا، میری شادی کل ہی صبا سے ہوئی ہے تم تو اسے جانتی ہو، میں نے اسی سے شادی کی ہے فی الحال وہ میرا انتظار کر رہی ہے میں نیچے جانے کے لئے تیار ہو رہا ہوں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں"۔ اس نے سلسلہ منقطع کر دیا تھا، وہ اس کا دکھ برداشت نہیں کر سکتا تھا پر جو ہوا تھا اسے بھی بدل نہیں سکتا تھا وہ یہ سوچ کر اٹھ گیا تھا۔

وہ تیار ہو کر نیچے آیا تو وہ نارمل کپڑے پہنے میک اپ سے پاک چہرہ لئے بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی، ہاں دو چیزوں کا اضافہ ضرور ہوا تھا وہ تھا زیور جو وہ ہلکا پھلکا سا پہنے ہوئے تھی اور ایک مصنوعی مسکراہٹ جو وہ زبردستی چہرے پر سجائے ہوئے تھی وہ بلاشبہ خوبصورت تھی، کالی آنکھیں پتلی ناک، شولڈر کٹ بال، بھرا بھرا جسم وہ خوبصورت پیکر تھی تیمور بھی وہیں خفا خفا سا موجود تھا۔

"السلام علیکم......" وہ سب کو سلام کر کے صبا کے برابر میں بیٹھ گیا تھا۔

"تم بھی آفس کے لئے تیار ہو گئے مجھے تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم دونوں کیا کر رہے ہو......؟ امو جان سخت ناراض ہو رہی ہیں تم دونوں کے یوں پہلے دن ہی آفس جانے پر اور تم دونوں بضد ہو رہے ہو"۔ آغا جان نے امو جان کا موڈ دیکھ کر گھورا، مصنوعی غصہ دکھایا تو وہ تینوں مسکرا دیئے اور امو جان خفگی کے طور پر اپنا منہ موڑ گئیں۔

"آغا جی! جانا ضروری ہے آپ تو بزنس کے رولز سمجھتے ہیں، ڈیلر رشتہ داری نہیں دیکھتے"۔ صبا نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ہاں یہ بات بھی ٹھیک ہے"۔ انہوں نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔

"آپ بھی مل گئے ان کے ساتھ"۔ امو جان ان پر خفا ہوئیں۔

"ارے میری پیاری امو جان! سمجھنے کی کوشش کریں نا جانا ضروری ہے ورنہ یہ میٹنگ کینسل کر دیتی پر یہ عمل ناگزیر ہے"۔ وہ ان کے پاس تھوڑا قریب ہو کر بولی۔

"لو بھلا یہ کوئی بات ہوئی چلو تم جا رہی ہو پر ایک دن کی سہاگن ہو اور کیسے گھوم رہی ہو سر جھاڑ منہ پھاڑ، بس میرا دل رکھنے کے لئے یہ کچھ ننھے منے سے تل کے برابر زیور پہن لئے ہیں"۔ وہ اس پر ہی غصہ کرنے لگیں۔

"امو جان! اب میں آفس سج دھج کر تو نہیں جا سکتی نا، گھر آؤں گی تو اپنے سارے شوق پورے کر لیجئے گا"۔ وہ ان کو راضی کرنے کے لئے بولی تو وہ بھی نیم رضامند ہو گئیں، پر وہ اندر سے بہت منتشر تھی، ایک انتشار تھا اس کے اندر، وہ کل سے اضمار کے الفاظ کے جال میں قید تھی وہ اریب کے جذبات جان کر شدید حیرت کے جھٹکوں کی زد میں تھی اور

اب اس بات کا حل چاہتی تھی ایک واضح ثبوت چاہتی تھی۔

☆

وہ اس کے سامنے بیٹھی باز پرس کر رہی تھی' معاملے کی نوعیت اور سچائی جاننے کی کوشش کر رہی تھی اور وہ جیسے کسی بھی سوال کا جواب دینے کی سکت خود میں نہیں پاتا تھا۔

''تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا اریب......؟'' اک شکوہ کیا تھا اس نے پہلی بار دوستی میں شکوہ کیا تھا اس سے ورنہ ہمیشہ وہی شکایت کرتا تھا۔

''تم کیا کر لیتیں صبا......؟'' الٹا وہ اس کو جواب دے کر اس کو کشمکش میں ڈال گیا تھا۔

''کچھ تو کرتی تمہاری طرح بزدل نہیں بنتی''۔ وہ قطعیت سے بولی' اضمار اسے بلانے آیا تھا وہ وہیں کھڑا ہو گیا تھا۔

''اک کڑوی سچائی بتاؤں صبا! جب آپ کے دوست کہتے ہیں نا کہ وہ آپ کی مدد کے لئے ہمیشہ تیار ہیں تو کبھی مت ماننا' کیونکہ وقت آنے پر صرف مشورے رہ جاتے ہیں نصیحتیں رہ جاتی ہیں اور ہم اس دوست کے لئے کچھ بھی نہیں کر پاتے ہیں جیسے میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر پایا''۔ وہ خود سے شکوہ کر رہا تھا۔

''تم ایسا سوچتے ہو......؟'' وہ حیران تھی اس کی منطق پر۔

''ہاں......'' سچائی سے اعتراف کیا گیا تھا۔

''تو بہت غلط سوچتے ہو اگر تم مجھے بتاتے کہ تم مجھے پسند کرتے ہو تو آج مجھے خود سے شرمندگی نہیں ہوتی کہ میں نے تم کو ایک عمر بھر کا روگ دے دیا ہے' اضمار تو شاید کسی ضد میں شادی کر گیا پر تم کیوں میدان میں اترے بغیر ہار مان گئے' بہت غلط کیا ہے تم نے اریب! خود کو ہمیشہ کے لئے پچھتاوؤں کی نظر کر دیا ہے' خود کو اس اہل تو سمجھتے اپنی صلاحیتوں کو ایک موقع تو دیتے' شاید جیت تمہاری ہوتی''۔ وہ اس کی سوچ پر ماتم کر رہی تھی۔

''شاید......'' عجیب لٹا پٹا سا انداز تھا۔

''اریب! زندگی وہ نہیں ہے جو ہم سوچتے ہیں زندگی وہ ہے جو ہم جیتے ہیں اس لئے جو کل تھا اسے بھول جاؤ' جو آج ہے اسے یاد رکھو' میں اب بھی تمہاری دوست ہوں پر اب میں اضمار کی بیوی بھی ہوں کسی کی عزت میرے ساتھ ہے' خود کو تسلی دو اور زندگی کی طرف گامزن ہو جاؤ' خود کو پچھتاوؤں کی نظر مت ہونے دو' فی الحال میں چلتی ہوں پر جب بھی ضرورت ہو یاد رکھنا میں ہوں تمہارے ساتھ''۔ وہ اسے ہدایت دیتی باہر نکل گئی تھی اور اضمار بھی چلا گیا تھا پر ایک سچ جان کر کہ اس کے پاس جو لڑکی آئی تھی جو اس کے نکاح میں تھی وہ سچی اور کھری تھی' اس کی زندگی میں کوئی نہیں تھا اور شاید مرد ہونے کی حیثیت سے اس کے لئے یہ بات سب سے بڑی تسلی اور تسکین کا باعث تھی۔

☆

''تم آفس سے چھٹی کیوں نہیں لے لیتی ہو صبا! امو جان کی وجہ سے''۔ وہ دونوں رات کے کھانے کے بعد اب اپنے کمرے میں آئے تھے اور تھوڑی دیر بعد ریلیکس ہونے کے بعد اضمار نے چینلز بدلتے ہوئے ٹاپک چھیڑ دیا تھا جس پر پچھلے ہفتے سے امو جان بضد تھیں۔

''ہاں میں بھی یہی سوچ رہی ہوں پر ابھی کچھ ضروری بزنس امور پورے کرنے ہیں اس کے بعد اور ویسے بھی میرے ساتھ چھٹی تو تمہیں بھی لینی ہوگی''۔ وہ اس کی بات کی تائید کرکے بولی تو وہ بھی سر اثبات میں ہلا گیا۔

''ٹھیک کہا تم نے......''

''صبا! تم نے جانتے ہوئے بھی کہ میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں مجھ سے شادی کیوں کی......؟ حالانکہ ایک لڑکی

کو زندگی میں سب سے پہلے اپنے شوہر کی محبت درکار ہوتی ہے اور تم نے اس کی بھی پرواہ نہیں کی''۔ وہ بہت حقیقت پسندانہ سوال کر رہا تھا اپنی دانست میں۔

''غلط اضمار! ایک لڑکی کو محبت سے زیادہ اپنے رشتے عزیز ہوتے ہیں اور خاص کر اپنی عزت...... میں نے یہ سب اپنے والدین کے لئے کیا ہے' میں اپنی زندگی محبت کے بغیر جی سکتی ہوں پر عزت کے بغیر نہیں اور میرے لئے یہ بات تسلی بخش ہے کہ تم میری عزت کرتے ہو''۔ وہ رسانیت سے بولی تو اسے پہلی بار اسے سننا اچھا لگ رہا تھا۔

''تم بہت ایموشنل ہو صبا!'' اس کی ذات پر پہلا تبصرہ کیا گیا تھا۔

''شاید......'' کوئی تعرض نہیں کیا گیا تھا۔

''میں ایک بات پوچھوں......؟''

''ہاں پوچھو......''

''آپ نے مژگان کو کیوں چھوڑا......؟'' یہ سوال اسے بہت تنگ کرتا تھا شاید اضمار نے غور سے اسے دیکھا وہ بہت پرسکون تھی۔

''کیونکہ وہ مجھے میرے والدین سے دور رکھنا چاہتی تھی اور اسے پاکستان آنے سے چڑ تھی' میں اس سے بے انتہا پیار کرتا تھا' شاید اب بھی کرتا ہوں پر اسے اپنے والدین پر فوقیت نہیں دے سکتا''۔ اس نے وجہ بیان کر دی تھی' اس کے ایک ایک الفاظ میں سچائی کی مہک تھی وہ یقین کر گئی تھی کہ اس شخص میں ایک اچھی بات ہے جو دل میں ہوتا تھا صاف گوئی سے کہہ دیتا تھا' کسی کے بھی جذبات کی پرواہ کئے بغیر۔

☆

وہ تینوں صبا کے کیبن میں موجود تھے اور ہنسی مذاق کر رہے تھے' پھر تھوڑی دیر بعد اریب اور شمیر تھوڑی دیر بعد باہر چلے گئے اور رہ گیا تھا کوئی تو وہ تھی اور اضمار۔

''اریب بہت اچھا ہے پر اس کے ساتھ اچھا نہیں ہوا' یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے''۔ اضمار افسردگی سے بولا' ان کی شادی کو دو مہینے ہو گئے تھے اور ان کے انداز دیکھ کر سب ان کو ایک خوشحال کپل تصور کرتے تھے' شمیر بھی مطمئن ہو گیا تھا پر اریب اب بھی پرملال تھا۔

''نہیں تم ذمے دار نہیں ہو یہ سب تقدیر کا فیصلہ ہے''۔ وہ اس کی بات سے اختلاف کرکے بولی' وہ جان گئی تھی کہ وہ دل کا اچھا ہے اس سے جو بھی گلے شکوے تھے وہ سب بھلا بیٹھی تھی سب کو بچپن کا دور سمجھ کر بھول گئی تھی' واقعی پیار سب بھولنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

''پھر بھی......'' وہ واقعی اریب کے دکھ میں شامل تھا پر اب اس کا اسے اپنی بیوی کے بارے میں ایسا سوچنا کچھ اچھا بھی نہیں لگتا تھا۔

''تم ایسا مت سوچو ہمارا ملنا تقدیر کا لکھا تھا ورنہ تم بھی تو مژگان سے محبت کرتے تھے' پر تمہارا نصیب میرے ساتھ تھا اس لئے میں تمہاری زندگی میں آ گئی' اپنے آپ کو ذمے دار مت مانو ان سب کا''۔ وہ بھرپور تسلی دے رہی تھی۔

''تم بہت اچھی ہو صبا! اور کافی بدل بھی گئی ہو''۔ وہ مسکرا کر اس کے گن بتا رہا تھا۔

''اچھا......''

''ہاں پہلے بچپن میں تم موٹی سی دبو سی ایک کم گو سی لڑکی تھیں پر آج تم ایک خوبصورت اور خوب سیرت لڑکی ہو اور بہترین دوست بھی [illegible] ایک دوسرے کی ذات [illegible]

کررہے تھے۔
''بچپن میں تو تم بھی کافی بددماغ اور خودسر تھے کتنا برا کہتے تھے مجھے' کتنا ستاتے تھے' پر اب تم بھی بالکل بدل گئے ہو' ایک سلجھے ہوئے اور سمجھدار شخص ہوگئے ہو''۔ وہ بھی اس کی خامیاں اور خوبیاں صاف گوئی سے بیان کررہی تھی۔
''ہم پہلے اچھے دوست کیوں نہیں بنے......؟'' ایک ملال تھا۔
''شاید اب بننے تھے اس لئے''۔ وہ مذاق میں بولی۔
''ٹھیک کہا''۔ وہ بھی اس کا ساتھ دے کر بولا۔ چلو چلتے ہیں اموجان انتظار کررہی ہوں گی''۔
''ہاں چلو۔''

☆

''تم دونوں کہیں جاتے کیوں نہیں ہو ہر وقت گھر میں رہتے ہو اور صبا! تم یہ کیسے حلیے میں رہتی ہو ہر وقت' نئی نئی دلہن ہو اور ایسے گھومتی ہو جیسے شادی کو پتہ نہیں کتنے سال ہوگئے ہوں اور یہ ضمی بھی تمہیں کچھ نہیں کہتا کیا......؟'' آج چھٹی تھی سب لاؤنج میں ہی تھے اس لئے اموجان کی جھاڑ سن رہے تھے اور صرف مسکرانے پر اکتفا کررہے تھے پر آج لگتا تھا وہ واقعی بہت زیادہ ڈانٹنے اور سخت سنانے کے موڈ میں تھیں۔
''ارے اموجان! آپ حکم کریں کہاں لے کر جاؤں آپ کی بہو کو؟ میں تو کہتا ہوں چلنے کو پر یہ ہی منع کردیتی ہیں''۔ اضمار نے سارا الزام بڑے آرام سے صبا پر ڈال دیا تھا۔
''کیوں تم کیوں منع کرتی ہو......؟'' اموں نے چشمے کے پیچھے سے گھورا۔
''نہیں اموجان! میں منع نہیں کرتی یہ خود ہی جھوٹ بول رہے ہیں کبھی انہوں نے کہا ہی نہیں''۔ وہ بغیر رعایت کئے سارا کچا چٹھا کھول بیٹھی اور اضمار اسے گھور کر رہ گیا۔
''چلو تم دونوں ابھی شاپنگ پر جاؤ میں دیکھتی ہوں یہ کیسے نہیں لے کر جاتا ہے''۔ امو دونوں سے مخاطب ہوئیں تو دونوں ہی کھڑے ہوگئے کیونکہ اس وقت منع کرنا اپنی شامت بلانے کے مترادف تھا۔
''تم بہت سمپل ہو ورنہ تمہیں دیکھ کر لگتا ہے کہ تم بہت چوزی ہو پر تم بہت ڈیسنٹ اور سوبر ہو''۔ وہ دونوں ریسٹورنٹ میں تھے کیونکہ اموجان کے سامنے ان دونوں کو ایک خوشحال جوڑے کی طرح جو پیش آنا تھا سو وہ دونوں اپنا کردار بخوبی نبھا رہے تھے۔
''بہت سے لوگوں کا یہی خیال ہے میرے بارے میں''۔ وہ مسکرا کر اس کی بات کی تصدیق کررہی تھی۔
''تم بہت الگ ہو صبا! بالکل الگ' میں نے تم جیسا انسان واقعی شاید پہلے کبھی دیکھا ہو''۔ وہ دل سے یہ سب کہہ رہا تھا' اسے اپنا دل ہی دھوکا دیتا محسوس ہورہا تھا وہ جیسا صبا کے ساتھ محسوس کرتا تھا کبھی مژگان کے ساتھ محسوس نہیں کرپایا تھا۔
اس کے اور مژگان کے بیچ چار مہینوں سے کوئی رابطہ نہیں تھا' شروع دنوں میں وہ کچھ افسردہ رہا تھا پر پھر اس نے خود محسوس کیا تھا کہ شاید وہ لفظ محبت سے آشنا ہی نہیں ہے اسے مژگان سے محبت نہیں انسیت تھی' کیونکہ محبت میں دوری برداشت نہیں ہوتی اور وہ ساری فیلنگز جو ایک سچی محبت میں ہوتی ہیں وہ اسے صبا کے لئے فیل ہورہی تھیں' وہ زیادہ وقت اس کے ساتھ گزارتا تھا اسے اس کی دوری اچھی نہیں لگتی تھی۔
''شاید' کیونکہ صبا بیگ' اس دنیا میں اکلوتا چاند ہے''۔ وہ بھی اترائی' ان دونوں کے بیچ کافی انڈراسٹینڈنگ ہوگئی

تھی اور ویسے بھی وہ اس کی محبت تھا بہت دوستانہ رویہ تھا دونوں کا۔
''غلط صبا اضمار عالم وہ اکلوتا چاند ہے جو اضمار عالم کے لئے اس دنیا میں آیا ہے''۔ وہ تصحیح کرکے بولا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گئی پھر اس کی آنکھوں میں شرارت دیکھ کر مسکرادی۔
''صحیح کہا' ویسے اب چلیں کافی دیر ہوگئی ہے''۔ وہ کھڑی ہوئی تو وہ بھی کھڑا ہوگیا۔
وہ گھر میں داخل ہوئے تو حیران رہ گئے مژگان وہاں موجود تھی وہ اسے دیکھ کر کافی حیران تھے' خاص طور پر شمیر' وہ کافی متفکر دکھ رہا تھا' آغا جان اور اموجان جو اس بات سے ناواقف تھے اس لئے بہت محبت سے مل رہے تھے پر شمیر سب جانتا تھا۔
''ہائے ضمی! تم تو واقعی مجھے بھول گئے پاکستان آکر......'' مژگان ایک خاص نظر کے ساتھ ان دونوں کو دیکھ کر بولی جو ایک ساتھ کھڑے تھے اور کافی جچ رہے تھے۔
''نہیں ایسی بات نہیں ہے کچھ بزی تھا' اسے چھوڑو ان سے ملو یہ میری وائف ہے صبا اور صبا! یہ مژگان ہے''۔ سنجیدگی سے جواب دے کر تعارف کروایا گیا تھا' مژگان کو صبا سے جیلسی فیل ہورہی تھی۔
''ہیلو......'' وہ مروتاً بولی۔
''ہائے......آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی''۔ صبا اخلاق کی اچھی تھی سو اچھے طریقے سے ملی۔
''میں بہت تھک گئی ہوں پھپھو! آرام کرنا چاہتی ہوں''۔ وہ اکتا گئی تھی۔
''ٹھیک ہے پھر صبح ملتے ہیں''۔ اضمار کہنے کے ساتھ ہی صبا کا ہاتھ پکڑ کر اوپر چلا گیا تو شمیر مسکرا کر مطمئن ہوکر چلا گیا اور مژگان اس کے رویئے پر مایوس ہوگئی۔

☆

وہ دونوں چپ چاپ بیٹھے تھے اور بیچ میں صرف خاموشی تھی' صبا نے اس کی طرف دیکھا تھا پھر چلتی ہوئی کھڑکی پر آگئی تھی۔
''کہتے ہیں محبت میں دیر نہیں کرنی چاہئے کیونکہ وقت کسی کے لئے نہیں رکتا اور آپ کی محبت کو بھی اپنے ساتھ کھینچ لیتا ہے خود تو بدلتا ہے محبت کو بھی بدل دیتا ہے' وقت بہت طاقتور ہے اس سے پہلے وہ بدل جائے اقرار کردو''۔ صبا نے ہی اس خاموشی کو چاک کیا تھا اور اسے چند الفاظ ادا کئے تھے وہ صرف اسے خالی خالی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
''تم بہت قسمت والے ہو جو مژگان اب بھی تمہاری منتظر ہے جاؤ اس کا ہاتھ تھام لو اپنا لو تمہاری محبت تمہاری منتظر ہے''۔ وہ خفیف سا مسکرائی تھی۔
''اور تم...... تمہارا کیا ہوگا......؟'' اس نے سوال کیا تو وہ مسکرادی۔
''میں وہی رہوں گی جو میری پہچان ہے یعنی صبا اضمار عالم بس اب اس سفر میں تمہارا ساتھ کوئی اور دے گا کیونکہ میرا کردار ختم ہوا یہاں پر''۔ وہ بہت مضبوط دل کے ساتھ یہ سب کہہ رہی تھی۔
''اچھا......'' وہ بہت سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔
''تم کیا کروگی......؟'' دریافت کیا گیا تھا۔
''وہی جو اب کررہی ہوں بزنس''۔ وہ سمجھی نہیں تھی۔
''ٹھیک ہے''۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے پر اقرار نہیں کرتی' تادیر وہ اس کی طرف دیکھتا رہا تھا پھر اس کی طرف آیا اور ہاتھ تھام لیا تھا وہ چونکی تھی۔

”پتا ہے دوستی کوئی لفظ نہیں ہے‘ نہ ہی کوئی لیگل رشتہ ہے یہ ایک خاموش وعدہ ہے‘ میں تمہارا اچھا دوست ہوں صبا! یہ جو دوستی ہے نا وعدہ کرتی ہے کہ میں تھی اور میں ہوں“۔ وہ سنجیدگی سے بول رہا تھا صبا مسکرا دی۔

”تمہارے لئے ہمیشہ سر درد بن کر“۔ وہ ٹکڑا لگا کر بات کو مزاح کا رنگ دے گئی تو وہ چپ کر گیا۔

”میں صبح کے لئے کپڑے نکال دیتی ہوں آفس تو جانا ہے نا یا مژگان کے آنے کی خوشی میں چھٹی کرنے کا ارادہ ہے“۔ وہ مسکرا کر بولی تو وہ اثبات میں سر ہلا کر بیڈ پر دراز ہو گیا۔

☆

وہ صبح جاگنگ سے واپس آیا تو مژگان کو صبح صبح لان میں دیکھ کر تھوڑا حیران ہوا تھا‘ کیونکہ وہ دیر سے اٹھنے کی عادی تھی اور اب اسے اتنی صبح دیکھنا تھوڑا حیرت کا باعث تھا‘ وہ اس کی طرف آیا۔

”تم یہاں اتنی صبح صبح؟“ وہ حیرت زدہ سا سوال پوچھ بیٹھا۔

”کیوں کیا میں یہاں نہیں ہو سکتی“۔ وہ مسکرا کر بولی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا ان کے بیچ۔

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے“۔ وہ سنجیدہ لگ رہا تھا۔

”تمہاری عادت تو نہیں اتنی صبح صبح اٹھنے کی پھر آج کیسے......؟“ وہ موڈ بدل کر بولا‘ وہ مہمان تھی اس کی۔

”جو بدل جائے وہ انسان ہے کیونکہ بدلنا انسانوں کی فطرت ہے اور میں بھی اپنی بہت سی عادتیں بدل رہی ہوں“۔ وہ مسکرا کر بولی احساس زیاں اس کے لہجے سے عیاں تھا۔

”نہیں بدلنا انسان کی فطرت ضرور ہے پر بدلنا بھی غلط جگہوں پر چاہئے جہاں آپ کے بدلنے کی ضرورت ہو جہاں گنجائش نہ رہے وہاں بدلنا بے معنی ہوتا ہے“۔ وہ شاید اسے بہت کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”شاید“۔ وہ مختصر بولی۔

”پر تم بالکل نہیں بدلے ہو ویسے ہی ہو“۔ وہ پرانے دن یاد دلا رہی تھی شاید۔

”نہیں ایسا نہیں ہے مجھ میں بھی بہت سی بری عادتیں تھیں جو میں بدل چکا ہوں اور ان عادتوں کو دوبارہ اپنانا نہیں چاہتا“۔ وہ بہت کچھ اسے باور کرا رہا تھا۔

”تم اندر چلو ناشتہ کرتے ہیں‘ صبا بہت اچھا ناشتہ بناتی ہے“۔ وہ مسکرا کر اخلاق نبھانے لگا۔

”تم تو صبح صرف جوس پیتے تھے پھر ناشتہ......“ وہ حیران تھی۔

”میں نے کہا نا بہت کچھ بدل گیا ہے تم بھی ناشتہ کر کے دیکھو‘ صبا کے ہاتھ میں جادو ہے وہ بہت لذیز کھانا بناتی ہے جسٹ ٹرائے اِٹ......“ وہ شاید اپنی دھن میں تھا جبھی اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے جانے لگا تھا اور یہی منظر صبا کی آنکھوں نے دیکھا تھا۔ دل میں کچھ چبھن ہوئی تھی۔

”وہ میں یہ کہنے آئی تھی کہ ناشتہ تیار ہے آپ آ کر کر لیں“۔ وہ بولی تو اضمار کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے فوراً مژگان کا ہاتھ چھوڑا تھا اور یہ بات مژگان نے بھی نوٹ کی‘ صبا اندر چلی گئی تھی پر دل میں کہیں بہت سی تپش پیدا ہو گئی تھی اپنی کل کی ساری باتیں اسے دھری کی دھری لگنے لگی تھیں۔

”چلو اندر ساتھ چلتے ہیں“۔ اضمار مسکرا کر بولا تھا پر اپنے جملے کے معنی وہ خود بھی صحیح سے جان نہیں پایا تھا‘ پر مژگان مسکرا دی تھی۔

اضمار چپ چاپ اندر کی طرف بڑھ گیا تھا جہاں صبا سنجیدگی سے ٹیبل [illegible] رہی تھی۔

☆

”آپ نے مژگان سے بات کی......؟“ وہ لان میں تھے جب صبا نے اس سے سوال کیا تھا۔

”کس بارے میں......؟“ وہ قطعی طور پر سمجھا نہیں تھا۔

”یہی کہ یہ رشتہ تو سچا ہے پر اس میں سچائی کی رمق بھی نہیں ہے اور آپ آج بھی اس سے محبت کرتے ہیں“۔ آنکھوں میں نمی سی تیر گئی تھی جسے چھپانے کو وہ رخ موڑ گئی تھی۔

”نہیں ابھی نہیں“۔ اضمار کا لہجہ سپاٹ تھا۔

”کیوں......؟“ وہ جی بھر کر حیران ہوئی تھی۔

”وقت پر چھوڑ دو سب بہتر کرے گا“۔ وہ اسے ٹال رہا تھا لیکن اصل میں مژگان کی بات اسے کوفت میں مبتلا کر رہی تھی وہ حیران تھا کہ صبا پچھڑی ایکٹ کیوں نہیں کر رہی‘ کیا اسے محبت میں جلن محسوس نہیں ہوتی۔

”یہ کیا بات ہوئی......؟“ وہ اس کی منطق سمجھ نہیں پائی تھی۔

”صبا! تم پلیز اس ٹاپک کا پیچھا چھوڑ دو“۔ وہ اکتا گیا تھا پر صبا سمجھی شاید وہ اس سے اپنا اور مژگان کا رشتہ ڈسکس نہیں کرنا چاہتا ایک خفت نے اس کا چہرہ اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

”آئی ایم سوری“۔ وہ شرمندہ سے بولی تو اضمار کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اس سے پہلے وہ کوئی صفائی دیتا مژگان وہاں آ گئی۔

”ضمی! مجھے شاپنگ کرنے جانا ہے پلیز تم میرے ساتھ چلو“۔ وہ اس کے پاس آ کر بولی۔

”مژگان! میرا موڈ نہیں ہے پلیز تم صبا کے ساتھ چلی جاؤ“۔ اس کا بالکل موڈ نہیں تھا اس لئے منع کر دیا۔

”پر ضمی! تم جانتے ہو مجھے تمہارے ساتھ شاپنگ کرنے میں مزہ آتا ہے“۔ وہ بضد ہوئی تھی صبا کا چہرہ خفت سے سرخ پڑ گیا تھا‘ اسے مژگان کا اس طرح حق جتانا بھی پسند نہیں آ رہا تھا پر اس نے خود ہی یہ فیصلہ لیا تھا۔

”ٹھیک ہے چلو“۔ وہ بے دلی سے کھڑا ہو گیا تھا وہ اس کی مہمان تھی اور اخلاقیات کا یہی تقاضہ تھا۔

”صبا! میں جا رہا ہوں شاید ڈنر بھی باہر ہی کر لوں پلیز ویٹ مت کرنا“۔ وہ ہدایت دے کر آگے بڑھ گیا تھا کیونکہ مژگان کی عادت سے وہ واقف تھا کہ وہ ڈنر اب باہر ہی کرے گی۔ صبا نے ان دونوں کو ساتھ آگے بڑھتے دیکھا تھا اور ایک سمندر اس کی آنکھوں میں ٹھہر گیا تھا اور پلکوں کی باڑ توڑ کر باہر بہہ نکلا تھا۔

”میں تم کو چند گھڑیوں کے لئے بھی مژگان کے ساتھ دیکھ کر خوش نہیں ہوں‘ اپنا آپ جلتا محسوس کر رہی ہوں تو پھر کیسے تمہیں عمر بھر کے لئے اسے سونپوں گی‘ شاید اس دن میرا وجود جل کر خاک ہو جائے گا پر ضمی میں تمہیں کسی اور کے ساتھ دیکھنا ہی نہیں چاہتی‘ یہ چاہت بہت ظالم ہے انسان سے وہ سب کرواتی ہے جو وہ کرنا ہی نہیں چاہتا ہو اور میں بھی شاید مجبور ہوں“۔

☆

”صبا بھابی! آپ کیا کر رہی ہیں......؟ دیکھیں آپ کے شوہر کیا کر رہے ہیں“۔ شمیر شرارت سے بولا تو صبا نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو اضمار اور مژگان راہ داری سے آ رہے تھے‘ مژگان بہت خوبصورتی سے مسکرا رہی تھی۔

”محبت میں ہے وہ کس قدر سنجیدہ دیکھتے رہنا
محبت ہر کسی سے یوں جتانا اس کی عادت ہے“

شمیر شرارت سے مسکرا رہا تھا‘ اور باہر نکل گیا تو صبا آنکھیں زور سے بھینچ گئی تھی جیسے یہ سب ایک خواب ہو‘ وہ اسی

کیفیت میں تھی جب اضمار اسے دیکھ کر چونکا تھا اور فوراً ہی پیش قدمی کی تھی۔

''صبا......'' بے قراری سے پکارا تھا پر اس نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں' مژگان نے اضمار کی بے قراری اور بے تابی واضح طور پر نوٹ کی تھی۔

''صبا! تم ٹھیک تو ہو نا......؟'' پھر بے چینی سے پکارا تھا۔

''ہاں......'' اس بار صبا نے آنکھیں کھول دی تھیں کہ یہ واقعی ایک خواب نہیں تھا پر آنکھوں میں ایک سمندر تھا جو بہت سکوت میں تھا۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں''۔ وہ بولی تو تھی پر اس کی آنکھوں کی اضطرابیت اضمار سے مخفی نہیں رہی تھی۔

''تم ڈاکٹر کے پاس چلو گی''۔ نوازنے کا یہ طریقہ اس نے پہلی بار دیکھا تھا وہ نوازشوں پر تھا۔

''نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں''۔ وہ نفی کر کے بولی۔

''بالکل......'' جانے وہ کیا جاننا چاہتا تھا۔

''ہاں بالکل''۔ لہجہ جذبات سے عاری تھا۔

''ٹھیک ہے تم روم میں جا کر ریسٹ کرو میں میڈیسن لے کر آتا ہوں''۔ وہ اسے روم میں بھیجتے ہوئے بولا تھا وہ اپنے روم کی طرف بڑھ گئی تھی پر اپنا آپ اسے خالی لگا تھا جیسے جسم ساتھ ہو اور روح فنا ہو گئی ہو' اضمار نے اسے بغور دیکھا تھا پھر جانے کیا سوچ کر مسکرا دیا تھا۔

☆

وہ اس وقت ایک مشہور ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے مژگان شرمندہ تھی اور اس کو واپس پانے کی متمنی تھی پر وہ اس کی تاویلیں سن کر مسکرا دیا تھا' کتنا فرق تھا دونوں میں' ایک جسے اس نے چاہا تھا اور ایک جس نے اسے چاہا تھا' دونوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

''ضمی! میں واقعی بہت شرمندہ ہوں پلیز تم واپس میرے پاس آ جاؤ''۔

''جھوٹ بول کر جیت جانے سے بہتر ہے سچ بول کر ہار جاؤ تم شرمندہ ہو گی مژگان! پر میں جانتا ہوں کہ تم یہاں صرف اس لئے آئی ہو کہ میں تمہیں چھوڑ کر کسی اور کے ساتھ چل دیا ہوں''۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر بولا تو وہ نظریں چرا گئی۔

''ناراضگی ظاہر کرنا دل میں برائی رکھنے سے بہتر ہے ہم اچھے دوست ہیں مژگان! اب بھی میں جانتا ہوں تم مجھ سے ناراض ہو اور اسی وجہ سے یہاں آئی ہو کہ مجھے واپس پا لو اور کچھ نہیں ہمارے بیچ ہمیشہ غرض تھی پیار تو تھا ہی نہیں''۔ وہ آج جیسے سچ بولنے کی ٹھان کر آیا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے''۔ وہ نظریں جھکا کر بولی پر لہجہ بہت پسپا تھا۔

''مژگان! زندگی آپ کو کبھی خالی ہاتھ نہیں چھوڑتی پر ہمیشہ آپ کو بہتر کے بدلے بہترین دیتی ہے' اگر وہ آپ سے کچھ لیتی ہے تو اس سے بڑھ کر آپ کو دیتی ہے''۔ وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

''میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتی اضمار! تم نے جو بھی کہا وہ سچ ہے پر تم جانتے ہو مجھے ہارنا پسند نہیں ہے اور یہ تو میری زندگی کی سب سے بڑی شکست ہے' میں کیسے تسلیم کر لوں''۔ وہ سچائی سے بولی تو آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئی تھیں۔

''مژگان! تم ہاری نہیں ہو تمہارے لئے کوئی مجھ سے بھی بہتر موجود ہے''۔ وہ اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا

اور کامیاب بھی ہو رہا تھا۔

''پر وہ تم تو نہیں ہو گے نا''۔ عجیب شکست تھی شاید مسترد ہونا اچھا نہیں لگتا۔

''مژگان! ہر چیز ضروری نہیں ہوتی ہے ہم ہمیشہ اچھے دوست رہیں گے''۔ وہ دوستانہ انداز میں مسکرایا تو وہ بھی مسکرا دی۔

''ہمیشہ......'' اس نے تائید کی۔

''ہمیشہ ہاں ہمیشہ''۔ اس کا انداز بھی حتمی سا تھا بلاشبہ وہ ایک اچھے دوست بن سکتے تھے۔

☆

''صبی! تم اب بھی بے وقوفی کر رہی ہو کوئی زندگی کے ساتھ یوں نہیں کھیلتا ہے جیسے تم کھیل رہی ہو''۔ ساری روداد سننے کے بعد وہ اس کی عقل پر ماتم کر رہا تھا وہ اس وقت آفس میں تھے تقریباً سارا اسٹاف جا چکا تھا اور وہ اریب کے کندھے پر آنسو بہا رہی تھی دل کا غبار ہلکا کر رہی تھی۔

''میں کیا کرتی اریب! میں ہمیشہ اسے خوش دیکھنا چاہتی ہوں اور جانتی ہوں اس کی خوشی مژگان میں ہے''۔ وہ آنسو صاف کر کے بولی۔

''پر صبا! یہ تو پاگل پن ہے لوگ تو مٹی کی بھی سوکن برداشت نہیں کرتے اور تم جیتی جاگتی انسان ہو کر سوکن کی خواہش مند ہو''۔ اس کا دل چاہ رہا تھا یا تو اس کا سر پیٹ لے یا پھر اپنا' وہ کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی اس لئے اضمار کے آنے کا پتہ ہی نہیں چلا تھا' اضمار نے اریب کو جانے کا اشارہ دیا تو وہ چپ چاپ دروازہ بند کر کے باہر چلا گیا۔

''اریب! میں نے آج تک یہ بات خود ہی رد کی ہے کہ میں اس سے پیار کرتی ہوں پر یہ ایک ایسا سچ ہے جسے میں آج تک مسترد نہیں کر سکی کہ میں واقعی اس سے بے پناہ محبت کرتی ہوں اور اسے کھونے کے ڈر سے ہی ہراساں ہوں' بہت ہمت جمع کر کے میں نے اس سے وہ سب کہا تھا کہ وہ مژگان کو اپنی زندگی میں شامل کر لے ورنہ شراکت پسند میں بھی نہیں ہوں' آج تک سنا تھا لوگ قربانی دیتے ہیں محبت میں پر آج یہ جانا ہے کہ اس کا درد کیا ہوتا ہے' محبت آپ کو توڑ دیتی ہے یہ قربانی کا جذبہ بہت تکلیف دہ مرحلہ ہے''۔ وہ اپنی دھن میں کہتی پلٹی تو دم بخود رہ گئی تھی اضمار کو اپنے سامنے پا کر۔

''آپ......'' وہ بوکھلا گئی۔

''کس نے کہا تھا قربانی دینے کو' عورتوں کی ستارا دیوی بننے کو''۔ وہ اسے چڑانے کو بولا تو وہ اس لمحے اسے یہاں دیکھ کر پہلے ہی حیران تھی' اس کی بات پر عجیب نظروں سے دیکھنے لگی کہ شاید یہ خواب ہو یا صرف ایک ہیولہ۔

''میں خواب نہیں حقیقت ہوں' ایسے مت دیکھو میں کہیں غائب ہونے والا نہیں''۔ وہ اس کے انداز پر مسکرا کر بولا۔

''آپ یہاں کب آئے......؟'' وہ اپنی ازلی خوداعتمادی سے بولی پر لہجہ صاف کانپ رہا تھا۔

''جب تم اپنے دل کی کتھا سنا رہی تھیں''۔ آج وہ بہت شوخ ہو رہا تھا اس کے منہ سے اقرار جو سن لیا تھا' وہ اس کے انداز پر تپ ہی تو گئی تھی۔

''ہاں سنا رہی تھی میرا دل ہے جو چاہے کرے آپ کو کیا مسئلہ ہے' آپ جا کر مژگان کو منائیے آپ کے جذبوں [illegible] جائے گی''۔ وہ تنک کر بولی تو وہ مسکرا دیا۔

''ہاں وہ تو میں [illegible] کے آیا ہوں''۔

''کیا کر کے آئے ہیں......؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''مژگان کو نمٹا کے...... پر تسکین تو اب ملی ہے اقرار محبت سن کر' میں نے بھی مژگان سے کہہ دیا کہ بھئی اب تو میں شادی شدہ ہوں ایک بہت اچھی بیوی میسر آئی ہے اس لئے' ابھی کے لئے سوری تھوڑے پہلے رابطہ کرتیں تو شاید چانس ہوتا پر اب تو دل کے ہر کونے میں ہی صبا عالم براجمان ہیں''۔ وہ بہت واضح انداز میں اقرار محبت کر گیا تھا اور صبا اس کے جملے پر حیران تھی۔

''یہ کیا مذاق ہے......؟'' وہ اس کی باتوں کو شرارت کا عنصر سمجھ کر غصے سے بولی۔

''ارے واہ...... تم کہو تو محبت اور ہم کہیں تو مذاق''۔ وہ بھی ترکی بہ ترکی بولا۔

''دیکھیں اضمار! مجھے اس قسم کے مذاق بالکل پسند نہیں ہیں''۔ وہ جھیل سی آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی تو اضمار کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا' وہ اس کے پاس جا کر ہاتھ تھام کر بولا۔

مذاق کون کافر کر رہا ہے جان اضمار! جو بھی کہا سچ کہا ہے میری زندگی ان لفظوں کی تشریح ہے''۔ وہ اس کے لفظوں پر بہت حیران تھی حیرت دو چند تھی۔

''آپ سچ کہہ رہے ہیں''۔ وہ اب بھی بے یقین تھی۔

''ابھی تک کیا میں بین بجا رہا تھا''۔ وہ اس کی بے یقینی پر سچ مچ غصے میں آ گیا۔

''میرا مطلب تھا مژگان سے آپ محبت کرتے تھے تو پھر یہ سب کیسے ہوا......؟'' وہ بوکھلا گئی تھی اس لئے جلدی میں سوال کر گئی۔

''دیکھو صبا! مژگان سے مجھے محبت نہیں تھی صرف انسیت تھی' محبت کے مطلب میں نے تمہارے ساتھ رہ کر جانے ہیں' محبت میں انسان ایک دنیا کو حاصل کر لیتا ہے اور تمہیں پا کر مجھے یہی احساس ہوا ہے جیسے میں پوری دنیا فتح کر چکا ہوں''۔ وہ اس کی آنکھوں میں محبت کے سچے رنگ دیکھ کر اندر تک سرشار ہو گئی۔

''لیکن مژگان......؟'' اسے اب بھی مژگان کی فکر ہوئی۔

''اسے میں نے صاف اور واضح لفظوں میں اپنے دل کا حال بیان کر چکا ہوں اور وہ بھی کافی سمجھدار ہے' بنا دل کے اور محبت کے شخص کو حاصل کر کے اسے کچھ حاصل نہیں ہوگا اس لئے وہ بھی اپنی منزل کی طرف گامزن ہو گئی ہے''۔ اس نے اسے حصار میں لے کر اپنی ٹھوڑی اس کے شانے پر ٹکا کر کہا۔

''اوہ اس کا کتنا دل دکھا ہوگا''۔ وہ افسردہ ہو گئی۔

''بس میری بھولی بیوی اب کسی کے بارے میں کوئی بات نہیں ہوگی اب تم صرف مجھے یاد رکھو گی' مجھے پکارو گی اور مجھ سے ہی محبت کرو گی' ورنہ مجھ سے زیادہ برا کوئی نہیں ہوگا''۔ وہ اسے محبت بھری وارننگ دے کر بولا تو وہ مسکرا دی۔

''جی جناب! جیسی آپ کی مرضی' بہت بہت نوازش پہلے سے باخبر کرنے کی''۔ وہ مسکرا کر اس کے حصار سے باہر نکلی' آج اس کی محبت سبقت لے گئی تھی وہ اہل تھی اس محبت کی اس لئے جیت گئی تھی۔

''کوئی بات نہیں یہ نوازشیں تو ہوتی رہیں گی چلو گھر چلتے ہیں' آج سے ہم اپنی نئی زندگی کی شروعات کریں گے جہاں صرف میں تم اور ہماری محبت ہوگی اور کسی حریف کی کوئی جگہ نہیں ہوگی''۔ وہ محبت کی چاشنی میں گھلے لہجے میں بولا تو وہ اثبات میں سر ہلا گئی اور اس کے کشادہ سینے پر اپنا سر رکھ کر آنکھیں موند گئی کہ واقعی اگر محبت سچی ہو تو اپنا آپ منوا ہی لیتی ہے۔

☆

روشنی فاطمہ

ناولٹ

شکستِ صدائے دل

''ارے تم اب تک تیار نہیں ہوئیں......؟'' راحمہ کو کتاب میں سر گھسائے دیکھ کر آیان تعجب سے بولا۔

''بھائی! کیا مجھے واقعی جانا ہے آپ کے ساتھ......؟'' اس نے بمشکل کتاب سے نظریں اٹھائے



اس نے بے زاری سے اسے دیکھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟ میں کیا مذاق کر رہا تھا''۔ وہ اس کی بے زاری پر بھنا ہی تو گیا۔

''حد کرتی ہو یار تم' جب میں نے کہا تھا کہ تیار ہو جانا شام کو تو تیار کیوں نہیں ہوئیں''۔ وہ اب غصے میں آ گیا تھا' اس کی آواز سن کر امی بھی دوڑی چلی آئیں۔

''ارے کیا ہو گیا آیان......؟ کیوں چیخ رہے ہو......؟'' سوالیہ نگاہوں سے انہوں نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

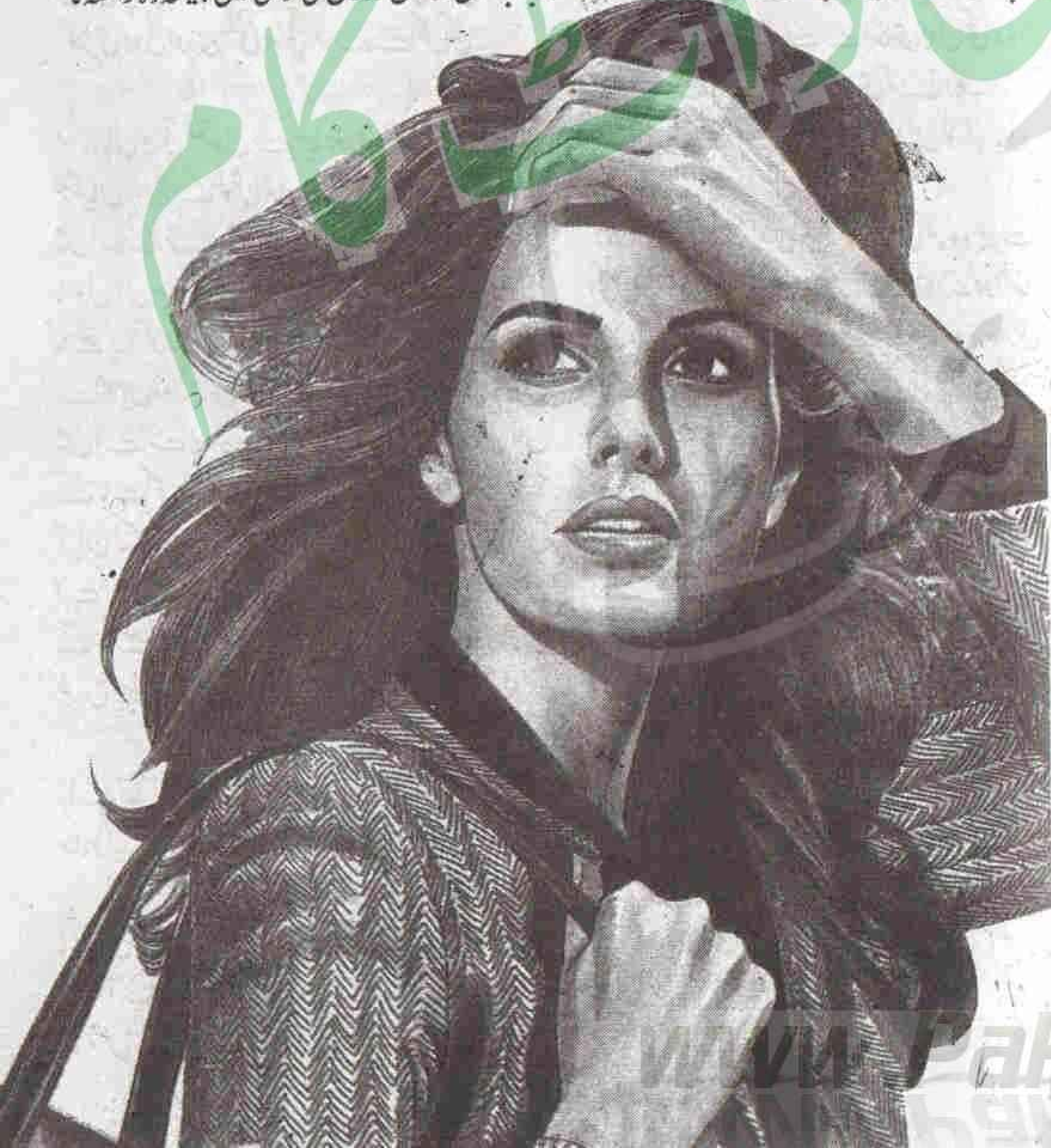
''امی! دیکھ رہی ہیں آپ میری بات کی اہمیت ہی نہیں ہے کوئی''۔ وہ شکایتی لہجے میں بولا۔

''معلوم ہے ناں آپ کو ثوبان کی بہن کی شادی ہے آج اور اسے یاد ہی نہیں''۔

''بھائی! وہ آپ کے دوست ہیں میرا جانا اتنا بھی ضروری نہیں' کل میرا ٹیسٹ ہے مجھے اس کی تیاری کرنی ہے امی پلیز! سمجھائیں ناں بھائی کو''۔ اس نے احتجاج کیا' ساتھ ہی امی کی حمایت حاصل کرنا چاہی۔

''ٹھیک ہی تو کہہ رہی......'' ان کی بات پوری ہونے سے قبل ہی آیان نے ناراض ہو کر انہیں دیکھا تو انہوں نے بیان ہی بدل دیا۔

''ٹھیک تو کہہ رہا ہے ثوبان''۔ راحمہ کا حیران ہونا بے جا نہیں تھا' ان دونوں کی لڑائی میں ہمیشہ وہ راحمہ کا



ساتھ دیتی تھیں مگر آج۔

''امی......؟'' اس نے شاکی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

''بیٹا! کیا حرج ہے اگر اس کے ساتھ چلی جاؤ تو' صبح سے تو تیاری کر رہی ہو ٹیسٹ کی' دو تین گھنٹے کی تو بات ہے بس' ویسے بھی ثوبان اس کا کتنا قریبی دوست ہے' بری بات ہوگی اگر ہمارے گھر سے کوئی شامل نہ ہوا' اس کی امی خود اصرار کر کے گئی تھیں' میری طبیعت ٹھیک ہوتی تو میں چلی جاتی''۔ امی کے مصر ہونے کے بعد انکار کی گنجائش ہی کہاں بچی تھی' بالآخر اسے راضی ہوتے ہی بن پڑی' کتاب دھپ سے بند کرتی ہوئی وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور پیر پٹختی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

☆

ہال برقی قمقموں سے سجا ہوا تھا' ارد گرد خوش شکل لڑکیاں اور لڑکے خوش نما سے لباس پہنے ہال کی رونق میں اضافہ کر رہے تھے' قہقہوں اور خوش گپیوں سے گونجتا ماحول اس پر کوئی اثر نہ ڈال رہا تھا' منہ پر بارہ بجائے' ماتھے پر ناگواری کی شکنیں ڈالے وہ ارد گرد پر بے زاری سے نگاہیں دوڑا رہی تھی' اس قدر رنگین اور پر رونق ماحول میں اسے سخت بوریت ہو رہی تھی' مجال ہے جو کوئی اس سے بات بھی کرتا' اور کوئی بات کرتا بھی کیوں کر......؟ آیان کے دوست کی بہن کی شادی تھی وہاں بھلا کوئی اسے کیسے پہچانتا' وہ ادھر ادھر دیکھ رہی تھی تب ہی اس کے سامنے والی سیٹ پر کوئی دھپ سے آکر بیٹھا' وہ بری طرح پہلے چونکی پھر گھبرا گئی۔

''سوری! مجھے بیٹھنے سے پہلے آپ سے پوچھنا چاہئے تھا''۔ وہ اس کی گھبراہٹ و حیرانی پر تھوڑا شرمسار سا ہو گیا' پھر نارمل ہوتے ہوئے گویا ہوا۔

''دراصل میں بہت تھک گیا ہوں آج' پورے ہال میں یہ ہی تھوڑا پر سکون گوشہ دکھائی دیا تو یہاں بیٹھ گیا' آپ کو برا تو نہیں لگا......؟'' وہ اس سے پوچھ رہا تھا جس کے چہرے پر ناراضی کے آثار پہلے ہی سے نمایاں تھے۔

''ویسے آپ کو برا لگنا نہیں چاہئے کیونکہ آپ کے لئے تو اک ہی چیئر کافی ہے' دوسری چیئر پر ظاہر ہے کسی نہ کسی کو تو بیٹھنا ہی تھا' پھر بھی تھینکس''۔ وہ خود ہی خود بولے گیا' وہ خاموش رہی۔

''ہوں' تھینکس جیسے شکریہ کر کے احسان کر رہا ہو' ایک تو بنا اجازت لئے بیٹھ گیا اوپر سے بولے ہی چلا جا رہا ہے بدتمیز''۔ وہ یہ سب سوچ ہی سکی۔

''اک کام کریں گی اگر برا نہ مانیں تو......'' ایک لمحے کو رک کر وہ پھر شروع ہوا۔

''اف اللہ! کس قدر ڈھیٹ ہے یہ''۔

''جی......'' وہ حیرت سے اتنا ہی بول سکی' وہ اس کی جی کو اجازت سمجھ کر فوراً بات پوری کرنے لگا۔

''اگر مجھے اک گلاس پانی لادیں تو مہربانی ہوگی آپ کی''۔

''جی......؟'' اس کی فرمائش سن کر وہ حیرت سے اچھل پڑی' پتہ نہیں کیوں اس سے انکار نہ ہوا' خاموشی سے اس کے حکم کی تعمیل کے لئے بڑی فرمانبرداری کے ساتھ اس کے لئے پانی سے بھرا گلاس لے آئی۔

''تھینکس......'' اس کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے اس نے احسان مندی سے اسے دیکھا جیسے اس نے نہ جانے کتنا بڑا احسان کیا ہو' اس نے پانی پی کر گلاس رکھتے ہوئے وہ بھی شروع ہو گیا۔

''آپ سوچ رہی ہوں گی کہ کیسا عجیب شخص ہے' اک گلاس پانی بھی نہیں پی سکتا خود' یہ میری مجبوری ہے''۔ وہ رکا۔ اس کی حیرت پھر عروج پر پہنچ گئی کہ اس کی کیا مجبوری ہے......؟

''بچپن سے آج تک اپنے کام خود کرتا آیا ہوں بلکہ دوسروں کے بھی کرتا ہوں مگر پانی آج تک خود نہیں پیا' گھر میں بھی امی اور بہنوں سے ہی پانی منگوا کر پیتا ہوں''۔

''اف کتنا بدتمیز شخص ہے پانی بھی خود نہیں پی

سکتا''۔

''اور سوری...... آج آپ کو زحمت دی''۔ وہ اس کے چہرے کے اترتے چڑھتے رنگوں کو دیکھ کر تھوڑا خفیف سا ہو گیا۔ اپنے نام کی پکار سن کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''ارے یار! یہ لوگ تو چین سے بیٹھنے بھی نہیں دیتے''۔ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''شکر ہے بلا تو ٹلی''۔ اس کو اٹھتا دیکھ کر اس نے سکون کا سانس لیا۔

''شکریہ! اور آپ کو تکلیف دی اس کے لئے ویری سوری''۔ مسکراتی ہوئی اک نگاہ ڈالتا وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد پوری محفل اسے رنگین لگی نہ جانے کیوں......؟ اس بات کا جواب وہ واپسی پر خود بھی سوچتی رہی' ڈھونڈتی رہی۔

☆

''راحمہ! راحمہ......'' آیان مستقل آوازیں دیتا چلا آرہا تھا' مگر راحمہ اس کی بلند آواز سن لینے کے باوجود بھی کان لپیٹے بیٹھی رہی۔

''راحمہ! کہاں ہو......؟'' وہ ایک کے بعد ایک کمرہ جھانک رہا تھا مگر وہ نیچے ہوتی تو دکھائی دیتی نا۔

''امی! یہ راحمہ کدھر ہے......؟'' بالآخر اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گیا تو اس نے کچن کا رخ کیا۔

''کیوں......؟ کیا کام پڑ گیا تمہیں راحمہ سے......؟'' انہوں نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

''آج ثوبان کی بہن کا ولیمہ ہے''۔

''تو......؟'' امی نے پوچھا۔

''تو یہ کہ میں اکیلا کسی صورت نہیں جاؤں گا''۔ اس نے صاف اور دو ٹوک لہجے میں بتایا۔

''تم جانتے تو ہو راحمہ کتنی موڈی ہے اگر پہلے سے بتا دیتے تو ممکن تھا وہ تمہارے ساتھ جانے پر راضی ہو جاتی''۔

''تو امی پھر آپ چلیں میرے ساتھ''۔ وہ منت بھرے انداز میں کہتا ہوا ان کے قریب چلا آیا۔

''مگر بیٹا......''

''اگر مگر کچھ نہیں امی! بس اب آپ چل رہی ہیں رات کو میرے ساتھ''۔ اس نے اٹل لہجے میں کہا اور سلیب پر رکھی' سلاد کی پلیٹ سے ٹماٹر کا ٹکڑا اٹھا کر منہ میں ڈالا۔

''اچھا اچھا...... ٹھیک ہے بھئی چلوں گی میں''۔ انہوں نے گویا ہار مانی۔

''اچھا یہ تو چھوڑ دو تم''۔ انہوں نے اسے مستقل سلاد کی پلیٹ سے کچھ نہ کچھ چگتے دیکھا تو پلیٹ چھین کر دوسری جانب رکھ دی۔

''واہ جی واہ! میں آپ کو جب ثناء کی مایوں پر لے جانا چاہتی تو امی! آپ نے منع کر دیا تھا اور اب بھائی نے کہا تو آپ فوراً راضی ہو گئیں' اٹس ناٹ فیئر امی''۔ وہ نہ جانے کب آکر کچن کی دہلیز پر کھڑی ہو گئی تھی' انہیں معلوم ہی نہ ہو سکا۔

''لڑائی کے لئے جن کی طرح جھٹ سے حاضر ہو گئیں' میں تمہیں کتنی دیر سے پکار رہا تھا' مگر مجال ہے جو میری آواز پر کان پر جوں بھی رینگی ہو''۔ وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔

''میں آپ سے تو بات نہیں کر رہی''۔ وہ منہ بسورے بولی۔

''میں امی سے پوچھ رہی ہوں''۔ اک اک لفظ پر زور دے کر کہا۔

''مگر میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہاں تھیں تم......؟ اک بار بھی میری پکار کا جواب نہیں دیا بولو......؟'' وہ رعب دار لہجے میں پوچھ رہا تھا مگر وہ راحمہ ہی کیا جو اس کی کسی بات کا اثر لے۔

''اس لئے کہ مجھے معلوم تھا کہ یقیناً کوئی کام ہوگا آپ کو مجھ سے' تبھی میری یاد اتنی شدت سے آرہی ہے آپ کو''۔ وہ آنکھوں میں خفگی لئے بولی۔ جواباً اس نے

کڑے تیوروں سے اسے گھورا پر بولا کچھ نہیں۔

"مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ کیا کام ہوگا آپ کو مجھ سے......؟" وہ بدستور منہ پھلائے ہوئی تھی۔

"اچھا تو اپنے بھائی کی خاطر تم کوئی کام بھی نہیں کرسکتیں"۔ اس کا لہجہ اب لجاجت بھرا تھا۔

"بھائی کو بھی تو سوچنا چاہئے نا کہ بہن کا کل بھی ٹیسٹ ہے اور......"

"اپنے اکلوتے بھائی کی خاطر یہ چھوٹی سی قربانی بھی نہیں دے سکتیں......؟" وہ اب اموشنل بلیک میلنگ کے ذریعے بات منوانے کے موڈ میں تھا۔

"اور بھائی کو بھی ذرا احساس نہیں کہ......" اس سے قبل کے وہ مزید کچھ کہتی امی نے ٹوک دیا۔

"یہ کیا بچوں کی طرح بحث کررہی ہو بھائی سے......"

"امی! آج بھی آپ ان کی سائیڈ لے رہی ہیں......؟" وہ شکوہ کناں ہوئی۔

"میں پہلے بھی آپ کے اصرار پر بھائی کے ساتھ گئی تھی"۔ اس نے پرشکوہ نگاہوں سے آیان کو دیکھ کر جتایا تھا۔

"مہربانی آپ کی بہت بہت شکریہ آپ کا"۔ وہ اس کے احسان جتانے پر سلگ گیا۔

"اوہو! تم ہی کچھ عقل کے ناخن لو' کیوں اتنی چھوٹی سی بات پر جھگڑ رہے ہو"۔ اب ڈانٹ کھانے کی باری اس کی تھی۔

"چھوٹی سی بات ہے تو یہ آپ کی لاڈلی بات مان کیوں نہیں لیتی"۔ اس نے پرزور انداز میں اس کی پونی ٹیل کھینچی۔

"اوئی اللہ......امی......" وہ کراہ کر رہ گئی۔

"سدھر جاؤ آیان!" امی نے اس کے نزدیک آکر پیٹھ پر ایک دھموکا جڑا۔

"امی......" وہ پیٹھ سہلاتا احتجاج کرنے لگا۔

"نکلو یہاں سے دونوں اور جانے کی تیاری کرو"۔ انہوں نے حکم آمیز لہجے میں گویا فیصلہ دیا۔

"مگر امی......" اس نے منمناتے ہوئے بے بسی سے انہیں دیکھا۔

"کہہ جو دیا جاؤ جا کر تیاری کرو"۔ امی نے زیر لب مسکراہٹ دباتے ہوئے اس کی رونی صورت کو دیکھا تو وہ مرے مرے قدموں سے چلی گئی' جب کہ آیان کچن سے نکلتے ہوئے فاتحانہ قہقہہ لگا کر اسے چڑانا نہ بھولا تھا۔

☆

تقریب میں گہما گہمی اپنے عروج پر تھی' ہال کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے سامنے دیکھا تو بلیک ٹو پیس میں وہ اسی کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا' اس کی مسکراہٹ پر وہ خاصی جز بز ہوئی نظریں جھکا کر اس کے برابر سے ہوتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی' وہ مایوس سا ہوکر دوبارہ کسی سے باتوں میں مشغول ہوگیا مگر ذہن و دل یکجان نہیں تھے' آیان' ثوبان کو ڈھونڈ کر اس کے پاس ہی رک گیا تھا جب کہ امی' راحمہ کے پیچھے پیچھے تھیں۔ روشنیوں' خوشبوؤں اور برقی قمقموں سے سجا ہال بہت خوبصورت لگ رہا تھا' وسط میں سوئمنگ پول تھا جس میں ایک عدد فوارہ نصب تھا' گلاب کی پتیوں سے ڈھکا ہوا پانی جب ہوا کے جھونکوں سے لہراتا تو اس میں لائٹس کے جھلملاتے ہوئے عکس بہت دلکش معلوم ہوتے ساتھ ہی آرکسٹرا پر دھیمے سروں کی موسیقی کانوں میں رس گھول رہی تھی' کتنی ہی دیر وہ سوئمنگ پول دیکھنے میں منہمک رہی۔

راحمہ نے صد شکر ادا کیا تھا کہ امی اس کے ساتھ تھیں ورنہ اکیلے پن کا احساس ہی اسے بور ہونے پر مجبور کردیتا۔

"کہاں جارہی ہیں امی......؟" ان کو اٹھتا دیکھ کر وہ حیران ہوئی۔

"ثوبان کی امی کو مبارکباد تو دے آؤں جب سے آئے ہیں کسی سے ملے ہی نہیں' کیا سوچیں گی کہ وہ

آئے بھی اور ملے بغیر ہی واپس بھی ہو لئے' تم بھی ساتھ چلو"۔ امی کے حکم پر فی الوقت انکار شامت بلوانے کے مترادف تھا' سعادت مندی سے وہ ساتھ چل پڑی' ثوبان کی امی اور دونوں بہنیں بہت اخلاق سے ملیں' کتنی ہی دیر امی ثوبان کی امی سے باتوں میں مگن رہیں اور اسے بھی ندیا اور ثمرہ سے مل کر قطعی ایسا محسوس نہ ہوا کہ وہ پہلی بار مل رہی ہے۔

جب ثوبان کی امی نے شادی میں شریک نہ ہونے کا گلہ کیا تو امی پہلے حیران ہوئیں پھر ملامتی نگاہیں راحمہ کی جانب اٹھ گئیں وہ گھبرا کر رہ گئی واقعی اسے تو ہرگز بھی ایسا خیال نہ آیا تھا کہ اسے ثوبان کی فیملی سے ملنا چاہئے امی کو اس کی وجہ سے جھوٹ سے کام لینا پڑا' اپنی بیٹی کی نادانی پر پردہ ڈالنا ضروری تھا ورنہ وہ ان کے شکوے کی تردید ضرور کردیتیں' گھر آکر انہوں نے راحمہ کو سخت سنائیں ساتھ ہی میل ملاقات کے آداب اور خوش اخلاقی کے اصول پر لمبے چوڑے لیکچر بھی' راحمہ کو سر جھکا کر صبر و تحمل کے ساتھ سننے پڑے اور اس دوران آیان کی زیر لب مسکراہٹ اس کا خون جلاتی رہی۔

☆

"ابو! آپ نے بات کی جاب کی"۔ وہ آج آفس سے جلدی لوٹ آئے تھے اور اس وقت اخبار کے مطالعے میں مگن تھے تب ہی آیان چلا آیا اور موقع پاتے ہی پوچھ بیٹھا۔

"کس کی جاب......؟" وہ یکسر فراموش کرچکے تھے اس کی بات کو۔

"ابو! وہ ثوبان کی جاب کے لئے کہا تھا میں نے آپ کو"۔ وہ خجل سا ہوکر انہیں یاد دلانے لگا' اس کے کہنے پر چند لمحے انہوں نے ذہن پر زور دینے کی کوشش کی پھر فوراً ہی بولے۔

"اوہ! ہاں سوری بیٹا! میں بھول گیا تھا' اچھا ہوا تم نے یاددہانی کروادی"۔ وہ دوبارہ اخبار سیدھا کرکے مطالعہ کرنے لگے۔

"ابو پلیز......کوشش کریں کہ جلد از جلد اسے جاب مل جائے کیونکہ آج کل وہ Financialy بہت پریشان ہے"۔ وہ اس کے لئے از حد پریشان تھا۔

"ہاں بیٹا! آپ فکر نہ کرو' میں کوشش کروں گا بلکہ کل ہی اقبال صاحب کو فون کروں گا' یقیناً ان کے آفس میں کوئی نہ کوئی ویکینسی نکل آئے گی' ڈونٹ یو وری اباؤٹ دیٹ"۔ انہوں نے تسلی آمیز لہجے میں کہتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ دھر دیا۔

"تھینک یو ابو......" وہ ممنون ہوا۔

"ثوبان کی تو بہت فکر رہتی ہے تمہیں کچھ اپنے مستقبل کی بھی فکر ہے......؟" امی اس کی باتیں کچن میں سن چکی تھیں۔

"کیا مطلب امی......؟" آیان کے ساتھ ساتھ اعجاز بھی حیران ہوئے اخبار تہہ کرکے انہوں نے ٹیبل پر ڈال دیا۔

"مطلب یہ کہ رزلٹ آگیا ہے بی کام فائنل کا اور تمہیں کچھ خبر ہی نہیں"۔ ان کے اطلاع دینے پر وہ شرمندہ ہوگیا۔

"مگر یہ بتائیے یہ بات آپ کو کیسے معلوم ہوئی......؟"

"ثوبان کا فون آیا تھا شام کو اس نے ہی بتایا ہے مجھے"۔

"مگر امی! ثوبان نے مجھے تو نہیں بتایا"۔ آیان کے لئے بے حد حیران کن بات تھی کہ اس نے آیان کو بتانے کے بجائے امی کو فون کرکے بتایا تھا' چار سال میں ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ اس نے کوئی بات اس سے چھپائی ہو۔

"تو بیٹا! اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے تم گھر پر نہیں تھے تو اس نے مجھے انفارم کردیا"۔ امی اس کی حیرانی و خفگی کو کم کرنے کی خاطر بولیں۔

"اگر وہ یہ بات مجھے بتانا چاہتا تو میرے سیل پر

کال کرتا یا ایس ایم ایس کر دیتا''۔ اس سے یہ بات کسی طور بھی ہضم نہ ہو رہی تھی۔

''اوہ ہو...... ایک تو تم ہر بات کی کھال نکالنے بیٹھ جاتے ہو''۔ اعجاز صاحب کو اس کا اتنی معمولی سی بات پر فکرمند ہونا بالکل پسند نہ آیا تھا' تب ہی دروازے پر بیل ہوئی' آیان عجلت سے اٹھ کر بیرونی دروازے کی جانب بڑھ گیا' دروازے پر ثوبان کو دیکھ کر وہ متحیر رہ گیا۔ ہاتھ میں پکڑا مٹھائی کا ڈبہ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے وہ پرجوش لہجے میں شروع ہو گیا۔

''پہلے پکڑ یہ ڈبہ اور اپنا بھی منہ میٹھا کر اور میرا بھی میٹھا کرو' یار! تو فرسٹ ڈویژن میں پاس ہو گیا' بہت مبارک ہو تجھے''۔ وہ گرم جوشی سے اس کے گلے لگ گیا اور وہ بت بنا کھڑا رہ گیا۔

''ارے کیا ہوا تجھے......؟'' اس کی خوشی کے برعکس وہ بالکل ٹھنڈا تھا' وہ تو پتہ نہیں کیا کیا سوچنے لگا اس کے لئے اور وہ......

''کچھ نہیں یار!'' اس نے سر جھٹک کر گویا منفی سوچ سے پیچھا چھڑایا' اور عجلت سے مٹھائی کا ڈبہ کھولا۔ گلاب جامن ساری اس کے منہ میں گھسا دی اور خود بھی ایک گلاب جامن منہ میں ڈال لی۔

''ارے یار! تو بھی ناں...... کچھ بولنے بھی نہیں دیتا''۔ بھرے ہوئے منہ سے بولنے کے نتیجے میں سارا شیرہ اس کی مونچھیں بھگو گیا۔

''خود کو تو ہوش نہیں تھا آج میں نے نیٹ پر ہیڈ لائنز سرچ کیں تو پتہ چلا کہ......'' وہ منہ بھرے بھاری آواز سے بول رہا تھا' جلدی سے اس نے گلاب جامن کو حلق سے نیچے اتارا اور بات مکمل کی۔

''جناب کا رزلٹ آیا ہے میں نے سارے کام چھوڑ چھاڑ کر رزلٹ کا معلوم کیا''۔ بتاتے ہوئے خوشی اس کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔

''تھینکس یار''۔ وہ اس کے چہرے سے ظاہر ہوتی خوشی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔

''نو فارمیلٹی دوستی میں یہ سب اچھا نہیں لگتا یار دوستی کی سچائی میں تکلف کی دیواریں کھڑی نہ کر' ایک یہی تو رشتہ بناوٹ سے پاک ہے تو اسے تو دنیا کے مصنوعی پن سے جدا رہنے دے''۔ وہ سنجیدہ لہجے میں جذباتیت سے کہتا چلا گیا۔

''کیا ہو گیا یار! پلیز کول ڈاؤن' میں تو سب کچھ بہت حق سے وصول کرتا ہوں اور آج تو میرے رزلٹ کی خوشی میں باہر کھانا بھی کھلائے گا اور وہ بھی میں پورے استحقاق سے کھاؤں گا' تیری جیب کی کمائی سے''۔

''ہیں...... یہ جیب کی کمائی کیا ہوتی ہے بھائی! ذرا مجھے وضاحت تو دے''۔

''یہ وہ کمائی ہوتی ہے جیسے ہم اپنے والد کی کمائی میں سے اپنی جیب کا حصہ بناتے ہیں''۔ وہ بڑے سنجیدہ انداز میں وضاحت کرنے لگا تو وہ قہقہہ لگا اٹھا۔

''تو ذرا ٹھہر میں ذرا امی کو بتا کر آؤں کہ آج کا ڈنر تیری طرف سے ہے''۔ وہ پوچھنے سے زیادہ اسے بتا رہا تھا تاکہ انکار کی کوئی گنجائش ہی نہ رہے' وہ گھور کر رہ گیا جب کہ آیان اس کی گھوریوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اندرونی گیٹ کی جانب چل دیا۔

☆

''امی پلیز...... جانے دیں ناں مجھے' میری ایک ہی تو کالج فرینڈ ہے''۔ پچھلے آدھے گھنٹے سے راحمہ بضد تھی کہ اسے اپنی فرینڈ ساریہ کی برتھ ڈے پارٹی میں جانا ہے جب کہ امی صاف انکاری تھیں۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے ہر ایرے غیرے کے گھر یوں بلاسبب جانے کی اجازت نہیں دے سکتی میں''۔

''امی! وہ ایرے غیرے لوگ نہیں ہیں میری بیسٹ فرینڈ ہے''۔ امی کا اکلوتی دوست کے لئے ایسے القابات سے نوازنا بالکل بھی اچھا نہ لگا تھا' وہ کسی صورت اسے بھیجنے پر رضامند نہ تھیں۔

''ابو......'' اعجاز صاحب کو اندر آتے دیکھا تو منہ بسورتی وہ ان کی جانب لپکی۔

''کیا ہوا بیٹا......؟''

''امی مجھے فرینڈ کے گھر نہیں جانے دے رہیں''۔ اس نے فوراً شکایت کا دفتر کھولا۔

''بھئی اس معاملے میں' میں کچھ نہیں کہہ سکتا' یقیناً تمہاری امی تمہارے بھلے کے لئے ہی کہہ رہی ہوں گی''۔ ان کی لاتعلقی پر اس کی آنکھیں بھر آئیں' مگر امی کو اس کے آنسو بھی دکھائی نہ دیئے یوں ہی وہ کچھ دیر ان کے جواب کی منتظر رہی بالآخر پیر پٹختی ہوئی وہ مڑ کر بھاگی تو آیان سے جا ٹکرائی۔

''ارے رے...... کیا ہوا تیز گام کی طرح کیوں اندھا دھند چلی آ رہی ہو''۔ وہ حسب عادت مذاق کے موڈ میں تھا' جواباً کسی کرارے جواب کے بجائے اس کی بھیگی آنکھیں دیکھیں تو وہ پریشان ہو گیا' استفسار پر سارا معاملہ اس نے کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

''امی...... آپ کیوں روک رہی ہیں راحمہ کو......؟ جانے دیں اسے فرینڈ کی برتھ ڈے پر......''

''اچھا تو اس نے تمہیں وکیل بنا کر بھیجا ہے''۔ امی نہ جانے کیوں چڑی ہوئی تھیں اس بات پر۔

''امی! کیا ہو گیا ہے آپ کو......؟ آپ نے پہلے تو اس طرح کبھی پابندی نہیں لگائی راحمہ کے کہیں آنے جانے پر''۔ وہ بہت متعجب تھا کہ آخر یکایک انہیں ہوا کیا ہے۔

''پہلے حالات بھی تو ایسے نہیں تھے شہر کے' امن تھا' تحفظ کا احساس تھا مگر اب اپنے ہی ملک میں بے اطمینانی ہے' بدامنی کی فضا ہے' تحفظ کا لفظ تو جیسے خواب بن کر رہ گیا ہے تم خود ہی بتاؤ ایسے حالات میں کیسے اسے اجازت دوں' شہر کے بیچوں بیچ علاقے میں جانے کی' ایسی پارٹیاں رات گئے تک چلتی ہیں''۔ اس نے بہت پرسکون انداز میں ان کی بات سنی پھر گویا ہوا۔

''امی! آپ کا اعتراض بالکل بجا ہے' مگر امی آپ جانتی ہیں ناں وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر رونے بیٹھ جاتی ہے' وہ رو رو کر خود بھی ہلکان ہو گی اور دوسروں کو بھی پریشان کرے گی' اس کو لانے اور لے جانے کی ذمہ داری میری ہے آپ بے فکر ہو جائیں''۔ اور پھر آخرکار وہ اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو ہی گیا' مگر امی جاتے وقت راحمہ کو دیر نہ کرنے کی تاکید کرنا نہ بھولیں تھیں ساتھ ہی بائیک کی رفتار سلو رکھنے کی تلقین ملی تھی آیان کو' وہ اسے گیٹ پر چھوڑ کر چلا گیا تھا ساتھ ہی واپس آنے کا وقت بھی بتا گیا تھا' وہ شادمانی سے اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

برتھ ڈے کا ارینج منٹ وسیع و عریض لان میں کیا گیا تھا' پودوں اور بیلوں کی خاص طور پر تراش خراش کروائی گئی تھی' ہرے بھرے لان میں قد و قامت میں طویل اور مضبوط درختوں پر لائٹنگ کی گئی تھی وہ متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکی' ایک کالج فرینڈز کے علاوہ دو جانے پہچانے چہرے بھی دکھائی دیئے ذہن نے فوراً سگنل دیا تھا کہ انہیں حال ہی میں وہ نہ صرف دیکھ چکی ہے بلکہ ٹھیک ٹھاک گفت و شنید بھی ہو چکی ہے' وہ ان کے قریب پہنچی تو وہ دونوں خود ہی بول اٹھیں۔

''ارے راحمہ! آپ یہاں کیسے......؟'' ندیا کے لہجے میں خوشگوار حیرت تھی۔

''ساریہ میری کالج فرینڈ ہے اور اگر یہی سوال میں کروں آپ دونوں سے تو......؟''

''یہ ہماری فرسٹ کزن ہے''۔ ثمرہ نے پہلی بار زبان کھولی تھی۔

''اچھا...... مگر اس نے کبھی ذکر نہیں کیا''۔

''ہوں...... یقیناً نہیں کیا ہو گا کیونکہ اسے تمہارے ذکر سے فرصت ملے تو وہ ہمیں یاد کرنے کی زحمت کرے ناں''۔ ندیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا......'' وہ اپنی تعریف پر خجالت سے ہنسی' یوں ہی باتوں کا سلسلہ چل نکلا تو وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا' ساریہ' ندیا اور ثمرہ کی کمپنی نے اسی ذرا بھی بور نہیں ہونے دیا۔

''باہر کوئی صاحب آپ لوگوں میں سے کسی کو لینے

"آئے ہیں"۔ ساریہ کے ملازم نے اچانک سے آ کر اطلاع دی تو وہ سب ایک دوسرے کے چہرے دیکھنے لگیں۔

"مجھے معلوم ہے بھائی ہی ہوں گے لینے آئے ہوں گے مجھے"۔ وہ عجلت سے کاندھے پر بیگ ٹانگتی ان سب کو الوداع کہتی ہوئی بیرونی گیٹ کی جانب بڑھ رہی تھی، تب ہی وہ اس کی طرح عجلت سے آتے شخص سے ٹکراتے ٹکراتے بچی، جب خود کو سنبھالا تو سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر وہ تعجب میں گھر گئی۔

"آپ یہاں بھی......؟" بے ساختہ اس کے لبوں سے یہ جملہ نکلا تھا۔ لائٹ پرپل اور وائٹ کے کنٹراسٹ کے دلکش سے سوٹ میں بڑی بڑی آنکھوں میں حیرت لئے وہ سیدھی دل میں اتر رہی تھی، وہ زیادہ دیر اس سے نگاہیں ملا نہیں پایا، وہ اپنی حالت پر قابو پاتے آگے بڑھ گئی، دل اب بھی بے ترتیب سے دھڑک رہا تھا۔ آف وہائٹ پینٹ پر براؤن اور بلیک چیک کی شرٹ میں وہ بہت صوبر سا دکھائی دے رہا تھا، گیٹ سے آخری قدم باہر رکھتے ہوئے اس نے ایک نظر پلٹ کر اس کی جانب ڈالی تو اسے اپنی جانب تکتے پایا، اس کی اس ادا پر مسکراہٹ اس کے لبوں کا احاطہ کر گئی، جب کہ وہ ایک بار پھر کھو دینے کے احساس کے زیر اثر اداس کھڑا رہ گیا۔

☆

"بیٹا! آج شام تمہیں کہیں جانا تو نہیں ہے......؟" وہ پھرتی سے روٹی بیل رہی تھیں، اس کے آنے کی آہٹ محسوس کی تو بہ عجلت پوچھنے لگیں۔

"کیوں امی......؟" وہ جو فریج سے پانی نکال رہا تھا پلٹ کر حیرت سے دریافت کرنے لگا۔

"سوال بہت کرتے ہو تم، جو پوچھا تھا صرف اس کا جواب دو"۔ وہ اس کے استفسار پر چڑ گئیں۔ "جانا تو نہیں ہے امی! مگر آپ کیوں پوچھ رہی ہیں......؟" وہ پھر اپنا سوال دہرانے لگا۔

"میں اس لئے کہہ رہی تھی کہ آج کچھ لوگ آ رہے ہیں شام کو راحمہ کے لئے"۔ ان کی اطلاع نے گویا آیان کے سر پر بم پھوڑ دیا۔

"امی! راحمہ کے لئے......" اس نے گلاس لبوں سے ہٹایا پھندا لگتے لگتے رہ گیا۔

"ہاں تو......اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے"۔ اس کی حد درجہ حیرانی ان کو عجیب سی لگی تھی۔

"راحمہ نے ابھی انٹر کیا ہے اور آپ اس کی شادی کرنا چاہ رہی ہیں"۔

"یہ تم سے کس نے کہا کہ اس کی جھٹ پٹ شادی کر دوں گی، پہلے رشتہ تو طے ہو جائے یہ تو بعد کے معاملات ہیں"۔ روٹی سینکتے ہوئے انہوں نے بہت مصروف سے انداز میں کہا۔

"مگر امی......" اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ اپنا اعتراض کن الفاظ میں ان تک پہنچائے۔

"آپ نے راحمہ سے پوچھا ہے اس بارے میں......؟" اس نے بوتل فریج میں رکھی اور پلٹ کر مکمل طور پر ان کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"اس سے کیا پوچھنا......" ان کے لہجے کی بے نیازی پر وہ بھونچکا رہ گیا۔

"کیا مطلب ہے امی......؟ اس کی زندگی کا معاملہ ہے اور آپ نے اسے بے خبر رکھا ہوا ہے"۔ وہ واقعی بہت شاکڈ ہوا تھا ان کے اس عمل پر۔

"تمہیں تو علم ہو گیا ناں اب وہ بھی ناواقف نہیں رہے گی"۔ انہوں نے اک اک لفظ پر زور دیا۔

"وہ تو میں اسے بتا ہی دوں گا امی! لیکن آپ کو پہلے راحمہ سے اس بارے میں بات کرنی چاہئے تھی پھر ان لوگوں کو بلانا چاہئے تھا"۔ وہ اب بھی اسی بات پر اٹکا ہوا تھا۔

"اوہو......راحمہ کے لئے جو بھی فیصلہ کریں گے ہم وہ اس کے لئے بہتر ہی ہوگا"۔ امی اس کی تکرار سے تنگ آ گئی تھیں۔

"امی......آپ سے اس معاملے میں ایسی توقع نہ

تھی کہ آپ......" اس کے اعتراضات و گلے شکوے سن کر وہ اسے نگاہوں سے گھورنے لگیں تو وہ بات ادھوری چھوڑ کر کچن سے نکل گیا۔

☆

"ارے......کہاں جا رہے ہو تم......؟" سمعیہ نے اسے دبے قدموں بیرونی گیٹ کی جانب بڑھتے دیکھا تو چیخ ہی پڑیں۔

"باہر جا رہا ہوں کام سے"۔ وہ پلٹے بنا جواب دے رہا تھا، "میں نے تم سے کچھ کہا تھا آیان! میری بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے تمہارے لئے......؟" وہ ڈپٹ کر پوچھنے لگیں۔

"امی! ابھی وہ لوگ راحمہ کو دیکھنے آ رہے ہیں میری موجودگی اتنی اہم بھی نہیں"۔ وہ رکا نہیں، احتجاجاً ایسا کر رہا تھا وہ یا اسے واقعی کسی کام سے باہر جانا تھا، انہیں اسی الجھن میں گھرا چھوڑ کر گیٹ کھول کر وہ باہر نکل گیا۔ وہ آج بھی خان کے چھپر ہوٹل پر اس کا منتظر تھا، نوکری ملنے کی خوشی میں وہ پھولے نہیں سما رہا تھا، خوشی سے چمکتی آنکھیں، چہرے کی رونق دیکھ کر آیان بھی مسکرا اٹھا۔

"کیسا ہے یار......؟" سلام دعا و مصافحے کے بعد اب وہ آمنے سامنے تھے۔

"ٹھیک ہوں یار......" آیان نے اپنے موڈ کے برخلاف زبردستی ہنستے ہوئے جواب دیا وہ اس کی خوشی سیلیبریٹ کرنا چاہتا تھا اپنی وجہ سے اس کی خوشی کو کم نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"تو سنا جاب کا پہلا دن کیسا رہا......؟"

"اچھا رہا یار! آج تو صرف انٹروڈکشن ہی ہو سکا ہے سب سے۔ میل سے زیادہ فی میلز ورکرز زیادہ ہیں آفس میں"۔ اس کا کوئی خاص مقصد نہ تھا بتانے کا پر آیان کو تو جیسے چھیڑنے کا موقع ہی مل گیا۔

"اوہو......"

"تو پھر اگلے ہی ہفتے نکالا نہ جائے کہیں تو......" شرارت سے آنکھ دباتے ہوئے اس نے چھیڑا تو وہ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب ہے تیرا......؟"

"مطلب وطلب کیا جب سارا وقت تو خود کو ہیرو پوز کرنے میں گزارے گا تو کام کیا خاک کرے گا"۔

"یہ عادتیں نہیں ہیں میری......تو تو اپنی طرح سمجھتا ہے سب کو"۔ اس نے صاف اپنا دامن بچا کر بات اس پر رکھ دی تو وہ اچھل ہی پڑا۔

"کیا کیا مطلب ہے تیرا......؟ سارا دن کیا میں لڑکیوں کے آگے پیچھے گھومتا ہوں"۔ وہ کرسی سے اٹھ گیا۔

"نہیں یہ کب کہا میں نے"۔ اس نے کہا تو وہ قدرے اطمینان میں آیا اور دوبارہ بیٹھ گیا۔

"تو تو صرف لڑکیوں کے پیچھے گھومتا ہے آگے نہیں"۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا تو آیان نے ایک مکا اس کے سینے پر رسید کیا، وہ ہنس ہنس کر دہرا ہو گیا، اس کے لال پیلے ہوتے چہرے کو دیکھ کر۔

"ویسے یار! میں انکل کا بہت مشکور ہوں"۔ وہ اب سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"او......او......مسٹر......" اس نے تنبیہی انداز میں انگلی اٹھائی۔

"شکریہ وہاں ادا کیا جاتا ہے جہاں احسان ہوتا ہے اور میں نے ابو نے کوئی احسان نہیں کیا ہے تم پر، تم مجھے بھائیوں سے بڑھ کر عزیز ہو"۔ اس نے قدرے خفگی سے کہا تو وہ نادم ہو گیا۔

"اچھا بھائی اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں"۔ وہ نوٹ کر رہا تھا اس کے خاموش لبوں پر بھی مسکراہٹ سی ہمہ وقت رہتی ہے، کبھی بے وجہ ہی بات کرتے کرتے رک جاتا، کبھی دھیان سے بات سنتے سنتے کہیں اور کھو جاتا۔

"کیا بات ہے یار! تو آج کل بہت خوش رہنے لگا ہے......؟" چائے کا چسکا لیتے ہوئے بالآخر دل کی بات زبان تک آ ہی گئی۔

"کیا مطلب......؟" اس نے الجھن آمیز نگاہوں

سے اسے دیکھا اور چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ دیا۔

''مطلب یار! ایک عجیب سی سرخوشی سے دیکھ رہا ہوں جو تجھ پر سوار رہنے لگی ہے''۔

''کون...... کون سوار رہنے لگی ہے......؟'' وہ پھر بے دھیانی سے کچھ گھبرا کر پوچھ رہا تھا' اس کی بات پر وہ بے اختیار ہنس پڑا۔

''ہم...... مم مم...... تو یہ بات ہے......'' وہ معنی خیزی سے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''نہ...... نہیں ایسی تو بات نہیں''۔ وہ معلوم نہیں کیوں خائف سا ہو گیا۔

''کمال کرتا ہے یار ثوبان! تو بھی مجھے نہیں بتائے گا تو......؟'' وہ حیران تو تھا ہی ساتھ تھوڑا شاکی بھی کہ اس نے اتنی بڑی بات اس سے شیئر نہ کی تھی۔

''یار! جب کوئی بات ہی نہیں تو اسے شیئر کیا کروں''۔ وہ اداسی سے مسکرایا تھا۔

''کچھ تو ہے یار......'' وہ بھی قائل ہونے والا نہیں تھا۔

''وہ تو بس ایک سایہ ہے' کبھی بہت قریب دکھتی ہے اور کبھی دھند کے اس پار جسے تلاش کرنا پانا ناممکن لگتا ہے''۔ وہ اداس لہجے میں اسے بتا رہا تھا' یکدم ہی اس کا یوں آزردہ ہو جانا اسے اس بات کا یقین دلا رہا تھا کہ معاملہ معمولی نوعیت کا نہیں ہے۔

''میں سمجھ نہیں پا رہا یار! تو آخر کیا کہنا چاہ رہا ہے......؟''

''میں اس کا نام نہیں جانتا' نہ ہی یہ جانتا ہوں کہ وہ کون ہے مگر یہ ضرور جانتا ہوں کہ اب وہ میرے لئے بہت خاص ہے' دل اب ہر وقت ہر جا اس کو دیکھنے کا متمنی ہے' پتہ نہیں یار! ایسا کیوں ہو رہا ہے میں اسے نہ بھی سوچوں تو وہ بنا ارادہ ہی میرے خیال' میرے حواسوں پر سوار ہو جاتی ہے' پتہ نہیں یار بس......'' وہ بے چین اور بے بس سا دکھائی دے رہا تھا' آیان ان کے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھ کر حیران تھا' جو خوشی اس کے چہرے پر موجود تھی اب مفقود تھی۔

''تو اتنا مایوس کیوں ہے یار......؟ ابھی تو ابتداء ہے ابھی تو عشق کے امتحان اور بھی ہیں' جب عشق کی وادی میں قدم رکھ ہی دیا ہے تو نشیب و فراز سے گزرنے کے لئے خود کو تیار رکھنے میں ساتھ ہوں تیرے''۔ اس نے تسلی آمیز انداز میں اس کا شانہ تھپکا تو وہ ہولے سے مسکا دیا۔

☆

''وہ ایک جھلک دکھا کر ہر بار غائب ہو جاتی تھی' پتہ نہیں وہ کون ہے......؟ کیا نام ہے......؟ کہاں رہتی ہے......؟ میں کچھ بھی تو نہیں جانتا''۔ اس نے یاسیت سے سوچتے ہوئے کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

''پھر اس کے ملنے کی آس' اسے اپنا بنانے کی چاہ' یہ سب تو سراسر بچکانہ خیال ہے''۔ اس نے سر جھٹک کر ان سوچوں سے خود کو آزاد کرانا چاہا۔

''بھلا بن بادل برسات ہوتی ہے' کبھی' صحرا میں کبھی پھول کھلتے دیکھا ہے' پانی میں آگ لگتے دیکھی ہے جب یہ سب ناممکن ہے تو پھر ایسی راہ پر چلنا بھی بے سود ہے جہاں دور دور تک منزل کا نشاں تک نہ ہو''۔ دماغ مستقل دل کو دلیلیں دے کر سمجھا رہا تھا۔

''مگر قسمت اگر ساتھ دے تو کچھ بھی ناممکن نہیں اور پھر اللہ نے ہمارا ساتھ لکھا ہو گا تو پھر کوئی رکاوٹ کوئی مشکل......'' دل امیدیں باندھ رہا تھا۔

''الجھا ہوا ریشم بھی تب ہی کھلتا ہے جب سرا ہاتھ آ جائے''۔ دماغ ٹھوس دلائل سے اس کے دل کو ڈگمگا رہا تھا' دماغ و دل کی مسلسل بحث و تکرار نے اس کو نڈھال سا کر دیا تھا' وہ کرسی سے اٹھ کر بیڈ پر ڈھے گیا۔

☆

''امی آپ جانتی ہیں کہ راحمہ ابھی بہت پڑھنا چاہتی ہے پھر بھی آپ ان لوگوں کو مثبت جواب دینا چاہتی ہیں''۔ آیان حیران و متعجب تھا بے حد۔

''اچھے رشتے بار بار نہیں ملا کرتے بیٹا......'' سمعیہ کے بجائے اعجاز صاحب نے کہا۔

''مگر ابو! راحمہ کی خواہش ہے کہ وہ پڑھنا......'' وہ الجھن بھری نگاہوں سے ان دونوں کی جانب دیکھ رہا تھا۔

''آخر تم سمجھتے کیوں نہیں ہو آیان' اس دور میں شریف گھرانے آسانی سے نہیں ملا کرتے' احمر ایجوکیٹڈ بھی ہے اور اعلیٰ عہدے پر فائز ہے''۔

''اور احمر میں ایسی کوئی خامی نہیں کہ جس کی بناء پر ہم انکار کریں''۔ اعجاز صاحب نے سمعیہ کی بات کو آگے بڑھایا۔

''کیوں ابو! کیا یہ جواز کافی نہیں انکار کے لئے کہ راحمہ ابھی ذہنی طور پر تیار نہیں' اس کی دلی خواہش زیادہ سے زیادہ تعلیم کا حصول ہے ایک اعلیٰ عہدے پر فائز شخص سے شادی کرنا نہیں''۔ وہ طنز آمیز لہجے میں بولا۔

''زندگی میں بہت سی چیزوں پر کمپرومائز کرنا پڑتا ہے آیان''۔ انہوں نے ایک ناگوار سی نگاہ اپنے بیٹے پر ڈالی۔

''امی...... آپ اپنی اس لاڈلی بیٹی کو کمپرومائز کرنے کو کہہ رہی ہیں جس نے کبھی معمولی چیزوں پر سمجھوتہ نہیں کیا حتیٰ کہ کھانے پینے کی اشیاء پر بھی کمپرومائز نہیں کیا''۔ مضحکہ خیز انداز میں کہہ کر اس نے باری باری ان دونوں کو دیکھا لمحہ بھر رک کر وہ مضبوط لہجے میں گویا ہوا۔

''کمپرومائز وہ لوگ کیا کرتے ہیں جنہیں زندگی مجبوری کے تحت گزارنی پڑے' آپ لوگ کیوں چاہتے ہیں کہ وہ آپ لوگوں کی خواہش کے آگے مجبور ہو کر اپنی آرزوؤں کا گلہ گھونٹ دے اور سمجھوتہ کر لے صرف اس لئے کہ یہ سب کچھ آپ لوگوں کی خواہش ہے''۔ لب و لہجے میں خفگی بھی تھی اور برہمی بھی۔

''تم کیا سمجھتے ہو آیان! ہم اس کے دشمن ہیں......؟ ہم تم سے بہتر سوچ سکتے ہیں کہ راحمہ کے لئے کیا صحیح ہے کیا غلط ہے''۔ اعجاز صاحب کو اس کا یہ جارحانہ انداز قطعاً پسند نہ آیا۔

''اور جہاں تک راحمہ کی تعلیم کا سوال ہے تو وہ تعلیم شادی کے بعد بھی جاری رکھ سکتی ہے احمر میں اتنی صلاحیت ہے کہ وہ اس کی خواہشات اور اس کی تعلیم کو افورڈ کر سکتا ہے''۔ سمعیہ نے تفاخر بھرے لہجے میں رعونت سے کہا۔

''ٹھیک کہا امی آپ نے''۔ وہ یقیناً افورڈ کر سکتا ہو گا سب کچھ مگر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ راحمہ کو تعلیم جاری رکھنے پر معترض نہ ہو گا......؟'' یہ نکتہ واقعی سوچنے پر مجبور کر گیا تھا' مگر اعجاز اور سمعیہ نے اس کی بات نہ سمجھنے کا عہد کر رکھا تھا' سو ہر بات کی طرح اس بات کو بھی ان سنی کر گئے۔

''تم اس رشتے کی اتنی مخالفت کیوں کر رہے ہو' میری تو سمجھ میں نہیں آ رہی یہ بات جب کہ راحمہ نے کسی بھی قسم کا رد عمل ظاہر نہیں کیا ہے اب تک''۔ خفگی سے انہوں نے آیان کو دیکھ کر باور کرایا تھا۔

''ابو! وہ خاموش ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسے آپ کے اس فیصلے پر اعتراض نہیں بلکہ وہ صرف اور صرف آپ لوگوں کی خواہش کے احترام میں چپ سادھے ہوئے ہے احتجاج نہیں کر رہی وہ''۔ وہ انہیں ہر صورت یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ وہ اپنے اس فیصلے پر نظر ثانی کریں اور اپنا فیصلہ راحمہ پر مسلط کرنے سے گریز کریں۔

''بہر حال جو بھی ہے اب ہم فیصلے کر چکے ہیں''۔ سمعیہ نے قطعیت سے کہہ کر گویا اس کی ہر بات کو جھٹلا دیا تھا' وہ کچھ دیر ان دونوں کے چہروں کی جانب دیکھتا رہا تھا لیکن ان کے چہروں پر ذرہ بھر بھی پچھتاوا نہ تھا' سختی اور درشتی ہی تھی وہ مایوس ہو کر مزید کچھ کہے بنا بیرونی دروازے سے باہر نکل گیا۔

☆

''ارے آپ یہاں کیسے......؟'' قریب سے آتی آواز پر اس نے چونک کر نگاہ اٹھائی۔

''اوہ! آپ اسلام علیکم''۔ اس نے مسکراتے ہوئے جھٹ مصافحے کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا۔

''وعلیکم اسلام آپ اکیلی آئی ہو یہاں......؟'' ندیا

نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اس کے عقب میں نگاہ دوڑائی۔

"جی دراصل نوٹس بنانے کے لئے بکس لینی تھیں اس لئے کالج سے یہاں آ گئی"۔ اس نے کاؤنٹر پر سے بکس کا شاپر اٹھایا۔

"آج آپ ہمارے گھر چلیں ناں......؟" ثمرہ نے پرخلوص لہجے میں آفر دی۔

"ہاں بالکل آپ تو ویسے ہمارے گھر آئی ہی نہیں"۔ ندیا نے ثمرہ کی تائید کرنے کے ساتھ محبت بھرا شکوہ بھی کر ڈالا۔

"بس کیا کروں ایک روٹین سی بنی ہوئی ہے گھر سے کالج، کالج سے گھر اور ویسے بھی امی کو میرا زیادہ آنا جانا پسند نہیں ہے"۔ اس نے صاف گوئی سے بتایا، لہجے میں بلا کی معصومیت تھی۔

"چلیں تو آج ہمارے گھر چائے تو پی ہی لیں"۔

"ارے نہیں امی پریشان ہو جائیں گی اگر مجھے دیر ہو گئی تو"۔ وہ فکر مند ہوئی۔

"تو اس میں کیا پرابلم ہے ہم آنٹی کو انفارم کر دیتے ہیں"۔ ثمرہ نے کہنے کے ساتھ ہی پرس سے موبائل نکال لیا۔

"اوکے......" ان دونوں کی اپنائیت دیکھتے ہوئے وہ انکار نہیں کر سکی گیٹ پر پہنچتے ہی بیل دی، بلیو جینز اور وائٹ شرٹ میں ملبوس شخص پر گیٹ کھولتے ہی حیرت کا شدید دورہ پڑا تھا۔

"آ...... آ...... آپ یہاں......؟" خوشی و حیرت سے اس کی زبان ہکلانے لگی تھی، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ خوشی کا اظہار کرے یا حیرت کا، وہ تو خواب میں ہی دیکھ سکتا تھا کہ وہ اس کے گھر مہمان کی صورت اس کے سامنے آئے گی، اس سے کہیں زیادہ حیرت راحمہ کو بھی تھی، اس کا بار بار یوں اتفاقیہ ملنا واقعی حیران کن تھا۔

"ندیا سے اور ثمرہ سے اس کا کیا رشتہ ہے وہ یہاں کیسے......؟" ایسے ان گنت سوال ایک پل میں اس کے ذہن میں کوندے تھے۔

"ارے آپ لوگ جانتے ہیں ایک دوسرے کو......؟" ثمرہ نے خوشگوار حیرت سے پہلے ثوبان اور پھر راحمہ کی طرف دیکھا۔

"میں تو نہیں جانتی"۔ اس نے قدرے ہچکچاہٹ سے کہا ثوبان کے لبوں پر تبسم بکھر گیا، اس نے راستہ دیا تو وہ اندر داخل ہوئیں۔

"جانتی کیوں نہیں ہوں گی بھلا......؟" ثمرہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے حیرانی سے کہا۔

"بھائی جان کے بہت قریبی دوست ہیں آیان بھائی"۔ ندیا نے اسے مزید حیران کیا۔

"اوہ تو یہ ثوبان ہیں......؟" بے اختیار اس نے تائیدی انداز میں کہا۔

"جی ہاں...... یہ ناچیز ثوبان احمد ہے"۔ اس نے ان سب کے پیچھے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ایک ادا سے کہا۔

"میں واقعی نہیں جانتی تھی کہ یہ ثوبان ...... بھائی ہیں"۔

"آپ صرف ثوبان بھی کہہ سکتی ہیں"۔ یہ وہ صرف سوچ سکا لفظوں کو زبان نہ دے سکا۔

"ویسے حیرت کی بات ہے راحمہ! کہ آپ نے کبھی بھائی جان کو نہیں دیکھا حالانکہ کافی سالوں سے آیان بھائی کے گھر آنا جانا ہے"۔ ندیا کو سخت حیرت تھی۔

وہ تو خود حیران تھی کہ اس نے صرف ثوبان کا ذکر سنا تھا، اس آگاہی کے بعد اسے دیکھا پہلی بار تھا وگرنہ اس سے تو کئی بار ٹکراؤ ہو چکا تھا، دل کی حالت عجیب تھی وہ اس کے دائیں جانب صوفے پر براجمان تھا جب کہ ندیا اور ثمرہ اس کے دائیں بائیں بڑے صوفے پر بیٹھی تھیں۔ وہ بہت خوش تھا اور اندرونی خوشی چہرے پر روشنی کی مانند چمک رہی تھی، ثمرہ اور ندیا نے اس کے غیر معمولی تاثرات کو بخوبی نوٹ کیا تھا، پون گھنٹے کی اس مختصر سی ملاقات میں وہ جس طرح میزبانی کے فرائض انجام دے رہا تھا وہ قابل دید تھا۔

☆

اسے اب تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ جسے وہ ہر جا تلاش کرتا رہا ہے وہ اتنے قریب تھی، اس کا بار بار ملنا یقیناً غیر معمولی بات نہیں تھی۔

"ایسے حسین اتفاقات کا بار بار رونما ہونا کہیں قدرت کی طرف سے اشارہ تو نہیں......؟" اس کا دل مسلسل خوش فہمیوں میں مبتلا تھا۔ ضروری نہیں کہ حسین اتفاقات مستقبل کی امیدوں سے وابستہ ہوں ایسی سوچیں تو ہماری خواہش اور خیالات کی پیداوار ہوئی ہیں جنہیں ہم خود فریبی کی زد میں آ کر مستقبل سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔

"راحمہ کو پانا نہ ممکن ہے ثوبان"۔ اندر سے کہیں آواز آئی تھی وہ لیٹے سے اٹھ بیٹھا۔

"راحمہ آیان کی بہن ہے تم یہ کیوں بھول رہے ہو ثوبان......؟ اس ناتے اس کی عزت و احترام تم پر بھی لازم ہے"۔

"مگر میں تو راحمہ کی دل سے بہت عزت کرتا ہوں"۔ دل سے دبی دبی آواز آئی۔

"دل کس نے دیکھا ہے ثوبان احمد......؟ زبان سے کہے گئے الفاظ اور عمل دکھائی دیتا ہے، نیت کس نے دیکھی ہے اور ان دیکھی چیز پر کوئی بھی اعتبار نہیں کرتا"۔

"مگر آیان میرا دوست ہے، وہ مجھے اچھی طرح جانتا ہے مجھے سمجھتا ہے"۔ دل نے پھر ایک نکتہ اٹھایا۔

"وہ تمہارا دوست ہے تب ہی تو وہ تم سے ایسی کوئی بات ایکسپٹ نہیں کرے گا کہ تم اس کی بہن کے لئے ایسا سوچو"۔ دماغ حقیقت کا آئینہ سامنے رکھ رہا تھا جسے دیکھنے پر دل قطعی رضامند نہیں تھا۔

"مگر میں تو اس کے لئے کچھ بھی برا نہیں سوچ رہا میں تو اسے اپنانا چاہتا ہوں"۔

"ایسا کر کے دیکھ لو زمانے کی نظروں میں بھی گر جاؤ گے اور اپنے عزیز دوست سے نگاہیں ملانے کے قابل بھی نہ رہو گے، اگر دل کی بات مان لی تو جھکی نگاہیں کبھی دوست کے آگے نہ اٹھ سکیں گی، یہ سب کچھ سہہ لینے کا حوصلہ ہے تو کہہ دو سب......" دماغ حتی الامکان اسے اس ذلت و رسوائی سے بچانا چاہتا تھا، جس گڑھے میں وہ خود خواہش کے ہاتھوں مجبور ہو کر گر جانا چاہتا تھا، اس ذہنی کشمکش اور الجھاؤ نے اسے پریشان کر دیا تھا، ساری رات دل و دماغ کی جنگ نے اسے نڈھال کر دیا۔

☆

"یہ کیا سن رہا ہوں راحمہ! تم نے اس رشتے پر حامی ظاہر کر دی"۔ آیان از حد حیران تھا اور اس سے کہیں زیادہ خفا بھی۔

"تو اور کیا کرتی......؟" بالوں میں برش کرتے ہاتھ متحرک رہے جیسے وہ بہت ہی معمولی سی بات کی بابت پوچھ رہا ہو۔

"بہت بے وقوف ہو تم راحمہ! میں تمہیں اتنی بزدل نہیں سمجھتا تھا"۔ وہ سخت غصے میں تھا۔

"یہ ہی سمجھ لو بھائی! کہ میں بے وقوف بھی ہوں اور بزدل بھی"۔ لہجے سے ظاہر ہوتی نمی اس سے چھپائے نہ چھپ رہی تھی وہ اس کی جانب پشت کیے کھڑی تھی، اس کے لئے ضبط کرنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔

"میں حیران ہوں راحمہ! تمہاری فیوچر پلاننگ تو ایم اے، ڈبل ایم اے، پی ایچ ڈی اور پتہ نہیں کیا کیا خواب تھے تمہارے، اب کیا ہوئے وہ خواب......؟ سب کچھ مٹی میں ملا دیئے تم نے، ساری خواہشات کو سارے خوابوں کو"۔ غم و غصہ اس سے ضبط نہ ہو رہا تھا، وہ جی بھر کے اپنے دل کی بھڑاس نکال رہا تھا۔

"خواب، خواب ہی ہوتے ہیں صرف دیکھنے کے لئے، دل کو بہلانے کے لئے پانے کے لئے نہیں"۔ اس نے تلخ سی ہنسی ہنس کر کہا۔

"نہیں راحمہ! تم نے بہت جلد فیصلہ دے دیا، تم اصرار کرتیں، ضد کرتیں، امی بابا ہمیشہ کی طرح تمہاری بات کو اہمیت دیتے، تمہاری خواہش کو سر آنکھوں پر رکھتے"۔

تاسف سے کہتے ہوئے وہ اٹھ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا وہ فوراً ہی رخ موڑ گئی وہ نہیں چاہتی تھی کہ آیان اس کی آنکھوں میں جھلملاتے آنسو دیکھ لے۔

''یہ کوئی آئس کریم یا چاکلیٹ کا معاملہ نہیں تھا بھائی! زندگی کا معاملہ ہے کہ میں......'' اس نے عجلت سے گالوں پر لڑھکتے آنسو صاف کیے۔

''تمہیں سمجھانا چاہ رہا ہوں۔ تمہیں کہ یہ تمہاری زندگی کا فیصلہ تھا اور تم نے صرف امی بابا کی خواہش کو دیکھتے ہوئے ان کو ہاں کر دی' پاگل تمہیں احتجاج کا پورا حق تھا جس طرح بچپن سے لے کر اب تک تم اپنی بات منواتی آئی ہو اب بھی تمہاری بات کو ترجیح دی جاتی''۔ اس نے دو قدم بڑھ کر اس کے کاندھے تھام کر اس کا رخ اپنی جانب کر لیا۔

''سرکشی لڑکیوں کی سرشت ہی نہیں اور نہ ہی اس معاملے میں ضد کرنے کی گنجائش ہوتی ہے بھائی! معاشرہ بھی ہم سے یہ ہی چاہتا ہے اور والدین کے دل و دماغ میں بھی ہمیشہ سے یہ بات نقش ہوئی ہے کہ ہماری بیٹی خواہ ساری زندگی من مانی کر لے' ضد کر لے مگر اس معاملے میں وہ ان ہی کی خواہش پر اپنا سر تسلیم خم کرے گی''۔ وہ بے انتہا سنجیدہ لہجے میں بول رہی تھی کہ آیان حق دق رہ گیا' اس کے آنسو پلکوں کی باڑھ توڑ متواتر آنکھوں سے بہہ نکلے اب اس میں مزید ہمت نہ تھی کہ وہ انہیں روک سکتی۔

''راحمہ! کیا ہو گیا میری گڑیا''۔ اس کے آنسوؤں نے اسے پریشان کر دیا۔

''ایسے نہیں کرتے راحمہ!'' اس کا سر اپنے کاندھے سے لگائے وہ اسے تسلی دینے لگا' وہ ضبط کے سارے بندھن توڑ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''کہاں سے سیکھیں تم نے یہ ساری باتیں......؟'' وہ اب تک متعجب تھا۔ وہ تو اسے اب تک اک نادان سی بچی سمجھتا تھا۔

''جب ان چاہی حقیقتوں کا سامنا کرنا پڑے تو انسان کو عقل و سمجھ آ ہی جاتی ہے''۔ اپنے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے وہ اس سے الگ ہوئی آیان اس کی بات پر غور کرتا رہ گیا۔



''کیا بات ہے یار! چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں......؟'' کاندھے پر ہاتھ مارتا ہوا وہ آیان کے ہمقدم ہوا۔

''بس یار! تھوڑا ٹینس ہوں آج کل''۔ ریسٹورنٹ کے داخلی دروازے سے اندر جاتے ہوئے اس نے ہولے سے بتایا تھا۔

''کیوں یار! کیا ہوا......؟'' وہ دونوں ٹیبل کی جانب بڑھے' کرسی کھسکا کر وہ چپ چاپ بیٹھ گیا تو اس نے بھی تائید کی' کچھ توقف کے بعد آیان نے ساری پریشانی اس کے آگے کھول کر رکھ دی۔

''ہوں...... تو یہ بات تھی''۔ تمام بات سن کر اس نے ایک طویل سانس خارج کی۔ دل کی حالت کے برعکس وہ بظاہر پرسکون دکھائی دے رہا تھا' جیسے راحمہ کی رشتے کی بات سے اس کا کوئی تعلق واسطہ ہی نہ ہو۔

''تو آخر تمہیں کیا اعتراض ہے جب کہ تم نے خود ہی بتایا کہ راحمہ نے رضامندی دے دی ہے''۔ کافی سوچ بچار کے بعد اس نے سوال کیا تھا۔

''مجھے اعتراض رشتے پر نہیں ہے ثوبان!'' ثوبان کا دل بے ترتیب ہوا۔

''تو پھر......؟'' اس نے پوچھا۔

''پتہ نہیں یار! مجھے لگتا ہے راحمہ دل سے اس رشتے پر راضی نہیں ہے''۔ اس کے ماتھے پر ان گنت لکیریں ابھر آئیں۔

''وہ اس معاملے میں خاموش ہے نہ تو اعتراض کیا ہے اس نے نہ ہی احتجاج''۔ پرسوچ انداز میں اس نے اپنی پیشانی کو رگڑا۔

''تو پھر تمہیں کیوں ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ وہ راضی نہیں''۔ وہ الجھ کر رہ گیا۔

''وہ بجھی بجھی سی ہے' کل میں نے اس سلسلے میں اس سے کھل کر بات کی تھی۔

''پھر......؟'' وہ دلچسپی سے سن رہا تھا۔

''مجھے لگ رہا ہے کہ وہ صرف امی' بابا کے دباؤ کی وجہ سے راضی ہوئی ہے ورنہ وہ ابھی شادی کے جھنجھٹ میں پڑنا نہیں چاہتی''۔

''وہ کہیں اور تو انوالو نہیں''۔ اس کا دل چیخ رہا تھا' یہ سوال کرنا چاہ رہا تھا مگر اس کے لب خاموش رہے۔

''کہیں وہ بھی میری طرح خود پر جبر تو نہیں کر رہی' وہ بھی اپنی خواہش کو مار کر اپنے وجود کو ریزہ ریزہ نہیں کر رہی اگر ایسا ہے تو......''

''اے! تم کیا سوچنے لگے......؟'' اس کو سوچتا پا کر اس نے ٹوکا دیا۔

''کچھ نہیں''۔ وہ گڑبڑا گیا گویا وہ اس کے دل کا حال چہرے سے جان لے گا۔

''تو اپنی بتا کیا حال ہیں تیرے......؟'' ذومعنی لہجے میں اس نے شرارت سے اسے دیکھا۔ مطلب و معنی وہ بھی جان رہا تھا کہ وہ کیا پوچھنا چاہ رہا ہے پر قصداً خاموش رہا۔

''بتا یار! تو' تو لڑکیوں کی طرح شرما رہا ہے......؟'' اس نے مذاق اڑایا۔

''نام پتا چلا اس کا......؟ کہاں رہتی ہے وہ کچھ معلوم ہوا......؟'' اس کا اشتیاق بڑھ رہا تھا اور ثوبان کی چپ پر اس کا صبر بھی ساتھ چھوڑ رہا تھا۔

''کیا بات ہے یار! میں تجھ سے پوچھ رہا ہوں اور تو ایسے انجان ہے جیسے میں دیواروں سے باتیں کر رہا ہوں''۔ وہ بری طرح خفا ہوا۔

''میں نے اس کا خیال دل سے نکال دیا ہے یار''۔ بمشکل اس نے لہجے کو مضبوط بنا کر کہا تھا' دل کی حالت بے قابو تھی۔

''کیوں یار......؟'' وہ از حد متعجب ہوا۔

''اتنی مایوسی کیوں......؟ ابھی سے ہمت ہار گیا......؟'' اس کا بجھا بجھا چہرہ اسے بھی اداس کر گیا۔

''جب دل ہی ہار گیا تو حوصلہ کہاں سے لاؤں......؟''

''دل کے بدلے دل لیا جاتا ہے پیارے......'' اس نے ہلکے پھلکے انداز میں غم غلط کرنے کی سعی کی۔

''میں فیصلہ کر چکا ہوں یار! ایسی راہ پر چلنے سے کیا حاصل جس کی کوئی منزل ہی نہ ہو نہ منزل کا نشاں......'' ٹیبل پر رکھے ہوئے کپ پر انگلی پھیرتے ہوئے یاسیت بھرے لہجے میں کہا۔

''لگن اور جستجو زندہ ہو تو کوئی بھی کام ناممکن نہیں ہے میرے دوست! صرف حوصلہ اور تھوڑی سی کوشش کی ضرورت ہوتی ہے''۔ اس نے اس کے آزردہ چہرے کو دیکھتے ہوئے تسلی بھرے انداز میں کہا۔

''اگر انسان چاہ کر بھی ایسا نہ کر پائے تو......؟'' وہ بے حد ملول تھا اور ناامید بھی۔

''اتنی جلدی کیوں حوصلہ ہار بیٹھا......؟'' اس نے ہمدردانہ انداز میں کہتے ہوئے اس کے مضبوط ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر تھپتھپایا۔

''بعض مرتبہ حوصلہ' ہمت سب حکمت اور مصلحت کے آگے زیر ہو جاتے ہیں بس یار! وہ میری قسمت میں ہی نہیں تو پھر کوشش بے سود ہے''۔ اس کا لہجہ شکست خوردہ تھا' اسی شکستگی کے احساس نے چہرے کی رونق اور آنکھوں کی چمک کو بھی ماند کر دیا تھا۔

''کیا مطلب......؟'' اس کی مبہم بات وہ سمجھ نہ پایا۔

''کچھ نہیں یار! ہر بات سمجھائی نہیں جا سکتی''۔ لہجہ ہنوز سنجیدہ تھا۔

''مجھے بھی نہیں......؟'' وہ خفا خفا تھا اور حیران بھی کہ یہ بات وہ اس سے کہہ رہا تھا اب وہ اسے کیا بتاتا' اس نے دل کو واپس پلٹنے پر مجبور صرف اپنے اس عزیز دوست کی وجہ سے کیا تھا۔

دوستی اور محبت میں وہ دوستی کو بلند تر پاتا تھا وہ کم ظرف نہیں تھا کہ چند دنوں میں بننے والے اس جذبے کو دوستی سے بلند کر دے' اتنے احسانات کے بدلے اس

محسن کے دل کو ٹھیس پہنچائے وہ ہر گز نہ چاہتا تھا کہ وہ احسان فراموش کہلائے وہ اپنی اس بے مثل دوستی کو ناپائیدار نہیں کرنا چاہتا تھا اسی ذہنی خلفشار نے اسے اندرونی طور پر علیل کر دیا تھا۔

☆

''بھائی! کب جا رہے ہیں ہم راحمہ کے گھر......؟'' شوخ و شرارت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ندیا نے ذومعنی لہجے میں کہہ کر ثمرہ کو تائید کرنے پر اکسایا۔ وہ نظر انداز کر کے ڈریسنگ ٹیبل کی دراز کھول کر کچھ تلاش کرنے لگا۔

''کہیں تو کل چلیں......؟'' ثمرہ اس کے دائیں جانب آ گئی۔

''مطلب کیا ہے تمہارا......؟'' اس نے الجھ کر سر اٹھایا۔

''بھائی زیادہ معصوم نہ بنیں مطلب آپ خوب سمجھ رہے ہیں مگر جان بوجھ کر انجان بن رہے ہیں''۔ ندیا اس کے بائیں جانب آتے ہوئے شرارتی لہجے میں بولی۔

''آپ کو تو ہمارا شکر گزار ہونا چاہئے کہ آپ کے کہے بنا ہی ہم سب کچھ سمجھ گئے ورنہ آپ کل ہماری منتیں کر رہے ہوں گے''۔ وہ جتنا اس ذکر سے بچنا چاہ رہا تھا وہ اسے اتنا ہی زیادہ پریشان کر رہی تھیں۔

''اور کیا ٹھیک کہہ رہی ہے' ندیا صاف بتائیں بھائی! کیا ایسی بات نہیں ہے......؟'' اب وہ پوچھ رہی تھی اس سے' ندیا کی کھوجتی نگاہیں بھی اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے''۔ اس نے رخ پھیرتے ہوئے سپاٹ انداز میں کہا۔ اس کا جواب ان دونوں کے لئے غیر متوقع تھا وہ دونوں بھونچکا رہ گئیں۔

''بھائی! جھوٹ کیوں بول رہے ہیں؟ آپ کے چہرے پر بڑا بڑا تحریر ہے...... کہ مجھے راحمہ پسند ہے''۔ اس نے کہا تو ثمرہ ہنس پڑی' جب کہ اس کے چہرے پر ہنوز سنجیدگی کا راج تھا۔

''میں نے کہا نا ایسی کوئی بات نہیں ہے''۔ روکھے انداز میں کہتا ہوا وہ کمرے سے باہر جانے کے لئے قدم بڑھانے لگا تو وہ دونوں سرعت سے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔

''بھائی! اس دن جب وہ آئی تھی تو ہم نے آپ کی آنکھوں میں اس کے لئے جذبات دیکھے تھے' آپ کے ہر انداز سے واضح تھا کہ وہ آپ کو پسند ہے''۔ ثمرہ نے اس کی سنجیدگی کو بھانپ کر خود بھی سنجیدہ لہجہ اختیار کیا تھا۔

''بس! بہت ہو گیا ثمرہ! اب ایک اور لفظ بھی نہ سنوں میں''۔ اس سے قبل کے ندیا ثمرہ کی حمایت میں کچھ کہتی وہ درشتگی سے ٹوک گیا' وہ دونوں ہکا بکا رہ گئیں کہ اسے یوں اچانک ہو کیا گیا ہے؟ یکایک اس کے رویئے میں ہونے والی تبدیلی حیران کن بھی تھی اور تشویش کا باعث بھی' اس کے دل کا بوجھ بڑھ گیا تھا' بوجھل بوجھل قدموں کو بمشکل تیز تیز اٹھاتا ہوا وہ کمرہ عبور کر گیا۔

بوجھل دل کو سنبھالے وہ بیرونی گیٹ سے باہر نکل آیا' وہ چلتے چلتے مین روڈ پر آ گیا تھا' خزاں کی رت اسے اپنے دل کی مانند لگ رہی تھی زرد اور اداس' سوکھے پتے سڑک پر اڑتے پھر رہے تھے پیروں تلے روندے رہے تھے بالکل اسی طرح اس نے اپنے دل کی خواہش کو اپنے ہی فیصلے سے پیروں تلے روند ڈالا تھا' کچل دیا تھا اس جذبے کو جو اسے کم ظرف بننے پر اکسا رہا تھا' یوں ہی بے ارادہ چلتے چلتے کتنی ساعتیں بیت گئی تھیں شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے' اسے وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہو سکا' حتیٰ کہ اس کا سایہ بھی اس کے قد سے بڑا ہو چکا تھا' روشنیوں کا سراب جگمگا رہا تھا' اسے خود پر حیرانی ہوئی وہ بلا ارادہ و بے مقصد کتنی دور نکل آیا تھا' اس نے خود کو واپسی کی راہ پر گامزن کیا۔ جب راستے منزل کا نشاں ہی نہ بتا سکیں تو راہیں بدلنی پڑتی ہیں۔ اس کا دل بھی اب واپسی کا سفر طے کر رہا تھا اور اس کے قدم گھر کی طرف۔

☆

ثناء خان صنعا

افسانہ

محبت کا گوہر لے کر

وہ بارش میں بھیگتی دونوں ہتھیلیاں پھیلائے لان میں کھڑی فل بارش کو انجوائے کر رہی تھی۔ برستی رم جھم میں تیز ہوا اُسے خود سے بیگانہ کر رہی تھی' پورا لان اور اس میں لگے پودے اور درخت دھل کر نکھر گئے تھے۔



اس کی خوشی میں لان کا پتا پتا جھوم رہا تھا۔ خود میں مگن وہ محسوس ہی نہ کر سکی کہ اس وقت کوئی لبوں پر تبسم سجائے اسے محویت سے دیکھ رہا ہے' ہوا کے زور سے کوئی چیز اس کے پیروں میں آ کے گری تو وہ ڈر کے ذرا دور ہوئی' جب وہ چیز واضح ہوئی تو لپک کے اس کے قریب آئی' وہ زخمی کبوتر تھا اس پر مستزاد بارش نے اسے مزید نڈھال کر رکھا تھا۔

''رحمت بوا......!'' لاؤنج کی طرف آتے اس نے کچن میں کام کرتی رحمت بوا کو ہانک لگائی اور خود کبوتر کو گود میں لئے کرسی پر بیٹھ کر زخم کا معائنہ کرنے لگی۔

''جی صنعا بی بی! کیا بات ہے؟'' رحمت بوا دوپٹے کے پلو سے ہاتھ پونچھتی باہر آئیں۔

''میرا فرسٹ ایڈ باکس تو اٹھا کے لائیں' یہ زخمی ہے''۔ کبوتر کو دیکھتے ہوئے وہ ان سے مخاطب ہوئی تو وہ سر ہلاتی واپس مڑ گئیں اور کچھ دیر بعد وہ کبوتر کی اچھی طرح بینڈ یج کر کے اسے ایک خالی پنجرے میں ڈال کے خود فریش ہونے لگی' ٹیرس پہ کھڑے شخص نے تعریفی انداز میں اس کو دیکھا پھر خود بھی چلا گیا۔

☆

''صنعا بیٹا! آج قرآن خوانی کروانی ہے تو تم بوا کے ساتھ جا کے کچھ گھروں میں بلاوا دے آؤ' میں تو تھک سی گئی ہوں سو ہمت نہیں کہیں جانے کی''۔ کنزہ بیگم نے فریم میں کپڑا ٹائٹ کرتے ہوئے صنعا کو دیکھا جو کہ کبوتر کی بینڈ یج کھول رہی تھی' کل کی نسبت وہ آج خاصا چاق و چوبند نظر آ رہا تھا۔

''اوکے مما جانی! میں چلی جاؤں گی بوا کے ساتھ''۔

جیسے ہی بینڈ یج کھلی کبوتر اڑنے کو پَر تولنے لگا۔ اس نے کبوتر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر فضا میں بلند کیا تو وہ جھٹکے سے اڑان بھرتا آسمان کی وسعتوں میں گم ہو گیا۔ صنعا کے چہرے پر مسکراہٹ رینگ گئی پھر وہ مما جانی کے قریب آئی اور ٹیبل پہ دھرے سیب اٹھا کے کاٹنے لگی۔

''اور تم یہاں کسی قریبی کالج میں ایڈمیشن لے لینا اس طرح مجھے تسلی رہے گی''۔ انہوں نے اس کی حرکات و سکنات کو دیکھتے ہوئے کہا جو کہ اس وقت قدرے مطمئن سی دکھائی دی۔

''اوکے باس! جو آپ کا حکم' بس اتنی سی باتوں پر ٹینس ہونا چھوڑ دیں اور جو بات ٹینشن دے وہ بلا دھڑک کہہ دیا کریں مجھ سے پلیز......'' سیب کی پلیٹ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے اپنا موڈ خوشگوار بنا کے کہا۔

''آئی نو مائے چائلڈ! بس وہمی سی ہو گئی ہوں''۔ انہوں نے کھوئے سے لہجے میں کہا تو وہ بھی خاموش سی ہو گئی۔

☆

''اوہ گریٹ کتنا مزہ آتا ہو گا ناں آپ سب کو''۔ صنعا رحمت بوا کو ساتھ لئے میلاد قرآن خوانی کا بلاوا دینے آئی تھی اور یہ ان کے برابر والا بنگلہ تھا جہاں کافی افراد تھے اور صنعا ان سے مل کے بہت خوش ہوئی۔ کرن بیگم کی تین بیٹیاں اور دو بیٹے تھے سب سے بڑے عبید علی جن کی شادی ہو چکی تھی اور کیوٹ سے دو بچے تھے' زین اور حفصہ' ان کی مما انیسہ بھابی اور لڑکیاں عدینہ' لائبہ' ماہم تھیں۔

''بالکل مزہ تو بہت آتا ہے مگر دھینگا مشتی بھی خوب ہوتی ہے' ایک تو ہم تینوں' ساتھ زین' حفصہ اُف ہر وقت گھمسان رہتا ہے' مما تو سچی بات ہے بیزار بھی ہو جاتی ہیں کبھی کبھی' یہ تو عسیرم سے کچھ ڈرتی ہیں اس کے علاوہ کسی سے نہیں''۔ کیوٹ سی لائبہ نے کشن گود میں رکھتے ہوئے بڑے فخریہ انداز میں تفصیل سے بتایا۔

''مجھے اچھے لگتے ہیں بھرے پرے گھر کیونکہ میں اکیلی ہوں ناں''۔ صنعا نے ننھی حفصہ کو زین سے چاکلیٹ چھینتے دیکھا اور مسکرا کر لائبہ کو جواب دیا۔

''لو جی یہ تو کوئی مسئلہ نہیں''۔ ماہم نے چٹکی بجاتے

ہوئے صنعا کو دیکھا پھر اس کے قریب کھسک کر سرگوشی میں کہنے لگی۔

''ہم آپ کے گھر میں چار چاند لگانے آ جایا کریں گے''۔

''چار نہیں یار پانچ' زین کو بھی لایا کرنا''۔ صنعا نے اس کی سرگوشی سے محظوظ ہو کر کہا تو وہ ہنس پڑی جبھی انہیں انیسہ بھابی چائے کی ٹرالی اندر لاتے نظر آئیں۔ کرن بیگم تسبیح کرتے ہوئے ان کی باتوں کو سن رہی تھیں جبکہ عدینہ اب بھابی کے ساتھ کچن سے برآمد ہوئی۔

''چلیں جی پہلے پیٹ پوجا پھر کام دوجا''۔ عدینہ نے پلیٹ میں لوازمات رکھتے ہوئے کہا تو وہ سب چائے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

☆

اور چند دنوں میں وہ ان سے یوں گھل مل گئی جیسے ہمیشہ سے انہی کے ساتھ رہتی آ رہی ہے' کنزہ بیگم بھی خوش تھیں کہ صنعا بہل گئی' وہ بھی کرن بیگم سے مل کے آئیں' انہیں بھی وہ گھرانہ بہت اچھا لگا سو جلد ہی اچھے تعلق استوار ہو گئے دونوں گھروں کے۔

''ارے ارے عدینہ! میری بات سنو' رکو پلیز دینہ کی بچی' اُف دیکھنا تمہارا کیا حشر کرتی ہوں میں''۔ شام کے وقت جب سورج بھی اپنی دن بھر کی ڈیوٹی سرانجام دینے کے بعد غروب ہونے کو تھا' ہلکی ہلکی دھوپ لان کی دیواروں پر رہ گئی تھی' پنچھی بھی دن بھر کے تھکے نڈھال سے واپسی کے سفر پر گامزن تھے' ٹھنڈی سی ہوا نے شام کی رعنائیوں میں اضافہ کر دیا۔ اس موسم کا لطف اٹھانے عدینہ لان میں لگے پودوں کو پانی دے رہی تھی' اسے صنعا گیٹ سے اندر داخل ہوتی دکھائی دی بس اس کے دماغ میں چھن سے شرارت اتر آئی اور پانی کا پائپ صنعا کی طرف موڑ دیا' صنعا اس افتاد پہ بوکھلا گئی' اب صنعا بچاؤ کراتے اسے وارن کرتے آگے آگے اور عدینہ پائپ تھامے اس کے پیچھے پیچھے' اچانک عدینہ لاؤنج سے نکلتے عسیرم علی خان سے ٹکرا گئی اور بھائی کو دیکھ کر پائپ ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ دونوں ہاتھ کمر پر ٹکائے عدینہ کو گھور رہا تھا جب ایک موٹی سی پانی کی دھار اسے بھگو گئی۔ عدینہ یہ منظر دیکھنے کی تاب نہ لا سکی اور اندر بھاگ گئی جبکہ صنعا ہونٹوں کا کونہ دانتوں تلے دبائے خفت کا شکار نظر آئی' اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

''سوری......'' صنعا نے نظریں اٹھا کر معذرتی لہجے میں کہا تو عسیرم علی اسے بنا کچھ کہے واپس پلٹ گیا تو وہ تینوں بوتل کے جن کی طرح اس کے سامنے آ گئیں۔

''کیا کہا بھائی نے؟ سوری یار وہ کچھ غصے کے تیز ہیں مگر اتنے بھی نہیں' بس غلطی تو ہماری تھی ناں''۔ عدینہ کے کہنے پر وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی مگر درحقیقت وہ اُس وقت عسیرم علی کی آنکھوں میں کھوئی ہوئی تھی' اپنی لائف میں کسی مرد کی اتنی بڑی بڑی روشن آنکھیں وہ بھی شربتی کلر کی' گھنی پلکیں اس نے پہلی مرتبہ دیکھی تھیں' اسے وہ آنکھیں اپنی اپنی سی لگیں۔

''صنعا یار! آر یو اوکے......'' ماہم بھی ڈانٹ زیادہ پڑ گئی' وہ تینوں خجل سی ہو گئیں تو صنعا نے سر جھٹکا۔

''اٹس اوکے' چلو آؤ کرکٹ کھیلیں''۔ صنعا نے پاس رکھے بیٹ بال اٹھائی اور کھیلنے لگیں۔

☆

''صنعا بیٹا! آپ کے بابا جانی کی کال آئی ہے بات کریں''۔ مما جانی نے بیڈ پر اوندھی لیٹی صنعا کا کندھا ہلا کے موبائل اسے پکڑایا۔

''السلام وعلیکم! کیسے ہیں بابا جانی؟'' صنعا نے سیدھے ہوتے ہوئے ایک ہاتھ سے بال ٹھیک کیئے دوسرے سے موبائل کان پہ لگایا اور مما جانی اس کے کمرے میں کچھ پھیلا ہوا پھیلاوا سمیٹنے لگیں۔

''میں ٹھیک ہوں بیٹا! آپ کیسی ہو میری جان!'' انہوں نے شفقت بھرے انداز میں جواب دیکر پوچھا۔

''میں بھی بالکل ٹھیک ہوں' آپ کو بہت مس کرتی ہوں' آپ کب آئیں گے بابا جانی......؟'' صنعا نے

بیقراری سے پوچھا تو انہوں نے ہمیشہ کی طرح بہت جلد آنے کو کہا اور وہ بھی ہمیشہ کی طرح مان گئی۔ پھر کچھ دیر اس کی اسٹڈی اور فرینڈز کے متعلق بات کر کے انہوں نے فون بند کر دیا تو صنعا موبائل تکیے پر اچھال کے سابقہ پوزیشن میں چلی گئی۔ مما جانی کمرہ سیٹ کر کے اس کے قریب آئیں اور پاس ہی بیٹھ گئیں۔

''کیا بات ہے صنعا گڑیا! آپ سیٹ ہو؟'' انہوں نے اس کا ہاتھ پیار سے اپنے ہاتھ میں لیا تو وہ کچھ سرک کے ان کے قریب آئی' اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا۔

''نہیں مما جانی! بس بوریت سی ہو رہی ہے''۔ ان کی پر حدت آغوش میں لیٹی صنعا نے بیقرار لہجے میں کہا تو مما جانی نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کے کہا۔

''ماہم کے ہاں چلی جاؤ''۔

''کہیں موڈ نہیں آنے جانے کا' آپ چائے کے ساتھ کچھ کھانے کو منگوا کر لان میں رکھیں' آج ہم وہیں انجوائے کرتے ہیں''۔ بیڈ سے اٹھ کر اس نے لان کی طرف کھلتی کھڑکی کھول کے مما جانی سے کہا تو وہ اس کا گال تھپتھپا کر باہر آ گئیں۔

☆

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ اس وقت ٹیرس پر ملول سی کھڑی اپنے متعلق سوچ رہی تھی جب برابر والے ٹیرس سے عیسیرم علی کی سرشاری آواز اسے سنائی دی۔

''میں ٹھیک ہوں' آپ کیسے ہیں؟'' پہلے وہ چونکی پھر سنبھل گئی اور مسکرا کر جواب دیا۔

''میں ٹھیک نہیں ہوں''۔ عیسیرم علی نے گمبھیر سی خاموشی میں مدھم لہجے میں جواب دیا۔

''خیریت کیا ہوا آپ کو؟'' اس نے تشویش زدہ لہجے میں دریافت کیا۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے مگر دل ٹھیک نہیں ہے''۔ اب کی بار بھی جانچتی نظروں سے صنعا کو دیکھا جو کہ نظر چرا گئی تھی اور ٹیرس سے نیچے سڑک پہ دائیں بائیں بلاوجہ نظریں گھمانے لگی۔

''اب کی مرتبہ بھی سوال کریں ناں! مگر نہیں آپ کو معلوم ہے کہ میرے دل کا علاج صرف آپ کے پاس ہے تو آپ کیونکر علاج کریں گی' آپ نے تو پکا تہیہ کر لیا ہے میرے بے فکر سے دل کو درد سے آشنا کروانے کا''۔ عیسیرم علی نے سگریٹ ہونٹوں میں دبا کے اسے لائٹر سے سلگایا مگر صنعا ہنوز لاپرواہی کا تاثر دے رہی تھی' کئی دفعہ عیسیرم علی نے اسے اپنے اشاروں' باتوں' نظروں سے محبت کے پیغام دیئے مگر وہ نظر انداز کر جاتی سو آج بھی کہہ دیا۔

''سوری' میرے پاس نہ ہی اس کا علاج ہے اور نہ ہی آپ کے سوال کا جواب' پلیز پریشان نہیں کریں''۔ وہ قطعیت بھرے لہجے میں کہتی ٹیرس سے ہٹ گئی۔

عیسیرم علی نے سگریٹ کا ایک لمبا سا کش لے کر اطمینان سے دھواں فضا میں بکھیرا۔ عیسیرم علی سنجیدہ سے مزاج کا لڑکا تھا MBA کرنے کے بعد وہ پپا کے بزنس میں ان کا ہاتھ بٹاتا۔ اس کی فیلڈ میں کافی لڑکیاں تھیں' کچھ سے اس کی ہیلو ہائے بھی تھی مگر فلرٹ وہ کسی سے نہیں کرتا تھا۔ صنعا واحد لڑکی تھی جو پہلی نظر میں بارش میں بھیگتی اسے پسند آئی تھی پھر دو مرتبہ اس نے صنعا کو بے حد اداس دیکھا' اس کے دل میں چپکے سے خواہش ابھری کہ میں اس کے جامد لبوں پر ہنسی کا پھول بن کے کھلوں مگر...... اسے محسوس ہوتا کہ وہ جان بوجھ کر اسے اگنور کر رہی ہے' کبھی لگتا اس کا کسی اور میں انٹرسٹ ہے' اس سوچ کو خود ہی جھٹک دیتا۔

''مما کو جلد ہی اس کے گھر بھیجوں گا پرپوزل کے ہمراہ' شاید وہ مجھے ٹائم پاس لڑکا سمجھ رہی ہے''۔ خود سے کہتے ہوئے وہ اپنی کیفیت سے حظ اٹھانے لگا۔ اس سوچ نے جیسے ہی دماغ کی کھڑکی سے انٹری مار کے دل کے دروازے پر دستک دی بھرپور طمانیت اس کی روح میں سرائیت کر گئی۔

☆

''آئیے کرن بہن' بیٹھیے''۔ رحمت بوا مارکیٹ تک

گئی ہوئی تھیں اور مما اس وقت لان میں پودوں کی کانٹ چھانٹ میں مصروف تھیں جب داخلی دروازے پر بیل ہوئی' مما جانی نے جب گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھولا تو کرن بیگم' انیسہ بھابی اور گپلو سے زین کے ہمراہ ان کے گھر آئیں تھیں۔ مما جانی انہیں ڈرائنگ روم میں لے آئیں' باتوں کی آواز سن کے صنعا بھی نیچے آ گئی جو کہ کالج سے آنے کے بعد سو گئی تھی۔

''السلام وعلیکم!'' اس نے خوشدلی سے انہیں سلام کیا تو انہوں نے جواب دیا جبکہ کرن بیگم نے پیشانی بھی چومی تو انیسہ بھابی معنی خیزی سے کھانسنے لگیں' صنعا نے نادیبی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

''چلو بھئی جلدی سے اچھی سی چائے پلاؤ''۔ بھابی نے اس کی نظروں کو خاطر میں لائے بغیر آرڈر دیا' وہ آنکھیں دکھاتی اور ہنستی کچن میں آ گئی۔

کرن آنٹی کے تاثرات منجمد ہو گئے مما کی بات سن کے۔

''جی مگر......'' انہوں نے چونک کر کچھ کہنا چاہا۔

''جی کرن بہن! یہ ہی حقیقت ہے اگر میں نہ بتاتی تو کوئی اور بتا دیتا اور صنعا مجھے بے حد عزیز ہے' اس کے کتنے ہی پرپوزل آئے ہیں یہ سن کے کوئی پلٹ کے نہیں آتا مگر میں خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں''۔ اسی دوران وہ چائے کی ٹرالی گھسیٹتی اندر داخل ہوئی۔

''یہ بھابو! میں نے اپنے حسین و مرمریں ہاتھوں سے آپ کیلئے چائے تیار کی ہے' بڑی خوش قسمت ہیں آپ''۔ کباب' نمکو' بسکٹ کی پلیٹیں ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ شوخی سے بولی' بھابی نے اسے یک ٹک دیکھا۔ مگر وہ پوری طرح زین میں مگن اسے گود میں بٹھائے کیک کھلانے میں مصروف تھی۔

☆

''مما! یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے اور مجھے اس کے ماضی سے کوئی سروکار نہیں' وہ مجھے پسند ہے بس''۔ مما نے اسے حرف بہ حرف بتایا تو عیسیرم علی نے بے حد رسان سے انہیں جواب دیا۔

''مگر بیٹا! ہمارا خاندان......'' کرن بیگم تذبذب کا شکار تھیں۔

''اونو...... مما! آپ دنیا خاندان کو چھوڑیں' زندگی مجھے گزارنی ہے اور خاندان والوں کی تو عادت ہوتی ہے وہ کب کسی کی خوشی میں خوش ہوتے ہیں' بس آپ اپنا بتائیں آپ کا دل کیا کہتا ہے؟'' عیسیرم علی نے حتمی لہجے میں کہتے ہوئے کرن کے سامنے دوزانو ہو کے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''سچ پوچھو عیسیرم! مجھے تمہاری خوشی سے بڑھ کے کچھ عزیز نہیں اور صنعا بہت نیک سیرت بچی ہے''۔ کرن بیگم نے ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر عیسیرم علی کو اندر تک شانت کر دیا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی سوئٹ سی مام صنعا کو دل سے قبول نہ کریں۔

''چلیں پھر آپ کچھ دنوں تک فائنل بات کر آئیں''۔ عیسیرم علی نے ابھی بات مکمل ہی کی تھی کہ عدینہ آ گئی۔

''افسوس بھیا اتنے چھپے رستم' او مائی گاڈ...... ہماری ناک کے نیچے آپ دونوں آنکھ مچولی کھیلتے رہے اور...... اور...... ہمیں خبر بھی نہ ہوئی...... کیوں......؟''

وہ مما کے قدموں سے اٹھا ہی تھا جب عدینہ آندھی طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوئی اور بنا رُکے لفظوں کی گولہ باری دھڑا دھڑ عیسیرم علی پر برس دی' اس کا سانس پھول چکا تھا' کرن بیگم اور عیسیرم دونوں اس کی بات پہ مسکرانے لگے۔ عیسیرم علی نے آگے بڑھ کے عدینہ کو بازو کے گھیرے میں لیا اور قریب پڑے صوفے پر اسے ساتھ لئے بیٹھ گیا۔

''ڈیئر قرا قرم سسٹر! بات یہ ہے کہ صنعا کو کچھ معلوم نہیں وہ تمہیں کیا بتاتی' دوسرا یہ کہ دعا کرو وہ مان جائے' اب وعدہ کرو تم اسے فورس نہیں کرو گی جو اُس کا دل کرے گا وہی جواب دے وہ......اوکے''۔ عیسیرم نے رسانیت سے اسے سمجھایا تو وہ اوکے بھائی کہہ کر

کچھ سوچنے لگی۔

☆

"مگر مما جانی! مجھے کسی سے شادی وادی نہیں کرنی اور یہ جو محبت ہے ناں آج کے دور میں مصیبت ہے، خواری ہے' آپ جانتی ہیں مجھے اس لفظ سے محبت ہے مگر میں یہ محبت کر نہیں سکتی' کیا گارنٹی ہے مما جانی کہ پوری عمر انہیں پچھتاوا نہیں ہوگا' آپ......" اس نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا تو مما جانی کو وہ ذہنی طور پر ڈسٹرب لگی۔

"دیکھو صنعا بیٹا! پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں' بالکل اسی طرح جس طرح ہر انسان بائے فیس ایک جیسا نہیں ہوتا' سو ہمیں کسی نہ کسی پر اعتبار تو کرنا پڑتا ہے' رسک اٹھانا پڑتا ہے کیونکہ جب تک زندہ ہیں دل میں امیدیں روشن ہیں' سو بیٹا جانی! آپ کو بھی اعتبار کرنا پڑے گا' پتہ ہے صنعا مجھے یقین ہے میری دعائیں قبول ہوگئیں جو عسیرم علی کا رشتہ تمہارے لئے آیا ہے' تو تم بھی یہ خدا کی رضا جان کر یہ فیصلہ اسی پاک ہستی پر چھوڑ دو اور بے فکر ہو جاؤ...... وہ ہمیں ہماری حیثیت سے زیادہ نوازنے والا ہے"۔ شام کی چائے پی کر وہ اس وقت مما جانی کے ساتھ لان میں چہل قدمی کر رہی تھی جب مما نے یہ ٹاپک چھیڑا۔

وہ دور خلاؤں میں چہرہ اوپر اٹھائے دیکھ رہی تھی' اس کی نظر ایک منظر پر ٹھہر سی گئی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے' پھولوں اور پتوں سے شرارت کرتے انہیں کھلکھلانے پر مجبور کر رہے تھے' پرندے بھی اپنے آشیانوں کی طرف محو سفر تھے' جاتی دھوپ جو کہ درختوں کے پتوں پہ اپنا عکس لئے واپسی کا سندیسہ دے رہی تھی وہیں پتوں سے چھن کر آتی سورج کی نارنجی شعاعیں صنعا کے چہرے پر بکھری اداسی کو مزید اداس بنا کر اس کے معصوم سے چہرے پہ رعنائی بڑھا رہی تھی۔ وہیں کچھ فاصلے پہ اپنے کمرے سے باہر ٹیرس پر آتے عسیرم علی کی نگاہیں اس کے چہرے پر جا ٹکیں' وہ نرم سی نظروں سے اسے دیکھنے لگا پھر غیر ارادی طور پر وہ کچھ آگے بڑھا اور صنعا اور کنزہ بیگم کی باتیں سننے لگا جو کہ غیر اخلاقی حرکت تو تھی مگر عسیرم علی اسے کسی دباؤ سے نہیں بلکہ اس کی مرضی سے اپنی زندگی کا خوبصورت حصہ بنانا چاہتا تھا۔

"اس منظر کی مثال دیکھو بیٹا! کہ کتنا اداس لگ رہا ہے یہ سورج کہ اب اس نے غروب ہونا ہے مگر اس کی کرنوں میں اک عزم ہے کہ اگر خدا نے چاہا تو وہ کل پوری آب و تاب کے ساتھ دنیا میں روشنی بکھیرتے طلوع ہوگا اسی طرح اگر کوئی انسان ہمیں دکھ دیتا ہے تو کیا ہم ڈس ہارٹ ہو کے جینا چھوڑ دیں' نہیں میری جان! ہمیں بھی ایک عزم' ایک ولولے کے ساتھ کسی مخلص انسان کی تلاش جاری رکھنی چاہیے کیونکہ دنیا میں ابھی محبت' خلوص' سچائی ہے اسی لئے یہ رواں ہے"۔ مما جانی نے اس کی محویت پر یہ ایک چھوٹا سا لیکچر دیا تو وہ پرسکون سی سانس خارج کر کے ان کے کندھے پر سر ٹکا گئی۔

☆

کالج گیٹ سے باہر وہ فائل سینے سے لگائے ایک ہاتھ سے اسے سنبھالے دوسرے ہاتھ سے گھڑی کا اسٹریپ بند کر رہی تھی مگر کبھی فائل پھسلتی' کبھی شولڈر بیگ کہنی پر آ جاتا' ایک دم اس کے برابر میں کوئی آہستگی سے آ کھڑا ہوا' اس نے سر اٹھا کر نو وارد کو دیکھا اور پھر سے اپنے کام میں مشغول ہوگئی۔

"لائیں میں باندھ دوں"۔ پھر اس کا جواب سنے بغیر گھڑی اس کے ہاتھ سے لے کر اسٹریپ بند کر دیا پھر وہ دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

"صنعا! میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں"۔ کالج کے قریب واقع ایک چھوٹے سے پارک میں انٹر ہوتے ہی سامنے والی بینچ پر بیٹھ کر عسیرم علی نے امید بھری نظروں سے اس کو دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"مجھے آپ پر یقین ہے مگر خود پر نہیں اور نہ ہی محبت پر"۔ صنعا نے لب کشائی کی۔

"آپ کا مجھ پر یہ ہی یقین کافی ہے' کیونکہ میں آپ کو خود سے الگ نہیں سمجھتا' مجھے اس خدا پہ یقین ہے کہ میرے وجود کا دوسرا حصہ آپ ہیں اور یہ کیسے ممکن ہے کہ وجود کا ایک حصہ کارآمد اور دوسرا ناکارہ...... نہیں جب مجھ پہ یقین ہے تو خدا پہ بھی اتنا ہی یقین رکھیں"۔ مگر وہ سر جھکا کے خاموش بیٹھی انگلیاں چٹخاتی رہی۔

"مجھے آپ کے ماضی سے کوئی غرض نہیں کہ آپ کیا تھیں' مجھے اس صنعا سے محبت ہے' میرا مقصد آپ کو حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ خوش دیکھنا ہے' اگر آپ کو میرا ساتھ قبول نہیں تو نو پرابلم...... محبت سے پہلے عزت اور مان کو میں ترجیح دیتا ہوں' بس میرا دل کرتا ہے صنعا کہ اداسی آپ کے چہرے پر کبھی نہ رہے بلکہ ہر پل ہر لمحہ وہ خوشی آپ کو دوں جو ہمہ وقت اک خوبصورت مسکان بن کر آپ کے لبوں پہ کلیاں کھلاتی رہے"۔ محبت اپنائیت بھرے انداز میں کہتے ہوئے عسیرم علی نے صنعا کے دل پر محبت کی پھوار برسا دی' اس کے دل میں سکون اترا مگر وہ ابھی تک کشمکش و پیچ میں تھی۔

صنعا کے پاس الفاظ ختم ہو گئے' عسیرم علی کے کہے لفظ اس کو از سر نو تازگی حیات لگے مگر وہیں اسے خود پہ بے تحاشا غصہ بھی آیا جو اسے آزما رہی تھی' اس کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا' آنسو اس کی پلکوں کی باڑ پھلانگ کر صبیح مژگانوں پہ لڑھک آئے۔ عسیرم علی نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور خاموش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کولڈ ڈرنک اس کی جانب بڑھائی جو کہ ابھی ویٹر دے کر گیا تھا۔ صنعا نے بھی کولڈ ڈرنک تھام لی اور گھونٹ گھونٹ پینے لگی مگر عسیرم علی کو دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے سامنے فٹبال کھیلتے بچوں کو دیکھنے لگی۔ پارک میں آج کچھ ہلچل تھی کیونکہ موسم کچھ ابر آلود تھا' دن کے دو بجے شام 5 بجے کا گمان ہو رہا تھا پھر وہ ریلیکس ہو کے عسیرم علی کو دیکھنے لگی جس کی بڑی بڑی روشن آنکھیں اسے پہلے دن ہی اپنی اپنی سی لگیں تھیں پھر رفتہ رفتہ اس کا کیئرنگ انداز' نرم محبتوں سے گندھا لہجہ اسے بہت منفرد بناتا' وہ بھی اسے دل میں ایک خاص جگہ تو دے چکی تھی مگر خود سے بھی اقرار کرتے ہوئے کتراتی تھی کہ کہیں وہ بھی اسے چھوڑ کر نہ چلا جائے۔ اک ڈر تھا جو کنڈلی مارے بیٹھا تھا اب بھی وہ اس کے سامنے آس نراس کی کیفیت میں اس کے جواب کا سراپا انتظار بنے بیٹھا تھا' بس یہیں صنعا کے دل نے ایک بے ایمانی کی اور اس سے مشورہ کیے بنا زبان تک اپنے الفاظ پہنچا دیئے۔

"مجھے آپ کا ساتھ منظور ہے مگر مجھے بابا جانی سے ملنا ہے اور یہ میری شدید خواہش ہے کہ وہ مجھے اپنی دعاؤں تلے رخصت کریں' مما جانی نے انہیں بتایا آپ کے متعلق' وہ بھی خوش ہیں مگر میں ان کے بغیر......" اتنا کہتے ہی وہ اپنے آنسو پینے لگی اور ہونٹ بے بسی سے کچلنے لگی۔ عسیرم علی کو بے پایاں خوشی کا احساس ملا' وہیں صنعا کی کیفیت نوٹ کرتے ہوئے اس کے ہاتھ کو تھپتھپایا' وہ جبراً مسکرا دی۔

☆

کنزہ اور محسن کی ایک ہی اولاد تھی جنید جو کہ ان کی خوشیوں کا محور تھی' وہ بچپن سے بہت ذہین تھا۔ محسن کا اپنے بیٹے سے بہت پیار تھا مگر نائنتھ میں نجانے کیسے اس کی سنگت فراز اور رضوان جیسے لڑکوں سے بڑھ گئی' بس پھر ان کے ساتھ ایڈونچر کے چکر میں پڑ کے چھوٹی موٹی چوری کرنا' لڑکیوں کو تنگ کرنا اس کا معمول بن گیا۔ ماں باپ کو بھی پرنسپل کی طرف سے کافی مرتبہ شکایت آئی' انہوں نے اپنے طور پر اسے سمجھایا مگر وہ ایک کان سے سن کے دوسرے سے نکال دیتا۔ محسن ایک کمپنی میں ایم ڈی تھے' کچھ گاؤں کی زمین بھی تھی تو خاصا خوشحال گھرانہ تھا ان کا' اسی لئے پیسہ جنید کا مسئلہ نہیں تھا' ایک دن وہ فراز لوگوں کے ہمراہ اس جگہ آ گیا جہاں راتیں جاگتی ہیں۔ پتہ نہیں ماں کی دعائیں تھیں جو اس کا دل وہاں نہیں لگا' وہ وہاں سے آ گیا مگر وہ دونوں وہیں رہے۔ جنید رات دو بجے گھر میں داخل ہوا

تو گاڑی کو لاک کرتے ہوئے اسے محسوس ہوا کہ گاڑی میں کوئی ہے' اس نے گاڑی کی لائٹ جلا کر چیک کیا تو واقعی وہاں ایک سترہ سالہ لڑکی سہمی ہوئی ہرنی کی طرح سیٹ پہ دبکی نظر آئی' اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا تو وہ ڈرتے ڈرتے باہر آئی۔

''کون ہو' میری گاڑی میں کیسے آئیں؟'' جنید نے بغور اسے سر سے پیر تک دیکھا مگر وہ کہیں سے بھی مشکوک نہ لگی' اسے پھر ہچکچاتے ہوئے اس نے بتانا شروع کیا۔

''مم...... میرا...... نام...... صنعا ہے اور میں دارالامان میں رہتی ہوں' مجھے نہیں معلوم میرے والدین کون ہیں' ہیں بھی یا میں کسی گناہ کا نتیجہ ہوں' وہاں میں نے محسوس کیا کچھ لوگ مجھے فوکس کیے ہوئے ہیں مگر میں نے دھیان نہ دیا اور یہ ہی بے دھیانی مجھے لے ڈوبی' میں آج اپنی کچھ شاپنگ کر رہی تھی جب وہ لوگ مجھے کڈنیپ کر کے اس جگہ لے گئے مگر میرے نصیب اچھے کہ دروازہ کھلا رہ گیا اور میں آپ کی گاڑی میں آ بیٹھی' پلیز میری ہیلپ کریں' میں فرسٹ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہوں اور بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی ہوں''۔ وہ روتے ہوئے مدد طلب نظروں سے جنید کو دیکھنے لگی' وہیں کنزہ بیگم جو گیٹ کھلنے کی آواز پر باہر آئیں تھیں صنعا کی باتیں سن کر ان کا دل پسیج گیا' وہ اسے اندر لے آئیں پھر محسن سے مشورہ کر کے انہوں نے اس کا نکاح جنید سے کروا دیا کہ ایک طرح سے یتیم بچی کو آسرا ملے گا وہیں جنید پہ ذمے داری پڑے گی تو سدھر جائے گا۔

☆

صنعا اس گردشِ دوراں میں الجھ کر رہ گئی' اس کی نظر میں جنید اس کا محسن تھا۔ وہ کنزہ اور محسن کی دل سے عزت کرتی تھی' ان کا بے حد خیال رکھتی' وہیں وہ بھی اس پیاری صورت اور نیک سیرت بچی سے بہت خوش تھے۔ کنزہ کے ساتھ بازار سے آتے ہوئے صنعا کو فراز اور رضوان نے دیکھ لیا۔ صنعا چھپاک سے اندر گھس کے گیٹ بند کر گئی اور کانپنے لگی' کنزہ نے استفسار کیا تو اس نے بتایا کہ وہی دونوں لڑکے اسے نظر آئے جو اسے ریڈ لائٹ ایریا لے کر گئے تھے۔ مما جانی نے اسے تسلی دی اور پھر اسے سلا دیا تا کہ ذہن فریش ہو جائے۔ رات کو جنید نے اسے کہا کہ چائے ڈرائنگ روم میں لے کر آئے' وہ چائے بنا کے جیسے ہی روم میں آئی اس کے قدم زمین نے جکڑ لیے۔ سامنے ہی صوفے پر براجمان چہرے پر خباثت اور آنکھوں میں چمک لئے رضوان اور فراز اسے دیکھ رہے تھے' وہ بھاگنے لگی تو فراز نے اسے ایک جست میں جا لیا' وہ اس کے حصار میں کسمسا کر رہ گئی' جنید اس وقت روم میں نہیں تھا' وہ زور سے چلائی ''بابا جانی'' اس کی چیخ سن کر جنید اندر آیا۔

''یہ کیا بکواس ہے کیوں شور مچا رہی ہو''۔ وہ نشے میں دھت اس پر برس پڑا' وہ زور زور سے رونے لگی۔

''پلیز جنید! مجھے بچا لیں''۔ فراز اس پر جھکا ہی تھا جب جنید نے ایک زوردار مکا اس کی گردن پر رسید کیا' فراز نے طیش کے عالم میں پسٹل نکالی اور جنید پر دو اکٹھے فائر کھول دیئے' اس وقت وہ تینوں نشے میں دنیا و مافیہا سے بے خبر تھے۔ صنعا نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے خون میں لت پت جنید کو دیکھا' رضوان اب صنعا کی سمت بڑھا مگر وہ بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ بابا جانی شور کی آواز سن کر ڈرائنگ روم میں آئے تو صنعا بنا دوپٹے کے ساکت سی کھڑی تھی۔ قریب ہی جنید بے حس و حرکت' بابا کی آنکھوں میں خون اتر آیا' انہوں نے آناً فاناً فراز کے ہاتھ سے پستول چھین کر رضوان پر فائر کیا اور صنعا کو اپنی طرف کھینچا' کنزہ بیگم جنید کو یوں دیکھ کر چکرا گئیں اور کچھ دیر بعد پولیس آئی' فراز تو فرار ہو گیا تھا' رضوان بہت زخمی حالت میں تھا' بابا جانی نے خاموشی سے اپنا آپ پولیس کی تحویل میں دے دیا' کچھ دیر بعد رضوان بھی زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے

چل بسا۔ جب مما جانی کی آنکھ کھلی تو ان کا سب کچھ لٹ چکا تھا...... مگر انہوں نے عام عورتوں کی طرح صنعا کو کوسنے کے بجائے سینے سے لگا لیا اور جنید کی موت کو خدا کی رضا جانا' وہ بھی دل سے ان کی دلجوئی کرتی' خدمت کرتی' وہ خود کو ان کا مجرم سمجھتی تھی تو مما جانی نے اسے ڈانٹ دیا۔

''غلط بات ہے بیٹا! اس پاک ذات نے یہ سب ازل سے اوپر طے کر رکھا تھا کیونکہ یہ اسی طرح ہونا تھا اگر بیٹا خدا نے لے لیا تو کیا ہوا' ہمیں اپنی رحمت سے بھی نوازا ہے اس نے تمہاری صورت...... اور کیا پتہ جنید مزید زندہ رہ کر اور کتنے گناہ کرتا۔ تو بیٹا جانی! خدا جو بھی کرتا ہے ٹھیک کرتا ہے' اسی میں مصلحت ہوتی ہے مگر ہم نادان سمجھتے نہیں بلکہ اسی سے جھگڑتے ہیں جس نے ہمیں بنایا اور جس کے پاس ہم سب نے واپس جانا ہے' جو ہمیں خوشیاں بھی دیتا ہے غم کے بعد...... لہٰذا آپ خود کو موردِ الزام مت ٹھہراؤ' ہاں بس دعا کرو...... بابا جانی آپ کے جلد آ جائیں''۔ پھر انہوں نے بابا کے کہنے پر وہ گھر چھوڑ کر ڈیفنس میں بنگلہ لے لیا تھا۔ اس کے بہت رشتے آتے مگر باپ کا سن کر اور شادی کا سن کر کبھی پلٹ کر نہ آئے۔ ابھی تو کنزہ بیگم سب کو یہی کہتیں کہ میری بھتیجی ہے مگر عیسیرم علی کے گھر والوں کو انہوں نے صرف اس کی شادی کا بتایا تھا' ہاں عیسیرم علی کو انہوں نے پوری بات سے باخبر رکھنا ضروری سمجھا جس پر عیسیرم علی کو کوئی اعتراض نہ تھا تو مما جانی شانت سی ہو گئیں۔

☆

''صنعا...... صنعا...... دیکھو بیٹا! کون آیا ہے''۔ مما جانی خوشی سے بے قابو ہوتے لہجے میں نیچے سے بولیں تو صنعا ٹھٹک کر رحمت بوا کو دیکھنے لگیں جو اس کے ساتھ الگنی پر کپڑے پھیلا رہی تھیں' پھر کپڑے وہیں چھوڑ کے وہ بھاگی اور آخری سیڑھی پر وہ بھی خوشی سے گنگ ہو گئی' سامنے کھڑی ہستی کو اس نے پورے تین سال بعد دیکھا تھا۔

''بابا...... بابا جانی! میرے بابا جانی آ گئے''۔ وہ دوڑتی ہوئی ان کے سینے سے لگی بے ربط سا بولنے لگی' بار بار ان کے ہاتھ چومتی آنکھوں سے لگاتی اور بابا بھی اس کے بالوں پر پیار کرتے رونے لگے۔

''پگلی اب بس چپ کرو اور جاؤ جلدی سے میرے لئے چائے بنا کر لاؤ''۔ انہوں نے اس کے آنسو اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے ہوئے کچن میں بھیجا اور خود ڈرائنگ روم میں SP جہانزیب اور عیسیرم کے پاس آ گئے' ایس پی جہانزیب' عیسیرم علی کا بہت گہرا دوست تھا پھر ان دونوں کی کوششوں سے محسن گیلانی آج اپنے گھر والوں کے درمیان تھے۔

☆

رات ڈنر پر بابا جانی نے اسے بتایا کہ عیسیرم علی کی کوششوں کا نتیجہ ہے' وہ عیسیرم علی کی بہت تعریفیں کر رہے تھے' ساتھ ہی آنکھوں میں نمی لئے صنعا کو ڈھیروں دعائیں بھی دے رہے تھے۔

''بابا جانی! آپ مما جانی کو سمجھائیں کہ مجھے ابھی پڑھنا ہے اور آپ کی خدمت بھی کرنا ہے' شادی وادی اتنی جلدی میں نہیں کرنے والی ہاں......'' بابا جانی کے گلے میں بازو ڈالتے اس نے فرمائش اور قدرے مان بھرے انداز میں کہا تو وہ مسکرانے لگے۔

''ارے بابا...... تم کون سا سات سمندر پار جا رہی ہو جو ان کی خدمت نہیں کر سکو گی' یہ ایک قدم کے فاصلے پر تمہارا سسرال ہے اور ویسے بھی اب بابا جانی کی ایک نہیں چار بیٹیاں ہیں سو تم آرام سے پیا دیس سدھارو' ان کی خدمت اور خیال رکھنے کیلئے ہم تینوں کافی ہیں' اوکے''۔ عدینہ' انیسہ بھابی' عنید بھائی' کرن بیگم' ماہم اور بچے بھی ڈنر کے بعد مٹھائی لئے آ گئے۔ آتے ہی عدینہ کی زبردست تقریر سے سوائے صنعا کے سب متاثر ہوئے اور اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگے مگر وہ ہنوز عدینہ کو گھور رہی تھی۔

"بس محسن بھائی! اب یہ میرے گھر کو رونق بخشے گی' آپ بسم اللہ کر کے مجھے منگنی کی کوئی قریبی ڈیٹ بتا دیں"۔ کرن بیگم کے کہنے پر انہوں نے اگلے مہینے کی چھ تاریخ دے دی' بس پھر جو لڑکیوں نے دھما چوکڑی مچائی' زین اور حفصہ بھی ان کے ساتھ ہر شرارت میں شامل تھے۔

"چلو بھئی چائے کہاں ہے؟ وہ لاؤ"۔ محسن انکل نے خوشدلی سے سب کو مخاطب کیا تو صنعا انہیں انگوٹھا دکھاتی یہ کہہ کر رفو چکر ہو گئی کہ میں "اب مہمان ہوں" اور وہ تینوں اس کی طوطا چشمی پر دانت کچکچا کر رہ گئیں۔



وہ جو اسی وقت ٹیرس پہ آنے کو پَر تول رہی تھی بالآخر آنکھ بچا کے وہاں سے کھسک آئی اور وہ تینوں کچن میں گھسی چائے سے نبرد آزما ہو رہی تھیں۔ اس کی توقع کے عین مطابق عسیرم علی اپنی شاندار سی پر سنیلیٹی کے ہمراہ گرل کو تھامے سامنے درخت پر بیٹھے کبوتر کو دیکھ رہا تھا جو کہ اپنے آشیانے تک نہ پہنچ سکا۔

"بہت بہت شکریہ...... میں کس طرح سے شکریہ ادا کروں آپ کا...... مجھے اتنی خوشی ہے کہ بیان کرنا ناممکن ہے"۔ کھنکتے الفاظ اور بھیگتے لہجے میں وہ خوشی سے تمتماتا چہرہ لیے اس کے سامنے تھی اور یہ ہی خوشی عسیرم علی اسے دینا چاہتا تھا کہ جس خوشی سے اس کا پورا چہرہ اور اس کا ایک ایک نقش کھل اٹھے' وہ مسکراتا ہوا پلٹ گیا۔ صنعا نے الجھن بھری نظروں سے اس جگہ کو دیکھا جہاں کچھ لمحہ قبل عسیرم علی ایستادہ تھا۔

"ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا کہ عسیرم مجھے جواب دیئے بنا پلٹ جائیں' امپوسیبل"۔ صنعا نے خود کلامی کے انداز میں سر نفی میں ہلایا۔

"تھینکس گاڈ...... آپ کو اتنا یقین تو آیا کہ میں ایسا کچھ نہیں کر سکتا' اٹس مائی پلیور میم!" اپنے دائیں کندھے کے بے حد قریب سے اسے عسیرم علی کی بھاری اور محبت سے سرشار آواز سنائی دی۔ وہ اچھل پڑی جیسے ہی پلٹی وہ ایک قدم مزید آگے بڑھا تھا' نیتجتاً وہ اس سے ٹکرا کر لڑکھڑا گئی مگر وہ چوکنا ہو کے کھڑا تھا سو فوراً اسے تھام لیا۔

"آپ یہاں کیسے؟ ابھی تو وہاں تھے"۔ صنعا نے اچنبھے سے سوال کیا تو عسیرم علی نے چھت کی سمت اشارہ کیا۔

"ہاہاہا...... یو چیٹر! اگر بابا جانی کو پتہ چل جائے کہ ان کا داماد چھتیں پھلانگ کر چوروں کی طرح گھر میں داخل ہوا ہے کتنا بُرا لگے گا انہیں' وہ آپ کی تعریفوں میں رطب للسان ہیں"۔ صنعا نے ایک چھوٹا سا قہقہہ لگا کے اس کے چوڑے شانے پر مکا رسید کیا۔

"خیر داماد کی چھوڑو وہ کروڑوں میں ایک ہے' اصل میں' میں آپ کی پرابلم حل کرنے آیا ہوں ابھی چلا جاؤں گا"۔ عسیرم علی نے کالر سیدھا کرتے ہوئے متبسم لہجے میں کہا۔

"پرابلم کون سی......؟" صنعا نے حیرانگی سے آنکھیں پھیلا کر پوچھا۔

"وہ ابھی آپ نے کہا ناں کہ...... کس طرح شکریہ ادا کروں"۔ عسیرم علی نے کس پہ قدرے زور دیا' وہ سر ہلانے لگی۔

"تو سمپل سا طریقہ ہے کہ آپ آج اپنی محبت اور تھینکس کا اظہار چاہت کے اظہار سے کریں"۔ عسیرم علی نے معنی خیزی سے کہا تو وہ سرخ پڑ گئی۔

"جی نہیں تو سوری نو تھینکس' او کے"۔ خود کو پُر اعتماد ظاہر کرتے ہوئے صنعا نے اسے منہ چڑایا تو سامنے بیٹھا کبوتر ان کے قریب سے گزرتے ہوئے کچھ پھول ان پر نچھاور کر گیا' جنہیں زمین سے اٹھاتے ہوئے صنعا کہنے لگی۔

"محبت کا گوہر لے کر پنچھی آیا ہے"۔ اور سیڑھیوں کی طرف بھاگی' عسیرم علی اس کی چالاکی پر مسکرا کر بقیہ پھول چننے لگا کہ یہ محبت کا گوہر وہ خود صنعا کو پہنچائے گا۔



شازیہ مصطفیٰ عمران

سلسلے وار ناول

کبھی عشق ہو تو پتہ چلے

"کچھ کام کر رہے تھے تم دونوں"۔

"بحث کر رہے تھے ہم دونوں، تم جانتی ہو حمدان کو کیسے مزاج کا ہے"۔ اریشماء کو تو اس کی سرد مہری اور ہی دکھ دینے لگی۔

"بات تو میری ہوئی نہیں ہے"۔ وہ جوس کے سپ لینے لگی۔ اسی وقت تیمور دروازہ دھڑ سے کھولتا ہوا چلا آیا' اریشماء کے ماتھے پر ناگواری کی لکیریں نمودار ہوگئیں' پہلے ہی اس کا دماغ ٹھکانے پر نہیں تھا اس پر یہ بھی موجود تھا۔

"اوہ....." وہ زویا کو دیکھ کر پزل ہو گیا۔ زویا نے فہمائشی نگاہوں سے دیکھا' پہلو بدل کے ناگواری کا اظہار کیا' اسے تو وہ بھی جانتی تھی۔

"اریشماء! تم نے اپنے آفس میں آنے والے لوگوں کو مینرز نہیں سکھائے' روم میں ناک کر کے آیا کرتے ہیں"۔ زویا نے ناگواری سے طنز کیا۔ اریشماء تو اندر ہی اندر گرم گرم گھونٹ اتار رہی تھی۔

"سوری"۔ وہ شرمندہ ہوا اور پلٹ گیا مگر زویا نے اچھی طرح اس کی تذلیل ہی کر دی تھی۔

"اسے دیکھ کر مجھے بہت خار آتی ہے زویا یہ شخص جب تک ہے مجھے غصہ آتا رہتا ہے"۔

"منہ توڑ جواب دیا کر' تیرا آفس ہے یہ کیوں یہاں آتا جاتا ہے"۔ وہ بھی غصہ کا اظہار کرنے لگی۔

"میری زبان ڈیڈی کی وجہ سے بند ہے ورنہ طبیعت صاف کرنا مجھے بھی آتی ہے"۔ وہ بتانے لگی۔

"اب دیکھ یہ آفس میں آ تو گیا ہے' حمدان سے الجھنے کا موقع ڈھونڈے گا' میں دیکھ کر آتی ہوں"۔

"رک میں بھی چلتی ہوں' ریحان آنے ہی والے ہیں"۔ وہ اپنا پنک آنچل سنبھال کے اٹھی۔

"آہستہ چل اور ہاں اب یہاں آفس آنے کی ضرورت نہیں ہے' گھر آنا"۔ دونوں ساتھ ساتھ ہال کی سمت بڑھنے لگیں جہاں کا وزٹ حمدان کر رہا تھا' ہر شخص کو وہ ضرور چیک کرتا تھا کس طرح اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔

"حمدان! آپ روم میں جایئے اپنا کام کریں"۔ اریشماء نے دھیمے لہجے میں اسے مخاطب کیا جو کسی ایمپلائی کی ٹیبل پر جھکا کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ سر اٹھا کر سیدھا ہوا' زویا کو ڈیشنگ سا حمدان بہت پسند آیا تھا۔

"آپ جا رہی ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"میں نیچے ہوں کچھ دیر میں آتی ہوں"۔ وہ سمجھ گئی اسے تیمور کی موجودگی گراں گزر رہی ہے۔

"تم کیا ادھر ہو ابھی تک' اپنے روم میں جاؤ"۔ تیمور شاید اسی کی تلاش میں ادھر آیا تھا۔ حمدان نے آنکھوں سے ناگواری کا احساس دلایا اور آگے بڑھ گیا۔ اریشماء اس وقت تیمور کے منہ لگنا نہیں چاہتی تھی۔

"تم اتنا حمدان کو سر پر کیوں چڑھا رہی ہو؟"

"اریشماء آفس تیرا ہے یا ان کا؟" زویا کو تو اس کا انداز ہی زہر لگ رہا تھا۔

"دیکھئے محترمہ! میں آپ سے مخاطب نہیں ہو رہا ہوں"۔

"میں آپ سے مخاطب ہوئی بھی نہیں ہوں' اریشماء سے بول رہی ہوں"۔ ترکی بہ ترکی جواب آیا۔

"کبھی روم میں بغیر ناک کیے آجاتے ہیں بلاوجہ کا اعتراض"۔

"زویا! چلو"۔ اریشماء کو ڈر ہوا بات نہ بڑھ جائے۔

"تیمور! تم ڈیڈی کے روم میں بیٹھو جب تک"۔ وہ اسے ہدایت دے کر لفٹ کی سمت بڑھ گئی' اسے تسلی ہو گئی تھی حمدان اپنے روم میں چلا گیا تھا۔

"فضول میں اس کے منہ مت لگو' بہت ال مینرڈ شخص ہے"۔

"تو ڈرتی رہ' میں نہیں ڈرتی"۔ دونوں پارکنگ ایریا میں آ گئی تھیں' اتنے میں ریحان بھی آ گیا۔ کچھ منٹ اس سے باتوں میں بھی لگ گئے' پھر وقت کا احساس ہوا تو فوراً آفس کا رخ کیا کیونکہ تیمور اور حمدان میں دوبارہ کوئی بات نہیں ہو گئی ہو' ویسے ہی اریشماء سے سب ڈیلیٹ ہو گیا تھا' پتہ نہیں حمدان کہاں سے سرچ کر کے لے رہا ہو گا مگر وہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہی تھی' دل بہت دکھ گیا تھا۔

☆

وہ تیز تیز چل رہی تھی جبکہ اس کی کیب تعاقب میں ساتھ ساتھ تھی' لیل ماہ نے اپنی چال کو کچھ اور تیز کر دیا مگر سڑک پر آ کر اسے رکنا پڑا' اب تو اسے گلی کا بھی ڈر نہیں تھا' سوچا اس کی طبیعت ہی صاف کر دے۔

"آخر آپ کے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟" شاکنگ پنک پرنٹڈ کپڑوں میں اس کا سادہ سراپا غصہ کی وجہ سے تمتما رہا تھا۔

"مجھ سے کچھ کہا؟" شہران انجان بن کے گاڑی سے باہر آیا۔

"جی آپ سے ہی کہا ہے' کیوں آپ پیچھے پیچھے ہیں؟"

"محترمہ! یا تو آپ کا دماغ خراب ہے یا پھر خوش فہمی ہے کہ میں آپ کے پیچھے پیچھے چل رہا ہوں' میری گاڑی کے ٹائر کی کچھ ہوا کم ہے وہ چیک کر رہا تھا کون سا ٹائر ہے"۔ وہ تو ہنسا گیا۔ لیل ماہ جز بز سی ہو کر لب بھینچ کے پیچھے ہو گئی۔

"زیادہ چالاکی مت دکھائیں"۔ وہ پھر بھی اسے سنانے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔

"میں چالاکی....." وہ ہنسا۔

"مجھے چالاکی دکھانے کی کیا ضرورت ہے' ہر کام ہر بات ڈنکے کی چوٹ پر کرتا ہوں' اگر مجھے آپ کا پیچھا کرنا ہوا بھی تو ڈائریکٹ آپ کے گھر پہنچوں گا"۔ انداز اتنا نڈر اور پراعتماد تھا کہ لیل ماہ وحشت زدہ ہی رہ گئی۔

"ساری حرکتیں بدمعاشوں والی ہیں"۔ دانت پیس کے بڑبڑائی۔

"میں نے سنا نہیں کیا بکواس کی ہے آپ نے"۔ وہ بھی تیز لہجے میں آ گیا۔

"اونہہ..... پتہ نہیں کہاں سے آ جاتے ہیں"۔ وہ آگے بڑھنے لگی۔ لائبہ نے تو چھٹی کر لی تھی اسے مجبوراً جانا پڑ رہا تھا' وہ تو بس یہاں سے ہی مل جاتی تھی ورنہ اسے اور خواری ہوتی۔

"جہاں سے تم آئی ہو وہیں سے آیا ہوں"۔ تاک کے ذومعنی جملہ طنز میں ڈبو کے اچھالا۔

"بندے کی شکل اچھی نہ ہو تو بات تو اچھی کرے"۔ وہ دل ہی دل میں اسے سنائے جا رہی تھی۔

"لگتا ہے کسی دن تفصیلی ملاقات کرنی پڑے گی آپ سے"۔

"اپنی شکل دیکھی ہے"۔ وہ غرائی۔ مسٹرڈ پینٹ پر ڈیپ میرون شرٹ میں ہلکی بڑھی شیو میں وہ سوبر لگ رہا تھا۔

"شکل تو روز دیکھتا ہوں البتہ ساری زندگی تمہیں دیکھنی پڑے گی"۔ رعونت اور دھونس سے گویا ہوا۔ لیل ماہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔ شہران کی آنکھوں سے شرارے سے نکل رہے تھے' وہ سہم سی گئی' آگے اسٹاپ پر جا کر کھڑی ہو گئی' اگر گلی سے کسی جاننے والے نے دونوں کو ساتھ دیکھ لیا تو باتیں الگ بنائیں گے۔

"کل تمہارے گھر میں سنا ہے کوئی رشتے والے آئے تھے"۔ شہران بالکل نڈر انداز میں اس کے مقابل آ کے مخاطب ہوا۔ وہ تو متوحش زدہ ہی رہ گئی اسے کیسے پتہ اور کیوں اس سے پوچھ رہا تھا۔

''تم ہوتے کون ہو پوچھنے والے''۔

''دیکھو میں جو ہوتا ہوں تم اچھی طرح جانتی ہو' تمہارے والد محترم تم بہنوں کا کہیں بھی رشتہ طے کر دیں' میں ہونے نہیں دوں گا''۔ وہ تو جیسے ٹھان کے بیٹھا تھا ان کے گھر کا چین وسکون غارت کر کے چھوڑے گا۔

''میں تم جیسوں کا منہ توڑ دیا کرتی ہوں''۔ لیل ماہ کی تو آنکھیں اور لہجہ خونخوار ہو گیا۔ اسے شہران کا چہرہ اتنا برا لگ رہا تھا کہ وہ دانت پیسنے لگی۔

''آواز کو دبا کے بات کرو' میرا تو کچھ نہیں تمہارا کچھ چلا جائے گا''۔ اتنی گہری معنی خیز بات وہ جتانے لگا۔ لیل ماہ پہلو بدل کے اطراف میں موجود لوگوں کو دیکھ کر جز بزسی ہو گئی' اسی وقت بس اسٹاپ پر آ کر رکی تھی وہ آگے بڑھ گئی۔

شہران بھی اپنی ییلو کیب میں آ کر بیٹھ گیا مگر ذہن اس کا الجھ گیا تھا' کل ہی تو اس نے بسمہ کو کہتے سنا تھا لیل ماہ کی بڑی بہن کے سسرال والے آئے تھے' وہ بتا شیبا کو رہی تھی وہ لاؤنج میں بیٹھا تھا اس کے کان کھڑے ہو گئے تھے اور اس وقت سے منصوبے بنا رہا تھا کیا کرنا ہے کیونکہ شادی تو وہ اپنے بھائی سے ہی کروا کے رہے گا۔

اسے تو یہ بھی بعد میں پتہ چلا کہ جن سواریوں کو وہ لے کے آیا تھا وہ اسد مرزا کے گھر ہی تو آئی تھیں' اس کا مطلب تھا وہی لوگ حرما کے سسرال والے تھے۔

پورا دن وہ مصروف رہا تھا' شام میں گھر کی سمت روانہ ہوا تھا' آج تھکن سے اس کا برا حال تھا' اس کی کیب خوب چل رہی تھی۔ اب تو حمیرا بیگم کے ہاتھ پر بھی وہ پیسے رکھنے لگا تھا۔ پھر کچھ گھر کا خرچہ اوپر کا پورشن کرائے پر دیا تھا اس سے چل رہا تھا۔

''لو آ گیا تمہارا لاڈلا پوت''۔ محمد احمد نے دیکھ کر طنز میں ہانک لگائی۔ شہران کی تیوری پر بل پڑ گئے' وہ ان سے الجھنا نہیں چاہ رہا تھا مگر وہ بات ہی اسے آگ لگانے والی کرتے تھے۔

''کبھی چپ بھی رہا کریں' کیا ہر وقت تمہیں بھی عادت ہے بولنے کی''۔ حمیرا نے بیٹے کے ماتھے پر پڑتے بل دیکھ لیے تھے۔

''ارے یہ تمہارا لاڈلا چپ کب رہتا ہے''۔

''امی! پھر اگر میری زبان کھل گئی تو خوامخواہ بات بڑھے گی' جب میں ان سے مخاطب نہیں ہوں تو کیوں جل جل کے منہ مارتے ہیں''۔ وہ تو بدلحاظی میں پورا تھا۔

''زبان دیکھو اس کی کیا کیا بولتا ہے''۔ محمد احمد کو پھر اس کا بولنا ناگوار گزرا۔

''ابھی میں نے کچھ بولا نہیں ہے اگر بولوں گا تو آگ لگ جائے گی' کرتوت خود کے ٹھیک نہیں ہیں سننے کو ہمیں ملتی ہیں''۔

''شہران! فضول بکواس شروع کر دی''۔ ذیشان یونیورسٹی سے آنے کے بعد عموماً گھر میں ہی ہوتا تھا' رات میں وہ کوچنگ پڑھاتا تھا۔

''بھائی! آپ انہیں بھی کبھی ملاحظہ کیا کریں' میں چپ چاپ گھر میں آیا ہوں' بات انہوں نے نکالی ہے''۔ وہ ہاتھ نچا کے گویا ہوا۔

''ذرا کوئی عزت نہیں ہے میری ان اولادوں کی نظر میں''۔ محمد احمد دلگرفتہ سے ہونے لگے۔

''ابو! آپ تو کم از کم کچھ تو خیال سے بولا کریں''۔ ذیشان ان دونوں کو ہی سمجھاتا تھا۔

''بیٹا! میں خیال سے بولوں' یہ بولتا ہے دو کوڑی کی بھی عزت نہیں ہے اس کی نظر میں''۔

''اور ہماری آپ کی وجہ سے باہر ذرا بھی دو کوڑی کی عزت نہیں ہے''۔ شہران کو بھی غصہ آ گیا۔ حمیرا بیگم تاسف سے سر پکڑ کے رہ گئیں' دونوں باپ بیٹے کی یہی نوک جھونک ہوتی تھی۔

''کیا کرتا ہوں جو میری وجہ سے تیری عزت نہیں ہے''۔

''ابو! کیا کرتے ہیں آپ''۔ ذیشان نے انہیں شانوں سے پکڑ کے صوفے پر بٹھایا۔ شہران بھناتا ہوا اپنے کمرے کی سمت بڑھ گیا' وہ پہلے ہی اتنا الجھا ہوا تھا کہ آتے ہی محمد احمد نے اس پر حملہ کر دیا تھا۔ بیڈ پر دھڑ سے بیٹھا' بسمہ ڈرتے ڈرتے اندر آئی۔

''شہری بھائی! آ جاؤں؟''

''آں ہاں''۔ وہ چونک کر سر اٹھانے لگا۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں؟'' جھنجھلایا کھسیایا بےزار سا بیڈ پر نیم دراز ہو گیا۔

''کھانا کھائیں گے یا چائے پئیں گے''۔

''کچھ نہیں کھانا' چلی جاؤ یہاں سے''۔ دھاڑ کے بولا' وہ بےچاری سہم کے بیڈ سے نیچے اترنے لگی' کتنے شوق سے خوش ہو کر پوچھ رہی تھی۔

''ابو کا غصہ مجھ پر کیوں نکالتے ہیں''۔

''گڑیا! میرے سر میں درد ہے''۔ وہ لاجواب ہی ہو گیا۔

''روز سر کا درد آپ خود کرتے ہیں' اٹھ کر بیٹھیے میں کھانا لے کے آتی ہوں''۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کے اٹھانے لگی' شہران ویسے بھی اپنی اس چھوٹی بہن سے زیادہ دیر منہ بگاڑ کے بات نہیں کرتا تھا۔

''سیدھے بیٹھیے''۔ وہ حکم ہی دینے لگی۔ شہران سر ہلا کر رہ گیا' دن بھر ڈرائیونگ کی وجہ سے شانے اس کے شل ہو گئے تھے' اٹھا اور واش روم میں فریش ہونے چلا گیا۔



''امی! کب تک کا وہ بول رہے ہیں''۔ لیل ماہ نے امی سے پوچھا۔ اسے تو یہ فکر تھی کہ جلد از جلد عزت کے ساتھ حرما کی شادی ہو جائے۔

''ابھی تو انہوں نے کچھ بات ہی نہیں کی ہے' اتوار کو وہ لوگ حرما کی رسم کرنے آئیں گے''۔ امی نے اسے بتایا۔

''امی! جتنی جلدی ہو شادی ہو جائے''۔

''تمہیں حرما کی بڑی فکر ہو رہی ہے''۔ بھابی نے چونک کر حیرانگی سے سنا۔

''ظاہر ہے یہ چاہتی ہوں گی پھر میرا ابھی نمبر جلدی آئے گا''۔ زین نے شرارتی لہجے میں لقمہ دیا۔

''تم چپ کرو' اتنے بڑے نہیں ہو کہ بڑوں والی بات بولو''۔ بھابی نے اسے سرزنش کی' وہ کاندھے اچکانے لگا۔

''جب تک وہ خود سے شادی کا نہیں کہیں گے ہم کیسے بول سکتے ہیں کہ آپ لوگ جلدی کریں''۔ امی نے اسے سمجھایا۔

''اور ابھی تو صرف رسم کرنے کی بات کی ہے''۔ بھابی اور امی اور رک لہسن چھیل رہی تھیں' تینوں ہال کمرے میں تھیں۔

''پھر بھی بھابی! کچھ تو ذکر کیا ہو گا''۔ لیل ماہ تو مصر تھی کسی طرح بھی شادی کی تاریخ بھی رکھی جائے۔

''اتوار کو وہ لوگ آئیں گے پتہ چل جائے گا کب تک کا ارادہ ہے''۔

"ہوں"۔ وہ ہوں کر کے رہ گئی۔

حرما کو لیل ماہ کا پُر سوچ چہرہ بہت کچھ سمجھا رہا تھا' ضرور کوئی بات ہوگی جب ہی وہ اتنی جلدی مچا رہی ہے۔

"میرے ساتھ کل بازار چلنا' بچوں کے کپڑے تو لینے ہیں پھر کچھ ضرورت کا سامان بھی لینا ہے"۔ بھابی کو ایسے موقعوں پر اپنی اور بچوں کی تیاری خوب یاد رہتی تھی۔

"ہاں چلی جانا کچھ چیزیں مجھے بھی منگوانی ہیں' پلٹا وا تو کرنا ہوگا' لڑکے کے کپڑے تو چلو ارباز کہہ رہا ہے وہ لے آئے گا' تم لوگ نندوں کی چوڑیاں وغیرہ لے آؤ"۔ امی کو یاد آیا تو وہ بھی چیزیں گنوانے لگیں۔

لیل ماہ کچن میں چلی گئی تھی۔ آج تو لائبہ کی طرف بھی نہیں گئی تھی وہ حالانکہ یونیورسٹی بھی نہیں گئی تھی وجہ بھی پوچھے نہیں گئی تھی۔

"لیل ماہ! دیکھو بچی آئی ہے تمہیں پوچھنے"۔ امی کی آواز آئی' وہ آٹا گوندھنے کیلئے نکال چکی تھی۔

"کون بچی ہے' ضرور لائبہ نے بھیجا ہوگا"۔ وہ ہاتھ دھو کر کچن سے آئی۔ بسمہ گرین ٹراؤزر فراک میں اس کے سامنے کھڑی تھی' لیل ماہ نے ناگواری سے دیکھا۔

"لیل ماہ باجی! آپ پڑھانے کیوں نہیں آئیں؟" وہ پوچھنے لگی۔

"وہ میرا دل نہیں کرتا پڑھانے کو' میں لائبہ کو منع کر کے تو آئی تھی"۔

"مگر مجھے آپ سے ہی پڑھنا ہے"۔ وہ منہ بسورنے لگی۔

"لیل ماہ! یہ سامنے جو محمد احمد رہتے ہیں ان کی چھوٹی والی بیٹی ہے؟" بھابی نے سرگوشی میں پوچھا' وہ سر ہلا کر تائید کرنے لگی۔ لیل ماہ کو ڈر بھی محسوس ہوا کہ ابو نے اگر دیکھ لیا کہ یہ یہاں کیوں آ گئی۔

"بسمہ! میں آپ کو نہیں پڑھا سکتی"۔ لیل ماہ نے بے رخی دکھائی۔

"مجھے پتہ ہے لیل ماہ باجی! آپ مجھے اس لئے بھی نہیں پڑھانا چاہتی ہیں کہ ہمارے ابو نے دو شادیاں کی ہیں' آپ کے ابو ہمیں اچھا نہیں سمجھتے ہیں"۔ بسمہ نے ایسی بات کر کے انہیں سب کو حیرانگی کے ساتھ شرمندہ بھی کر دیا۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے"۔ بھابی کا منہ ابھی بھی حیرت سے کھلا ہوا تھا۔

"باجی! مجھے سب پتہ ہے میں جانتی بھی ہوں مگر آپ مجھے اس وجہ سے پڑھانے سے منع کر رہی ہیں"۔ وہ اتنی ذہین اور صاف گو معصوم سی تھی۔ لیل ماہ لب کچلنے لگی' شرمندگی نے آنکھ ملانے نہیں دیا۔ امی بھی خفیف سی ہو گئیں' بھابی کو تو بات پکڑنے کا موقع چاہیے۔

"میں کچھ نہیں جانتی' باجی مجھے آپ سے پڑھنا ہے آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں"۔

"لیل ماہ! لگتا ہے چند دن میں ہی تم نے تو اچھا خاصا اپنی محبت و توجہ کا ٹانک پلا دیا ہے"۔ بھابی طنز کرنے سے پیچھے نہیں رہ سکیں۔

"ایسی بات نہیں ہے' مجھے بس لیل ماہ باجی کا پڑھانے اور سمجھانے کا انداز اچھا لگتا ہے' لائبہ باجی ایسا نہیں پڑھاتی ہیں"۔ بسمہ نے فوراً ہی بھابی کی نفی کی۔

"میرا دل نہیں کرتا ہے پڑھانے کو"۔ لیل ماہ کی پوری کوشش تھی کسی طرح بھی وہ یہاں سے چلی جائے۔ بھابی کی تنقیدی اور استفہامیہ نگاہوں اور طنز سے اسے کوفت ہونے لگی تھی۔

"میں تو کچھ نہیں جانتی میں آپ سے پڑھوں گی"۔

"ارے واہ...... بڑی تیز بچی ہے محمد احمد صاحب کی"۔

لیل ماہ نے بسمہ کا ہاتھ پکڑا' امی سے کہا اور گھر سے باہر نکلی' برا ہوا' ٹکراؤ شہران سے ہو گیا۔ وہ حیرانگی سے بسمہ کا ہاتھ لیل ماہ کے ہاتھ میں دیکھ کر جھٹکا کھا کے رہ گیا' لیل ماہ نے جھٹ چھوڑ دیا' دوپٹہ پھیلا کے اوڑھا۔

"اف...... کیوں مل جاتا ہے"۔ وہ ناگواری سے بڑبڑائی۔

"بسمہ! تم ادھر؟"

"وہ بھائی میں باجی کو بلانے گئی تھی"۔

لیل ماہ لائبہ کے گھر میں جھپاک سے اندر غائب ہو گئی۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا پھر کیوں بسمہ کو ہمارے گھر بھیجا"۔ وہ تو لائبہ پر چڑھ دوڑی اور لائبہ ہونقوں کی طرح اس کے بگڑے ہوئے تیور دیکھنے لگی۔

"ارے میں نے منع کیا تھا خود گئی ہے"۔ وہ پریشان ہو گئی۔

"تمہیں پتہ ہے نا بھابی کو موقع ملنا چاہیے اور پھر جب میں نے کہہ دیا کہ نہیں پڑھاؤں گی تو سمجھاتیں اسے"۔

"لیل ماہ! میں بھی کیا کروں وہ مجھ سے پڑھنے سے منع کر رہی ہے"۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کے بٹھانے لگی' سارے ٹیوشن کے بچے دونوں کو بغور دیکھ رہے تھے۔

"ابھی وہ بدمعاش گلی میں مل گیا' بسمہ رک گئی"۔

"شہران بھائی......"

"شکر ہے سمجھ گئیں میں نے کسے بدمعاش کہا ہے"۔ طنز کرنے لگی۔

"لیل ماہ! اب تم اتنا بھی غصہ نہیں کرو' میں اسے سمجھا دوں گی"۔

"جلدی سمجھانا کیونکہ میں بھابی کی باتیں برداشت نہیں کر سکتی"۔ وہ جیسے آندھی طوفان کی طرح آئی تھی اسی طرح نکل کے جانے لگی۔ وہ گلی کے کونے پر اس کے گھر کے ساتھ ہی کیاری کے پاس کھڑا تھا' گرے پینٹ پر نیوی بلیو شرٹ میں اس کا اونچا لمبا سراپا خاصا متاثر کن تھا۔

"لوگوں کو شرم تو چھو کے نہیں گزری"۔ سلگتا ہوا لفظ داغ کے وہ اپنے مین گیٹ کے آگے کھڑی تھی۔ شہران نے اس کی بڑبڑاہٹ واضح طور پر سنی تھی' تیوری پر سلوٹیں پڑ گئیں' دو قدم آگے آیا۔

"تمہیں تو شرم ہے ناں پھر کسی دن چھو کے بھی دیکھ لوں گا"۔ اتنا بے باک جملہ' لیل ماہ تو گڑبڑائی بھی' اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔

"فضول اور واہیات لوگ"۔ گیٹ کھولا اور چلی گئی۔ شہران کی تلملاہٹیں کم نہیں ہو رہی تھیں' پھوں پھوں کرتا ہوا وہ آگے نکل گیا۔

لیل ماہ نے گیٹ کھول کے اسے جاتا ہوا دیکھا ورنہ وہ تو سمجھ رہی تھی کہیں دروازہ کھٹکھٹا کے اندر ہی نہ آ جائے' کیونکہ اس شخص سے سب بعید تھا۔

"سمجھتا کیا ہے خود کو' ڈرا ڈرا کے میری جان لے گا لچا لفنگا"۔ جتنی گالیاں دے سکتی تھی دے رہی تھی مگر یہ کیا وہ واپس آ رہا تھا' قدم بھی تیز تھے' نگاہوں نے دور ہی سے گھور لیا تھا' ضرور غصہ سوا نیزے پر تھا' جب ہی غبار نکالنے کا اسے موقع جو نہیں ملا تھا' وہ گیٹ بند کر ہی رہی تھی کہ اسد مرزا عصر کی نماز پڑھ کے آ رہے تھے' لیل ماہ فوراً ہی انہیں دیکھ کر اندر ہو گئی۔ شہران نے اسد مرزا کو دیکھا جو اس پر طنزیہ نگاہ ضرور ڈالتے تھے۔ گیٹ پر کھڑے ہو کر بیل بجانے لگا۔

"سنو میاں! تم آگے جا کر کھڑے ہوا کرو' ہمارے گھر کا سامنا ہوتا ہے"۔ وہ شہران کو ٹوک رہے تھے۔ لیل ماہ

نے اسی وقت گیٹ کھولا تھا۔

شہران نے لگتا تھا گرم گرم اندر اتارا تھا۔ اسد مرزا تو اندر چلے گئے تھے مگر اس کے غصے کو اور ہوا دے گئے تھے کیونکہ کچھ لمحوں پہلے لیل ماہ کی تضحیک وہ کب بھولا تھا' اس پر اسد مرزا نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔

☆

روحیل سکندر نے اسے اسلام آباد کے پروجیکٹ کے لئے گھر بلایا تھا۔ فوزیہ روحیل نے ڈنر پر خاصا اہتمام کیا تھا' اریشماء بھی کچن میں تھی ورنہ اس کو تو ٹائم ہی کم ملتا تھا کہ کوکنگ وغیرہ کرے۔

حمدان اور روحیل سکندر ہال کمرے میں بیٹھے گفتگو میں مصروف تھے۔ اریشماء ان دونوں کیلئے چائے بنانے کچن میں آئی تھی۔ بلیو جارجٹ کے پرنٹڈ کپڑوں میں شولڈر کٹ لیئر بالوں کی پونی ٹیل بنائے ٹرے سینٹرل ٹیبل پر رکھ رہی تھی حمدان نے اچٹتی نگاہ ڈالی۔

''حمدان! پہلے چائے پی لیتے ہیں پھر بات کرتے ہیں''۔ روحیل سکندر نے اپنی گفتگو کا سلسلہ موقوف کیا۔ حمدان گرے پینٹ پر ریڈش شرٹ میں سنجیدہ چہرے کے ساتھ بڑے صوفے پر براجمان تھا۔

''شکر کتنی لیں گے؟'' اریشماء آج پہلی بار اس کیلئے یوں چائے بنا کے لائی تھی۔

''ون اسپون''۔ نگاہ اس کی ابھی بھی فائل پر تھی۔ روحیل سکندر کے سیل کی بیپ ہوئی تو وہ اٹھ کر چلے گئے۔ اریشماء نے اس کے آگے چائے رکھی۔

''سنا نہیں ڈیڈی نے کہا ہے پہلے چائے پی لیں' یہ رکھئے''۔ اس نے فائل کی سمت اشارہ کیا۔

حمدان نے سر ہلا کے فائل اپنے پاس ہی صوفے پر رکھ لی' وہ بھی اس کے سامنے سنگل صوفے پر بیٹھ گئی۔

چائے کا سپ لیتے ہی حمدان کے ایکسپریشن کچھ عجیب سے ہو گئے' وہ چونک گئی۔

''لگتا ہے آپ کو چائے تک بنانے نہیں آتی''۔ وہ شرمندہ ہی کرنے لگا۔ اریشماء پزل سی ہو گئی' یہ بات سچ تھی کچن کے کاموں کو تو وہ ہاتھ کب لگاتی تھی' آفس گھر یا پھر سونا' اس طرح کبھی سوچا ہی نہیں' وہ تو آج خود ہی شوق ہوا تو چائے بنا کے لے آئی۔

''جی کیا بہت بری بنی ہے''۔ مہین سی آواز شرمندہ سی نکلی۔

''کبھی کچن میں بھی جھانکا کریں''۔ کپ اس نے ساسر پر رکھ دیا تھا' صاف گو تو وہ حد سے زیادہ تھا۔

''وہ فرصت ہی نہیں ملتی ہے''۔ اریشماء بڑی شرمندہ ہو رہی تھی۔

''فرصت نکالنے سے ملتی ہے''۔ حمدان اسے شرمندہ ہی کر رہا تھا۔

''کوشش کروں گی''۔ اسے تو یہ خوشی ہوئی حمدان نے کسی طرح تو اس کی ذات میں دلچسپی لی ورنہ وہ تو اس کے لئے کتنی پریشان تھی۔

''میں دوسری چائے بنوا کے لاتی ہوں''۔

''نو تھینکس''۔ اسے روک دیا۔ چائے سپ سپ کر کے اٹھا کر پی لی تھی' وہ پورا وقت اس کے ایکسپریشن لیتی رہی جیسے ہی کپ ساسر پر رکھا اریشماء کی نگاہ کپ کے اندر گئی چند گھونٹ چائے بچی ہوئی تھی۔

''حمدان! ادھر ڈرائنگ روم میں آ جاؤ''۔ روحیل سکندر نے اسے آواز دی' وہ چونک کر کھڑا ہو گیا۔ اریشماء گم صم سی کپ پر نگاہ ٹکا کے بیٹھی تھی حمدان چلا گیا تھا' وہ فوراً اس کی جگہ پر آ کر بیٹھی سوچا کہ چائے ٹیسٹ تو کرے سچ میں بہت بری بنی ہے' حمدان کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

حمدان جو فائل اٹھانے پلٹ کے آیا تو اسے دیکھ کر حیران رہ گیا' وہ اس کی بچی ہوئی جھوٹی چائے پی رہی تھی۔

''اتنی بری بھی نہیں بنی ہے' فضول میں مجھے ڈرا دیا''۔ خود سے بڑبڑائی۔ حمدان کو دیکھ کر اس کا سانس اوپر کا اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا' شرم سے سر جھک گیا کیونکہ چائے پیتے ہوئے اسے دیکھ جو لیا تھا۔

''آپ سچ میں لگتا ہے پاگل ہو گئی ہیں''۔ انداز فہمائشی تھا۔ فائل اٹھا کر وہ چلا گیا' اریشماء تو شرم سے گڑ کے رہ گئی۔

''اتنی تو سوچ سمجھ رکھئے' آپ جو کچھ کر رہی ہیں وہ ٹھیک بھی رہے گا یا نہیں''۔

''ضروری ہے جو آپ کی آنکھ نے دیکھا ہو اور ذہن نے جو سوچا وہی ہو' ہو سکتا ہے اس کی کوئی وجہ ہے جو یہ فعل سرزد ہوا''۔ یکدم ہی اس کا اعتماد بحال ہو گیا۔

''جب آنکھ سب کچھ دیکھ رہی ہو اور ذہن بھی وہی سوچ رہا ہو جو آپ کے سابقہ فعل تھے ان سے اندازہ تو لگا ہی لیا ہے''۔ حمدان کے لہجے میں طنز تھا۔ اریشماء نے بے زار سے انداز میں سانس بھری کیونکہ وہ بھی اس سے ہار ماننے کو قطعی تیار نہیں تھی۔

''کسی کا ساتھ مانگنا کیا گناہ ہے؟''

''میں اس وقت ایسی بحث میں الجھنا نہیں چاہتا''۔ اس کی بات سن کے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلا گیا۔

''یہ آیا کب؟ مجھے کیوں پتہ نہیں چلتا' ہر بار مجھے موقع واردات پر پکڑ لیتا ہے''۔ کھسیانی ہو گئی تھی۔

ڈنر جب لگا اس وقت وہ اپنے کمرے میں تھی' ممی نے کتنا بلایا ہر بار یہی کہا آ رہی ہوں۔ ڈیڈی نے بھی بلوایا مگر وہ نہیں آئی۔ حمدان سمجھ گیا تھا وہ اس کا سامنا کرتے ہوئے کترا رہی ہے' وہ کچھ مطمئن بھی ہو گیا' اب تو وہ کوئی بھی حرکت سوچ سمجھ کے کرے گی۔

''حمدان! چائے ہو جائے''۔

''نو سر! اب چلوں گا اور چائے کا موڈ نہیں' کھانا بہت مزیدار تھا''۔ اس نے دل سے سراہا تھا۔

''یہ ہماری بیگم کو اعزاز جاتا ہے آج کا یہ سب انہوں نے بنایا ہے''۔ روحیل سکندر نے فوزیہ کی سمت اشارہ کیا وہ مسکرا دیں۔ اسی وقت اریشماء اپنے روم سے چلی آئی تھی۔

''کیا بات ہے میرے بیٹے نے آج کھانا نہیں کھایا''۔ روحیل سکندر کو اپنی بیٹی کا خیال آیا تو اس سے پیار بھرے لہجے میں پوچھنے لگے۔ حمدان نے اچٹتی نگاہ ڈالی اور چیئر سے اٹھ گیا۔

''وہ ڈیڈی! بھوک نہیں تھی''۔ وہ گویا اپنی خفگی حمدان پر ظاہر کرنے لگی مگر وہ تو سرد مہر لاتعلق سا شروع سے ہی تھا ان سے اجازت لے کے چلا گیا۔ اریشماء کو لگا اس کا سب کچھ ہی وہ اپنے ساتھ لے گیا ہو' اسے جھنجھلاہٹ ہونے لگی۔ جب وہ پاس ہوتا ہے تو کتنی مسرور سی ہوتی ہے' بار بار اسے بہانے سے دیکھتی بھی رہتی ہے۔

ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی اپنے لئے چاول نکال کے لے آئی تھی' کوکنگ کے بارے میں بھی سنجیدگی سے سوچنے لگی' اسے اس طرف بھی دھیان دینا چاہیے' کھانے سے فارغ ہوئی برتن کچن میں رکھنے لگی۔ ممی اسے دیکھنے آئیں کھانا کھا بھی رہی ہے یا نہیں' اسے کچن میں برتن دھوتے دیکھ کر مسکرانے لگیں۔

''آج بڑا موڈ ہو رہا ہے میری بیٹی کا کچن کے کاموں کا''۔

''ممی! میں نے سوچا ہے کچھ وقت کچن میں بھی گزارا کروں''۔

''شکر ہے میری بیٹی کو خیال آیا' کم از کم گھر میں تو نظر آئے گی''۔ انہیں دونوں باپ بیٹی سے یہی شکایت تھی

آفس میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارتے تھے۔

''ہوں''۔ مسکرا کے فوزیہ کو حصار میں لے کر پیار کیا۔

''اریشماء! حمدان اچھا لڑکا لگتا ہے''۔ یکدم ہی انہیں حمدان کا خیال آیا وہ چونک کر رک گئی۔

''اونہوں...... اچھا بہت اچھا ہے' پورے آفس کی ذمہ داری اٹھالی ہے مجھے بھی فرصت مل جاتی ہے''۔ وہ بھی حمدان کی تعریف کرنے لگی۔

''ہاں آج میں یہی دیکھ رہی تھی کتنی سنجیدہ اور ذمہ داری سے پروجیکٹ پر گفتگو کر رہا تھا''۔ فوزیہ سکندر کو بھی حمدان بہت پسند آیا تھا وہ آج پہلی بار اس سے اتنا تفصیلی طور پر ملی تھیں۔

''ممی! پتہ ہے تیمور' حمدان سے بہت جیلس ہوتا ہے''۔

''وہ تو ہوگا' تمہارے ڈیڈی جو حمدان کو اتنی اہمیت دے رہے ہیں''۔ انہیں کون سا تیمور پسند تھا' لالچی طبیعت اس کی تھی پھر ان کی دیورانی' وہ تو خود اس چکر میں تھیں کسی طرح بھی تیمور سے اریشماء کا رشتہ پکا ہو جائے۔

''حمدان! ہینڈسم کتنا ہے ناں''۔ اس کا ذہن بھٹکنے لگا۔ فوزیہ سکندر بغور اسے دیکھنے لگیں جو کھوئے کھوئے لہجے میں تھی' وہ اریشماء کو سمجھ رہی تھیں۔

''تم اب جاؤ اپنے روم میں' مجھے عشاء کی نماز پڑھنی ہے''۔ اسے تھپکی دے کر ہوش میں لائیں وہ جھینپ گئی۔

فوزیہ سکندر ٹھٹک سی گئیں۔ اریشماء نے اتنے اچھے انداز میں حمدان کی تعریف کی پھر اس کی باتیں الجھی کیں تو انہیں کچھ فکر ہوئی' وہ اگر سیریس ہوگئی تو یہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ پھر وہ حمدان کی اور اس کی کلاس کو بھی جانتی تھیں' مگر انہیں حمدان کے کسی فعل سے نہیں لگا وہ اریشماء میں دلچسپی لے رہا ہو بلکہ وہ تو اپنے کام میں ہی لگا رہا تھا جبکہ اریشماء کو وہ جانتی تھیں اس کے گھر کے چکر بھی لگاتی رہتی تھی اور وہ یہ نہیں چاہتی تھیں کہ بعد میں کوئی مسئلے کھڑے ہوں کیونکہ روحیل سکندر بھتیجے کے آگے کسی اور کو اہمیت نہیں دے سکتے ہیں۔

☆

جب آنکھیں بند کرتا تھا وہی منظر آئے جا رہا تھا' کتنی نڈر اور پُراعتماد تھی' اس کی جھوٹی چائے کے سپ کتنے آرام سے لئے تھے۔ وہ کروٹیں بدلے جا رہا تھا' اریشماء کا چہرہ اسے نگاہوں کے سامنے آ کر تنگ کیے جا رہا تھا۔

''کیوں مجھے تنگ کرتی ہو؟ کیوں میرے پیچھے خود کو خوار کر رہی ہو؟ میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتا خالی ہوں میں''۔ حمدان مضطرب ذہنی انتشار میں مبتلا اٹھ کے بیٹھا۔

وہ محبت وغیرہ کے چکر میں تو پڑنا ہی نہیں چاہتا تھا' پھر ابھی اسے مصباح کی شادی کرنی تھی' اپنا کیریئر بنانا تھا۔

موبائل کی بیپ نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی' اپنے دائیں طرف دیکھا' اریشماء کی کال تھی' وہ حیرت زدہ رہ گیا' ٹائم دیکھا ایک بج رہا تھا اور اس ٹائم اس کی کال' اچنبھا بھی ہوا مگر وہ اس کی کال ریسیو کر کے اسے کسی خوش فہمی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا تھا۔

''عجیب لڑکی ہو میرے اعصابوں پر سوار ہوئے جا رہی ہو' کیوں کر رہی ہو ایسا؟'' وہ دانت پیسنے لگا' موبائل بج بج کے بند ہوگیا تھا پھر دوبارہ کال نہیں آئی۔

زندگی میں اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ کبھی کوئی لڑکی اس کی راہ میں آ سکتی ہے اور لڑکی بھی وہ جس نے اس کی زندگی سنوار دی تھی مگر وہ بدلے میں اسے کوئی ایسا تاثر بھی نہیں دے رہا تھا کہ وہ اس کے لیے اہمیت رکھتی ہے۔

پوری رات سوتے جاگتے گزر گئی' صبح وہ حسب معمول اپنے مقررہ ٹائم پر ہی اٹھا' باتھ لے کے وہ تیار ہونے لگا' بلیک پینٹ پر بلیوفل سلیو شرٹ میں ڈیسنٹ لگ رہا تھا' سنجیدگی تو اس کے چہرے پر چھائی رہتی تھی' ناشتہ کر کے وہ فارغ ہوا' سیل چیک کیا۔

''آج مصباح کو کچھ لوگ دیکھنے آ رہے ہیں' نیچے والی فائزہ ہے ناں اس کے کوئی میکے کے رشتے داروں میں سے ہیں''۔ امی نے اسے تفصیل بتائی۔

''ہوں''۔ انداز پُرسوچ تھا۔

''شام چھ بجے تک آ جاؤ گے ناں کیونکہ ہوسکتا ہے ان کے ساتھ کوئی آدمی بھی ہو''۔

''آپ فکر نہیں کریں' میں آ جاؤں گا اور سارا ناشتے کا سامان عدین سے پہلے ہی منگوا کے رکھ لیجیے گا''۔ اس نے یاددہانی بھی کروائی۔

''ہاں یہ میں پہلے ہی سوچ چکی تھی''۔ سر ہلا کے رہ گئیں۔ حمدان نے بائیک کی چابی فریج سے اٹھائی۔

''کہاں رہتے ہیں وہ لوگ؟''

''فائزہ بتا رہی تھی گلستان جوہر میں رہتے ہیں' دو بھائی ہیں اور دو ہی بہنیں ہیں' بہنوں کی تو شادی ہوگئی ہے' بڑے بھائی کیلئے کہا ہے''۔ وہ گھٹنوں پر زور دے کر بیچ میں چھوٹی سی ڈائننگ ٹیبل پڑی تھی اس کی چیئر پر بیٹھ گئیں' مصباح اندر روم میں تھی۔

''دیکھ لیتے ہیں کیسے لوگ ہیں''۔ حمدان کو مصباح کی دن رات فکر تھی اس کی اکلوتی بہن تھی' اس کی تو یہی دعا اور کوشش تھی کہ کسی اچھے گھر میں اس کی شادی ہو۔

''ابھی تو دیکھ کر جائیں گے''۔ امی نے بتایا۔

''اللہ مالک ہے جو ہوگا بہتر ہی ہوگا''۔ اس نے تسلی دی۔ عدین یونیورسٹی کیلئے نکل رہا تھا مگر سیل پر کسی سے میسج پر بھی لگا ہوا تھا۔

''دیکھ کر چلو''۔ حمدان سے اس کی ٹکر ہوگئی' وہ اتنی عجلت میں بیگ لے کر نکلا تھا کہ چوکھٹ میں کھڑے حمدان سے ٹکر ہوگئی۔

''سوری بھائی!'' خجل سا ہوگیا۔

''تم راستے بھر سیل چلاتے رہتے ہو' یاد ہے لاسٹ ٹائم بس میں تمہارا سیل چھنا تھا''۔ اس نے یاد دلایا۔

''جب رش نہیں ہوتا ہے تو سیل نکالتا ہوں ورنہ اندر ہی رکھتا ہوں''۔ میسج سینڈ کر کے سیل کو پینٹ کی پاکٹ میں رکھا۔

''ایک سال تین مہینے پہلے بھی تو مجھے گنوانا پڑا''۔ اسے جاتے جاتے یاد آیا۔ حمدان نے اسے دیکھا یہ تو اسے کسی نے نہیں بتایا تھا۔

''ارے حمدان! مصباح کیلئے جوشاندہ کا پیکٹ لینے گیا تھا''۔ امی گویا ہوئیں۔

''مجھے وہ چالیس روپے کا جوشاندہ اتنا مہنگا پڑے گا اس مصباح کی وجہ سے''۔ اس نے مصباح کو دیکھ کر ہانک لگائی۔

''بھائی! میں اس سے کہتی ہوں ہر وقت موبائل کے ساتھ مت لگے رہا کر' باتھ روم میں بھی ساتھ لے کے جاتا ہے''۔ مصباح کو اس کا سیل ہی برا لگتا تھا' اکثر غصہ میں چھپا بھی دیتی تھی پھر جو دونوں کی جنگ ہوتی' امی عاجز آ جاتی تھیں۔

”بھائی! میرا سیل اس آدمی نے کنپٹی پر ٹی رکھ کے لے لیا تھا‘ اسے آ کر بتایا تو ہنسے جا رہی تھی“۔ عدین کو اپنے سیل کے جانے کا ابھی تک دکھ تھا جو اکثر اسے ستاتا بھی رہتا تھا۔

”یہ تو مجھے کسی نے نہیں بتایا“۔ حمدان کو غصہ بھی آیا‘ اتنی بڑی بات اس سے چھپائی تھی۔

”میں نے منع کیا تھا تم ویسے ہی پریشان تھے“۔ امی نے نگاہ چرائی۔

”میں نے آپ سب سے کہا ہے کہ گھر کی کوئی بھی بات مجھ سے نہیں چھپائی جائے“۔ صبح صبح ہی اس کا موڈ خراب ہو گیا۔ مصباح تاسف سے لب بھینچ کے رہ گئی‘ عدین کو افسوس ہونے لگا صبح صبح جو ایسی بدمزگی ہو گئی تھی۔

”پھر تم نے موبائل کہاں سے لیا؟“ وہ عدین سے پوچھنے لگا۔

”سیکنڈ ہینڈ لیا‘ کوئی دوست بیچ رہا تھا اس سے لے لیا“۔ وہ رک رک کے ڈرتے ڈرتے گویا ہوا۔

”اچھا تم تو اپنا موڈ خراب مت کرو‘ خیر خیریت سے گھر سے نکلو“۔ امی نے آیتیں پڑھ کے دونوں پر دم کیا۔ عدین تو فوراً ہی کھسک لیا کیونکہ حمدان بہت برہم ہو رہا تھا۔

”آئندہ مجھ سے کچھ چھپایئے گا نہیں“۔ یہ کہہ کر وہ گھر سے نکل گیا۔

مصباح کا رکا ہوا سانس بحال ہوا‘ امی الگ مغموم سی ہو گئیں۔ جب سے شمشاد احمد اس دنیا سے گئے تھے حمدان بہت سنجیدہ ہو گیا تھا‘ بات بات پر غصہ آنے لگا تھا‘ وہ تو جب سے آفس جوائن کیا تھا اس کا غصہ کچھ کم ہو گیا تھا‘ مگر مزاج اس کا تیکھا ہی رہتا تھا‘ ہنسنا بولنا تو اس نے دس سال سے ختم ہی کیا ہوا تھا۔ اپنے بچوں پر انہیں بہت ترس آتا تھا‘ کتنے عیش و آرام کے دن تھے سب کچھ شمشاد احمد کی بیماری اور ان کے جانے کے بعد سب ختم ہو گیا‘ مگر یہ بھی حیرانی تھی اتنا سب کچھ ایسے کیسے ختم ہو سکتا ہے‘ شوروم کے کاغذات ان کے پاس آج بھی محفوظ تھے مگر اپنے بچوں کو نہیں بتایا تھا۔



”امی...... امی! میری وین نکل گئی‘ میں اب کیسے اسکول جاؤں گی؟“ بسمہ روتی دھوتی منہ بسورتی گھر میں آئی تھی۔ حمیرا بیگم صحن میں کھڑی اوپر منہ کر کے شاید شہران کو آواز دے رہی تھیں۔

”اتنی جلدی تو گئی ہو‘ کیسے نکل گئی؟“ شیبا کو بھی تعجب ہوا وہ تو اسے ناشتہ وغیرہ بھی سب سے پہلے دیتی تھی۔

”آج چھٹی کر لو“۔

”نہیں امی! ہمارے سر بہت ڈانٹتے ہیں“۔ وہ ویسے بھی اسکول کی چھٹی نہیں کرتی تھی پھر پڑھنے کا اسے بہت شوق تھا‘ کبھی بھی پڑھائی سے جی نہیں چراتی تھی۔

”تو اب میں کیسے بولوں شہران کو‘ کب سے ناشتے کیلئے بلا رہی ہوں وہ بھی نہیں اتر کے آ رہا‘ ذیشان کب کا یونیورسٹی چلا گیا“۔ وہ بھی بہت پریشان رہتی تھیں‘ گھر کے جھمیلوں اور شہران کی چخ چخ سے الگ عاجز تھیں‘ وہ تو شکر تھا اس وقت محمد احمد ہونٹوں پر چپ لگائے ٹی وی پر نیوز دیکھنے میں مصروف تھے ورنہ شہران کا ذکر ہو اور وہ نہ بولیں یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

اتنے میں شہران گرے ہاف سلیو کی ٹی شرٹ اور گرے پینٹ میں تیزی سے زینہ اترتا ہوا آیا۔

”شہران بھائی! اسے اسکول چھوڑ دیں“۔ شیبا نے جھٹ کہا۔

”چلو بسمہ! میں چھوڑ آتا ہوں“۔ وہ اس وقت انسانوں کی طرح بات کر رہا تھا ورنہ کب اس کا موڈ ٹھیک رہتا تھا۔

”بھائی! وہ اسد انکل ہیں ناں ان کے پوتے پوتی ہیں زین اور دعا‘ ان کی بھی وین نکل گئی ہے“۔ وہ اس کے ساتھ ہی باہر نکلی‘ وہ دونوں بھی اسی اسکول میں پڑھتے تھے اتفاق سے وین بھی ان کی ایک ہی تھی۔

شہران نے زین اور دعا کو ارباز بھائی کے ساتھ اندر جاتے دیکھ لیا تھا‘ بسمہ کیب کا ڈور کھول کے بیٹھ چکی تھی‘ ارباز بھائی کی نگاہ اٹھی بھی‘ شہران کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی انہیں مخاطب کرنے کی مگر وہ صرف خیال کر رہا تھا۔

”اگر آپ کو اعتراض نہیں ہو تو میں انہیں اسکول چھوڑ دیتا ہوں“۔ پراعتماد انداز میں گویا ہوا‘ ارباز بھائی کی فہمائشی نگاہوں نے گھورا۔

”پاپا! ہم ان کے ساتھ چلے جاتے ہیں‘ آج ہمارا ٹیسٹ بھی ہے“۔ زین‘ بسمہ کو دیکھ کر بولا۔

”آ جاؤ زین! بھائی تم لوگوں کو بھی چھوڑ دیں گے“۔ بسمہ نے پچھلا ڈور کھول دیا تھا‘ بچے دونوں لپک کے بیٹھ گئے تھے۔

”وہ بس آج لگتا ہے وین آئی ہی نہیں ہے“۔ ارباز گویا ہوئے۔ شہران کچھ نہیں بولا چپ چاپ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے لگا مگر کچھ یاد آیا تو پلٹ کے آیا۔

”اتنا تو آپ کو اعتبار ہے ناں میں آپ کے بچے لے کے جا رہا ہوں“۔

”یار! ایسی بات کر کے شرمندہ نہیں کرو“۔ وہ خفیف سا ہو گئے۔ شہران کی ان سے صرف سلام دعا ہوتی تھی مگر بات چیت کبھی نہیں ہوئی تھی البتہ اسد مرزا ناگواری کا تاثر دیتے تھے۔

وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا تینوں بچے باتوں میں لگ گئے‘ شہران کو آج حیرانگی کا جھٹکا بھی لگا تھا پہلی بار انہوں نے اعتبار کیا تھا۔ تینوں بچوں کو اسکول چھوڑ کے وہ واپس آ رہا تھا کہ کونے پر لیل ماہ سے نگاہ مل گئی‘ آج لائبہ بھی ساتھ تھی۔

”آ جاؤ لائبہ! یونیورسٹی تک چھوڑ دوں“۔ اس نے مسکرا کے پوچھا۔

”ارے شہران بھائی! ہمارا روز کا آنا جانا ہے کیب آپ کی روزی ہے فضول میں اس کا پیٹرول کیوں ضائع کرتے ہیں“۔ لائبہ نے اسے منع کر دیا۔ لیل ماہ [illegible] ہو کر سائیڈ پر ہو گئی کیونکہ ابھی وہ دعا اور زین کو بھی تو اسکول چھوڑ کے آیا تھا۔

”ایسا تم سوچتی ہو میں نہیں سوچتا“۔ نگاہ اس نے بھناتی ہوئی لیل ماہ پر ڈالی‘ رسٹ کلر کے پرنٹڈ ٹراؤزر دوپٹہ اس پر پلین لانگ سی شرٹ میں خاصی حسین لگ رہی تھی‘ چہرہ اس کا ہر قسم کے میک اپ سے پاک ہوتا تھا۔

”لائبہ! کیا راستے میں فضول باتوں میں لگ گئی ہو“۔ وہ تو چڑ گئی‘ شہران کو تو کھلی اپنی تذلیل ہی لگی تھی۔

”لائبہ! اپنی دوست کو یہ سمجھا دو میں بھی کبھی فضول لوگوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتا ہوں“۔ لہجہ ذومعنی نگاہوں میں شعلے تھے۔ لیل ماہ نے تیوری چڑھا کے اسے دیکھا‘ بڑھی ہوئی شیو میں تو وہ اور بھی سنجیدہ لگتا تھا‘ دل اس کا دھڑکنے لگتا تھا مگر اپنے اندر کے جذبوں کو وہ تھپک تھپک کے سلا چکی تھی۔ لائبہ کا ہاتھ پکڑ کے وہ گلی عبور کر گئی تھی۔

”کیا ضرورت تھی اس لفنگے سے بات کرنے کی“۔ اس نے لائبہ کو یونیورسٹی پہنچتے ہی آڑے ہاتھوں لیا۔

”لیل ماہ! تمہیں بھی ایسے نہیں بولنا چاہیے تھا اخلاقیات بھی کسی چیز کا نام ہے“۔ لائبہ کو اس کی بدتمیزی بہت بری لگی تھی۔

”تمہیں نہیں پتہ کتنا بدمعاش اور گرا ہوا شخص ہے“۔ اسے تو سوچ سوچ کے پسینے آتے تھے‘ کیسے راستے میں اس کے دھمکیاں دی تھیں‘ یہ تو اس نے ابھی تک اسے بھی نہیں بتایا تھا۔

''اُف لیل ماہ!'' لائبہ کو برا لگ رہا تھا۔

''تم کیوں اتنی اس کی سائیڈ لیتی ہو''۔ اس پر تنقیدی نگاہیں ڈالیں۔

''شرم کرو' وہ میرے لئے بھائی کی طرح ہیں''۔

''بھائی کی طرح ہیں' ہے تو نہیں''۔ لیل ماہ کو آج لائبہ پر بہت غصہ آ رہا تھا۔

''شٹ اپ لیل ماہ!'' لائبہ کو اس کی بات اور سوچ پر افسوس ہوا۔

''پھر کیوں اتنی سائیڈ لیتی ہو؟''

''تم دفع ہو جاؤ' یہاں سے' مجھے تم سے اب کبھی بات ہی نہیں کرنی ہے''۔ وہ اپنا آنچل سنبھالتی ہوئی الٹا غصہ دکھاتی دھپ دھپ کرتی چلی گئی۔

لائبہ کی آنکھوں میں افسردگی سے آنسو آ گئے' وہ شہران سے اتنی نفرت کرتی تھی کہ اس کے متعلق کچھ سننا عبث سمجھتی تھی۔ اس نے بھی سوچ لیا تھا نہیں منائے گی جبکہ اسے پتہ تھا حرما کی سنڈے کو منگنی کی رسم ہے کام تو اسے پڑنے ہی ہیں' مگر سوچ لیا تھا منگنی پر بھی نہیں جائے گی' مکمل ہی بائیکاٹ کرے گی' کچھ دنوں کے لئے تاکہ اسے اپنے رویہ کا احساس ہو۔



''آپ سب آج فائنل کر دو' نیکسٹ ویک آپ کو ہی اسلام آباد جانا ہے''۔ روحیل سکندر کی آج تمام اسٹاف کے ساتھ میٹنگ تھی' اسلام آباد میں ایک شاپنگ مال بننا تھا جو روحیل سکندر کو کونٹریکٹ ملا تھا' ڈیزائننگ حمدان اور اریشماء نے مل کر کی تھی۔

''سر! آپ جاوید صاحب کو یہ ذمہ داری دیں''۔ حمدان اسلام آباد جانا نہیں چاہ رہا تھا۔ اریشماء کے ماتھے پر بل پڑ گئے' جانے کیوں ہر بات میں ناں کرنے کی اس شخص کی اتنی عادت تھی۔

''نو حمدان! جائیں گے تو آپ ہی کیونکہ آپ کو ساری تفصیل پتا ہے' آپ نمائندگی زیادہ اچھی کریں گے''۔ روحیل سکندر نے اس کی حیل وحجت کو رد کر دیا۔ وہ پھر خاموش ہو گیا کیونکہ آفس کے تمام اسٹاف کی بھی یہی مرضی تھی۔

میٹنگ روم سے سب اپنے اپنے کیبن میں جا چکے تھے' وہ ریسٹ واچ میں ٹائم دیکھنے لگا' ابھی پانچ بجنے میں دس منٹ تھے اسے گھر بھی پہنچنا تھا' گھر میں مصباح کو دیکھنے کچھ لوگ آنے تھے یہ اس نے یاد رکھا ہوا تھا۔

''سر! میں ساڑھے پانچ تک گھر چلا جاؤں گا' کچھ مہمان آنے ہیں''۔ وہ روحیل سکندر سے مخاطب ہوا' وہ بھی چیئر سے اٹھ رہے تھے۔

''ٹھیک ہے چلے جایئے گا جو بچا کام رہ گیا ہے کل کر لیجیے گا''۔ انہوں نے اجازت دی۔

اریشماء خاموش بیٹھی تھی اسے تشویش ہوئی کون مہمان آ رہے ہیں' اس سے اگر پوچھے گی تو ٹھیک نہیں ہے پھر کل سے وہ اس سے نگاہ بھی ملا نہیں رہی تھی۔ روحیل سکندر کے جاتے ہی وہ بھی کھڑی ہو گئی' تیزی اتنی دکھائی کہ پاؤں چیئر میں الجھا اور وہ ساتھ والی چیئر پر اتنی بری طرح گری کہ سر ٹیبل پر لگا' توازن اس کا بگڑ گیا تھا۔ حمدان گھبرایا اسے تھامنے کو بھی کیسے بڑھتا وہ چار چیئر چھوڑ کے بیٹھی تھی۔

''اوئی ممی!'' کہنی پر اتنی زوردار چوٹ لگی' ماتھا سہلانے لگی۔ شولڈر کٹ اسٹیپ کٹنگ کی پونی ٹیل سائیڈ پر آ گے جھول گئی' اورنج کڑھائی کی شرٹ پر فان کلر کا شلوار دوپٹہ وہ بھی کڑھائی اور شیشوں سے بنا تھا' اس میں وہ کافی پروقار

لگ رہی تھی۔

اس سے اٹھا بھی نہیں جا رہا تھا۔ حمدان نے اسے بازو سے پکڑ کے اٹھایا' سیدھا کیا مگر کہنی کی تکلیف پھر ماتھے پر گومڑ پڑنے سے اس کے حواس بھی خراب ہو گئے۔

''اتنی تیزی سے اٹھنے کی کیا ضرورت تھی''۔ وہ اس کے صبیح چہرے کی رنگت دیکھنے لگا جو اُڑ سی گئی تھی۔

''آپ سیدھی کیوں نہیں چلتی ہیں''۔

''میں سیدھی ہی چلتی ہوں البتہ آپ ٹیڑھے ہیں'' تڑخ کے طنز میں تیر مارا' اپنا بازو چھڑا کے دور ہوئی۔

حمدان خفیف سا ہو کر رہ گیا' شانے اچکا کے وہ جانے لگا۔ اریشماء کو اس کا روکھا انداز بہت دکھ دیتا تھا۔

''پھر آپ سیدھی چلنے کی کوشش کریں اگر میں ٹیڑھا ہوں تو''۔ وہ پھر اس کی جانب متوجہ ہوا' اس کے مقابل سے گزر کے وہ باہر جا رہی تھی۔

''جو ٹیڑھا ہوتا ہے اسے سیدھا بھی کیا جا سکتا ہے''۔ پھر طنز میں چھپا لقمہ دیا۔ حمدان کے لب مبہم سے مسکرائے' دونوں میں اسی طرح کی نوک جھونک اور طنزیہ گفتگو ہونے لگی تھی' حمدان اسے زچ کرنے پر تلا رہتا تھا۔

''اگر کسی کو سیدھا کیا بھی تو نقصان بہت ہوتا ہے''۔

''میں نقصان کی کبھی پرواہ نہیں کرتی''۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے گویا جتایا۔

''اریشماء! آپ اپنا راستہ بدل لیں' آپ کو اس راستے پر کبھی دروازہ کھلا نہیں ملے گا' آپ چاہے کتنی دستک دیتی رہیں''۔

''اگر دستک دینے والے کو اپنے جذبوں کی سچائی پر یقین ہو تو وہ دستک دیتا رہے گا' کبھی تو دروازہ کھلے گا''۔ لہجے میں حسرت کے ساتھ افسردگی بھی تھی' حمدان اتنا سخت جو تھا۔

''ایسا کبھی نہیں ہو گا''۔ ایک ایک لفظ کہہ کر جتایا۔

''فرض کریں اگر ایسا ہو گیا تو......'' اریشماء کی پُرفسوں آنکھوں کی خوبصورتی حمدان کبھی اگنور نہیں کرتا تھا۔

''جو ناممکن ہوتا ہے میں فرض بھی نہیں کیا کرتا''۔ نگاہ چرا کے پھر ریسٹ واچ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''لگتا ہے اپنے ارادوں کے متزلزل ہونے کا خدشہ ہے' ہو سکتا ہے کبھی آپ کو وہ سب کہنا پڑ جائے جو آپ کہنا نہیں چاہتے''۔ اسے حمدان کی حالت پر مزہ بھی آ رہا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے' میں کام اور بات دیکھ کر کرنے کا قائل ہوں' جب آپ کے راستے مجھ تک جاتے ہی نہیں ہیں تو میں فرض بھی کرنا نہیں چاہتا''۔ حمدان کو اس کی باتوں سے بہت ڈر لگنے لگا تھا۔ جتنا وہ اسے اگنور کرتا تھا وہ اتنا ہی نامحسوس طریقوں سے اس کے دل کے ایوانوں میں اپنی معصومیت سمیت اترتی جا رہی تھی۔ اس کا ٹھہرا ٹھہرا انداز' لہجے میں ڈھکا چھپا محبت کا انداز وہ سب سمجھتا تھا مگر اس کے جذبوں کی کسی طرح بھی حوصلہ افزائی نہیں کرنا چاہتا تھا' جبکہ وہ تو اسے زندگی دے گئی تھی' زندگی سے دور جانے والے کو سانسیں تھما گئی تھی' اپنی پُراعتماد گفتگو سے اسے قائل کر گئی تھی۔ کتنی الگ تھی یہ لڑکی اس سے دب کے بات کرتی تھی' اس کی نگاہوں میں بھی حجاب تھا' وہ آفس آتی ضرور تھی مگر بلاوجہ کسی بھی ایمپلائی سے فضول گفتگو نہیں کرتی تھی' اپنے کام سے کام رکھتی تھی۔

''حمدان! بالفرض اگر ایسا ہو گیا تو آپ کیا جب بھی کچھ نہیں کہیں گے''۔ وہ بضد تھی کسی طرح تو وہ مانے۔

''میرے خیال میں مجھے چلنا چاہیے کیونکہ گھر میں کچھ مہمان آ رہے ہیں''۔ وہ اکتا کے بے زاری سے بات

کاٹنے لگا' اریشماء کو اس کی یہی عادت افسردہ کر دیتی تھی۔ وہ رکا نہیں چلا گیا۔

اریشماء خاموش بت بنی ابھی تک کھڑی تھی۔ حمدان کی طلسمی شخصیت میں وہ جکڑتی جا رہی تھی' ہر وقت بے چین اور بے کل رہتی تھی' اس کی بے نیازی اسے اور قریب کرتی جا رہی تھی۔

سیل کی میسج ٹون پر چونک گئی' آج کل عدین اسے بہت میسج کرنے لگا تھا' شوخ سا زندہ دل لڑکا اریشماء کو بہت اچھا لگتا تھا' میسج عدین کا ہی تھا۔

"کہاں ہو ماہ نور؟" وہ ہمیشہ اسی طرح ہنستے مسکراتے میسج کرتا تھا' مختلف ناموں سے اسے مخاطب کرتا تھا۔ اریشماء کے ہونٹوں پر یکدم مسکراہٹ بکھر گئی جبکہ کچھ لمحوں پہلے دل بہت مکدر تھا۔

"تم سناؤ ہیرو" ۔ میسج لکھ کر روانہ کیا۔ وہ چیئر پر بیٹھ گئی پھر اسے یہ بھی تو الجھن تھی ایسے کون سے مہمان تھے جو حمدان نے چھٹی لی تھی۔

"مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے"۔ میسج پھر آیا' نگاہ اس کی اسکرین پر تھی' فوراً ہی پریشان ہو گئی' فکرمندی سے اسے کال ملائی جو عدین نے کاٹ دی' دوبارہ ملائی ہر بار اس نے کال کاٹ دی' اریشماء سانس بھر کے رہ گئی۔

"کال نہیں کرو' میسج کرو اس پر بات کرو"۔ عدین کا پھر میسج آیا۔

"مجھ سے میسج نہیں لکھا جاتا"۔ میسج سینڈ کر کے کچھ دیر میں پھر کال ملائی جو عدین نے پھر کاٹ دی۔ اریشماء کو غصہ آ گیا' وہ جب کال کر رہی ہے تو ریسیو کیوں نہیں کر رہا ہے۔

"پتہ ہے بہت پیسہ ہے تمہارے پاس' اب کال کی تو نمبر بلاک کر دوں گا"۔ اس نے دھمکی دی۔ اریشماء نے میسج پڑھا اور سوچا عدین کی گھر جا کر خبر لے گی' جب کال کرتی ہے تو بات کیوں نہیں کرتا ہے۔ اس نے پھر میسج ہی نہیں کیا جبکہ عدین کے دو تین میسج آ گئے۔

"پھر غائب؟" عدین کا میسج پڑھا اور میٹنگ روم سے باہر نکل گئی۔ حمدان بھی اپنے کیبن سے باہر آیا' اریشماء کو یہ تجسس تھا ایسے کون سے مہمان تھے جو وہ اتنی جلدی جا رہا ہے۔

نگاہوں کا تصادم ہوا' حمدان کو اس کے خوبصورت سراپے کو دیکھ کر الگ بے چینی ہو جاتی تھی' جتنا وہ اس سے سرد مہری رکھ رہا ہے وہ دل میں' رگ رگ میں اترتی جا رہی تھی' راتوں کو اسے نیند دیر سے آنے لگی تھی' اریشماء کا خیال ہمہ وقت رہتا تھا۔ اسے دکھ بھی ہوتا اسے ہرٹ کر کے مگر مجبور تھا' خوابوں کے حوالے کر کے کیسے وہ ان کی تعبیر دیتا جبکہ اپنی حیثیت کا تعین وہ خود کر چکا تھا۔

☆

لائبہ اس سے ناراض ہو گئی تھی' دونوں میں بات چیت بند تھی۔ یونیورسٹی بھی لائبہ اکیلی ہی جا رہی تھی' دونوں اسٹاپ پر ملتی بھی تو دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر نگاہیں پھیر لیتی تھیں۔ آج تو اس نے بھی چھٹی کر لی تھی' کل حرما کی منگنی کی رسم کرنے اس کے سسرال والے آ رہے تھے' گھر میں ڈھیروں کام تھے' اوپر سے لے کے نیچے تک کے پورشن کی اس نے صفائی کی تھی' چند خاص خاص لوگوں کو ہی بلایا تھا' جبکہ حرما کی سسرال سے سب تھے' تایا چچا کی پوری فیملی تھی۔ سارا انتظام گلی میں ٹینٹ لگا کے ہی ہونا تھا' ارباز بھائی باہر کے کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ اسد مرزا' امی کو الگ ہدایتیں دے رہے تھے کیا کیا کرنا ہے۔

حرما پر اداسی کے بادل چھائے ہوئے' آنسو آنکھوں سے نکل کے رخسار پر بہے جا رہے تھے' کتنی ہی بار وہ چھپ چھپ کے رو چکی تھی۔ ذیشان احمد اسے بھول ہی نہیں رہا تھا' اس کی نرم نرم سی مبہم باتیں وہ کتنا شرمائی شرمائی ہوتی تھی اور وہ تیکھی تیکھی نگاہوں سے اسے دیکھتا تھا' اب سب کچھ پرایا ہو رہا ہے' سوچوں پر بھی کسی اور کا پہرا ہونے والا تھا۔

"آپی! کیا ہوا؟" لیل ماہ سارے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد روم میں آئی۔

"کچھ نہیں"۔ وہ نگاہ چراتی ہوئی بیڈ سے اٹھی۔ لیل ماہ کی جانچتی نگاہوں نے اس کا چہرہ پڑھ لیا تھا وہ اداس اور پریشان سی ہے مگر لیل ماہ پچھلی کوئی بات کر کے حرما کا غم بڑھانا نہیں چاہتی تھی۔

"آپی! روئی ہو ناں؟" ہاتھ پکڑ کے بیڈ پر بٹھایا۔ حرما اسکائی بلیو لان کے کپڑوں میں ملبوس اپنی سوگوار صورت لیے نفی میں سر ہلانے لگی۔

"جھوٹ کیوں بولتی ہیں' چہرہ اور آنکھیں ساری کہانی سنا رہا ہے' ویسے آپی! تم فکر نہیں کرو' حماد صاحب بہت نائس مین ہیں ڈیشنگ بھی ہیں اور سب سے بڑھ کر اکلوتے ہیں' کوئی دیور نند کا چکر نہیں ہے' اتنی لمبی تو ان کی گاڑی ہے' کیا ٹھاٹ سے تم آیا جایا کرو گی"۔ لیل ماہ بڑے جوشیلے انداز میں خوبیاں گنوا رہی تھی۔ حرما کا آنسو ٹپکنے والا تھا جو اس نے فوراً ہی آنچل سے صاف کیا۔

"اور پتہ ہے آپی! اتنا بڑا ان کا گھر ہے"۔

"پلیز لیل ماہ! چپ ہو جاؤ"۔ وہ بے زاری سے تیز لہجے میں گویا ہوئی' ناگواری اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

لیل ماہ خفیف سی ہو گئی' لب بھینچ لیے۔

"آپی! کب تک ذیشان احمد کو یاد کرو گی' وہ ٹھیک بندہ نہیں ہے' اس کے گھر کا کوئی بندہ ڈھنگ کا نہیں ہے"۔

"یہ تم کہہ رہی ہو......" حرما کو حیرانگی کے ساتھ افسوس بھی ہوا۔

"ہاں میں کہہ رہی ہوں اور بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں' آپ کو نہیں پتہ ان کا چھوٹا بھائی شہران لفنگا کہیں کا"۔ دانت پیس کے ناگواری اور غصہ سے بول رہی تھی۔

"ضروری ہے جو سب کہہ رہے ہوں وہ ٹھیک بھی ہو"۔ حرما کو اس کا لب و لہجہ اور ایسی نفرت ذرا اچھی نہیں لگی۔

"آپ کو پتہ نہیں کوئی لڑکی ہے آتے جاتے وہ شہران اسے تنگ کرتا ہے' میں نے خود دیکھا ہے"۔ اتنا وثوق بھرا انداز تھا حرما ٹھٹک کے بغور اسے دیکھنے لگی۔ لیل ماہ نے اپنے آپ کو کوئی لڑکی ظاہر کر کے یہ قصہ بیان کیا۔

"آپ فضول خیالوں کو ذہن میں نہیں لائیے' کل آپ کی منگنی ہے' صرف حماد صاحب کو سوچیے' تصویر تو روز دیکھتی ہو ناں؟"

"لیل ماہ! مجھ سے فضول بکواس نہیں کیا کرو' مجھے ذرا بھی ایسی باتیں پسند نہیں ہیں"۔ وہ کھسیا گئی۔

لیل ماہ خاموش ہو گئی۔ وہ حرما کے دل کی حالت سمجھ رہی تھی' وہ ذیشان احمد کو یاد کر کے آبدیدہ تھی' جسے وہ چپکے چپکے چاہ رہی تھی مگر جب سے شہران نے اس کے ساتھ فضول بکواس کی تھی وہ بہت متفکر ہو گئی تھی۔

"آپی! اب جو ہے اسے قبول کریں' پچھلا کچھ یاد نہیں کریں' انشاء اللہ آپ حماد کے ساتھ بہت خوش رہیں گی"۔ وہ اسے دل سے دعا دینے کے ساتھ اسے مطمئن بھی کر رہی تھی۔ حرما جھٹکے سے اٹھ گئی' احتجاج کرنے کا اور اپنی پسند کا اظہار کرنے کا تو اس گھر میں کسی کو حق حاصل نہیں تھا۔ وہ چپ کی مہر ثبت کیے تماشہ بنی ہوئی تھی اور اسی طرح اسے رخصت بھی ہو جانا تھا۔

(جاری ہے)

☆

جیا قریشی

مکمل ناول

میں خدا اور تم

فرشتے کی طنزیہ بات کا جواب دیا لیکن وہ سمجھ نہ سکی' اس کو نظر انداز کرتے وہ اس کو دیکھ رہا تھا جو کھانے کے بعد وہ کافی کا مگ ہاتھ میں تھامے ہال کی دیواروں پر لگی تصویریں دیکھ رہی تھی۔



''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟''۔اس کو غور سے تصویریں دیکھتا پا کر وہ اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔

''یہ......'' اس نے ایک تصویر کی سمت اشارہ کیا' ایم بی اے کا شاندار رزلٹ آنے پر اس کے ڈیڈ نے پارٹی دی تھی یہ اس پارٹی کی تصویر تھی' اپنے ماں باپ کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر وہ بیچ میں کھڑا تھا' سیاہ داڑھی اس کے چہرے پر نمایاں تھی۔

''یہ نو سال پہلے کی تصویر ہے''۔اس نے بتایا۔

''پہلے داڑھی تھی تمہاری......؟'' وہ اس کی جانب تکتی ہوئی بولی۔

''ہم......'' اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس نے صوفے پر بیٹھی فرشتے کو دیکھا اور پھر جتاتے ہوئے مزید بولا۔

''اگر تم کہو گی تو میں واپس رکھ لوں گا''۔اس کا لہجہ شیریں تھا۔

''واقعی......؟'' اس نے حیرت سے اسے دیکھا اس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔



''رکھ لو مگر میرے کہنے سے نہیں بلکہ اس لئے کہ یہ سنت ہے''۔ وہ سنجیدگی سے بولی۔

''اوکے مادام''۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر ذرا جھکا تھا وہ محجوب سی دو قدم پیچھے ہٹی۔

حسینہ نے جز بز ہو کر پہلو بدلا اسے واپس آتے دیکھ کر انہوں نے سکون کا سانس لیا تھا کہ جس سانچے میں وہ اسے ڈھالنا چاہتی تھیں وہ ڈھل گیا تھا' اب ان کے سرکل میں کوئی انہیں بیک ورڈ نہیں سمجھے گا' مگر اس کے واپس داڑھی رکھنے والی بات پر انہوں نے کینہ توز نظروں سے فرشتے کو گھورا تھا۔



سب کے سامنے اس کا بے معنی محبت بھرا رویہ اسے دکھ اور اذیت سے دوچار کر رہا تھا' وہ جانتی تھی کہ اس محبت کے کوئی معنی نہیں پھر بھی اس کا دل اسے معنی پہنانا چاہتا تھا وہ جانتی تھی کہ یہ بس ڈرامہ ہے' وہ جلد یا بدیر اس کا خاتمہ کر دے گا مگر اسے اپنی زندگی میں شامل نہیں کرے گا اور یہ بات اسے تکلیف دیتی تھی ایک اداسی نے اس کے وجود پر ڈیرہ جما لیا تھا۔ اس نے آفس جوائن کر لیا تھا اب اس کا آدھے سے زیادہ دن آفس میں گزرتا تھا' دستک دیتی وہ اسٹڈی میں داخل ہوئی تھی اس نے فائل سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''بیٹھو''۔ کرسی کی طرف اشارہ کرتے فائل بند کرتے وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''میرا قرآن مکمل نہیں ہوا میں مکمل کرنا چاہتی ہوں تو تم مجھے مسجد میں چھوڑ سکتے ہو''۔ بیٹھتے ہی اس نے اپنا مدعا ظاہر کیا تھا۔

''یہاں پر مساجد میں خواتین نہیں جاتیں''۔ وہ بولا۔

''کیوں......؟'' اس نے حیرانی سے استفسار کیا۔

''کیونکہ امریکا میں یا دوسرے نان مسلم ممالک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں مساجد یا اسلامک سینٹرز ہی اسلامی سرگرمیوں کا مرکز ہوتے ہیں جبکہ یہاں ایسا نہیں ہے' یہاں پر خواتین کے مدرسے اور مجالس علیحدہ ہوتی ہیں''۔ سوچ سوچ کر بولتے ہوئے اس نے سمجھایا تھا۔

''میں تمہارے لئے کوئی مدرسہ دیکھتا ہوں تب تک تم مجھ سے پڑھ سکتی ہو''۔ اس نے فراخدلی سے آفر کی تھی۔

''مگر تم تو بہت مصروف ہوتے ہو مجھے کیسے پڑھاؤ گے''۔ وہ تذبذب میں پڑ گئی۔

''فجر کی نماز کے بعد ایک گھنٹہ تمہارا''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا' اثبات میں سر ہلاتی وہ اٹھ گئی۔ صبح جاگنگ کے لئے جاتے ہال میں اسے پڑھاتا دیکھ کر شہاب صاحب کو ماضی یاد آ گیا' جب ایسے ہی اس کے بچپن میں ان کے والد عبداللہ فجر کے بعد اس کا سبق سنتے تھے۔



وسیع وعریض لان میں بنی مصنوعی جھیل کے کنارے بیٹھی ہاتھ ہلا کر پانی میں ہلچل پیدا کرتی وہ خاصی اداس سی سوچوں میں گم تھی۔

''تمہیں لگتا ہے کہ تم اسے مجھ سے چھین لو گی''۔ آواز پر وہ چونکی تھی نا جانے فرشتے کب وہاں آ کر بیٹھی تھی۔

''وہ مجھ سے محبت کرتا تھا بلکہ کرتا ہے' بس کچھ ناراض ہے میں جلد اسے منا لوں گی''۔ پانی میں پاؤں

ڈالتے وہ جتاتے ہوئے بولی وہ بس خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تم اسے مجھ سے چھین ہی نہیں سکتی' جب اس کے دل میں پرانی محبت پیدا ہو گی وہ خود تمہیں چھوڑ دے گا' کیونکہ پہلی محبت کبھی نہیں بھلائی جا سکتی اور میں اس کی پہلی محبت ہوں تو اس سے پہلے کہ وہ تمہیں چھوڑے تم خود امریکا واپس چلی جاؤ''۔ اس کی خاموشی پر وہ پھر جتاتے ہوئے بولی۔

گاڑی کے ہارن پر دونوں نے چونک کر پلٹ کر دیکھا' گاڑی ڈرائیو وے سے گزر کر پورچ میں داخل ہوئی تھی' پیر پانی سے نکال کر وہ فوراً ہی اس کی طرف بڑھی تھی اور وہ وہیں بیٹھی اسے جاتے دیکھتی رہ گئی۔ چہرے پر مسکراہٹ سجائے وہ اس کے استقبال کے لئے کھڑی تھی' اس نے بھی مسکراہٹ اچھال کر اس کی طرف قدم بڑھائے وہ آخر اس کی کزن تھی کب تک طنزیہ رویہ روا رکھتا سو طنز معدوم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہو گئے تھے۔

''مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے''۔ اس کے ساتھ اندر کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے وہ بولی اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ دونوں کو مسکراتے ساتھ ساتھ چلتے دور سے دیکھ رہی تھی' کتنا مکمل منظر تھا' ایک ڈیشنگ و اسمارٹ تھا تو دوسری حسین ترین' دونوں کے بیچ کبھی محبت بھی رہی تھی اور وہ اس منظر میں کہاں تھی کہیں بھی نہیں' وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے وہ رخ موڑ کر بہتے پانی میں اپنا عکس دیکھنے لگی۔ ملازم کو چائے کا کہہ کر وہ اس کے سامنے صوفے پر بیٹھی تھی۔

''کہو کیا بات ہے......؟'' ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا وہ بولا۔

''میں جانتی ہوں ولی! کہ تم مجھ سے ناراض ہو''۔ وہ تمہید باندھتے ہوئے بولی۔

''اور تمہیں ہونا بھی چاہئے میں نے تمہاری محبت ٹھکرا کر ایک غیر شخص کا ہاتھ تھاما مجھے اس کی سزا ملی اس کے ساتھ چار سال میں نے اذیت میں گزارے' اس کے بعد انکل آنٹی کو تمہیں یاد کرتے دیکھ کر ہر پل میں خود کو تمہاری اور ان کی مجرم سمجھتی رہی' ان آٹھ سالوں میں' میں نے تمہیں تمہاری محبت کو ہر پل یاد کیا ہے' محبت تو میرے دل میں شاید پہلے سے تھی ہاں احساس اس کا تمہارے جانے کے بعد ہوا''۔ اس نے بات ختم کر کے اسے دیکھا۔

''ان سب باتوں کا مطلب......؟'' مطلب جانتے ہوئے بھی اس نے استفسار کیا۔

''مطلب یہ کہ میں جانتی ہوں کہ تم اب بھی مجھ سے محبت کرتے ہو تو ہم زندگی کا سفر ساتھ طے نہیں کر سکتے''؟ اسے پوری امید تھی کہ جواب ہاں میں ہو گا۔

''اور تم سے شادی کرنے کے لئے مجھے کیا کرنا ہو گا؟'' اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''زیادہ کچھ نہیں بس تھوڑا خود کو بدلنا ہو گا کچھ تو تمہیں اس فرشتے نے بدل دیا ہے کچھ اور بدل جاؤ''۔ وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔

''تم ٹھیک کہتی ہو فرشتے نے مجھے بدل دیا' تمہاری محبت نے مجھے برباد کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی اور فرشتے کی محبت مجھے بربادی کے دہانے سے کھینچ لائی ہے''۔ وہ بولتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور وہ خاموش بیٹھی اسے جاتے دیکھتی رہ گئی' چند لمحوں پہلے ابھرنے والی خوشی لمحے میں زائل ہو گئی تھی۔



شادی کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں اور وہ اداسی کے کہر میں ڈوبتی جا رہی تھی اس کے محبت بھرے مظاہرے

اب معدوم ہوگئے تھے' وہ اب اس سے کترانے لگی تھی' فرشتے کپڑے ڈیزائن کر رہی تھی آج کل' وہ بے کار ادھر ادھر اتنے بڑے گھر میں پھرتی رہتی تھی۔ وہ اسے آوازیں دیتا ڈرائنگ روم میں داخل ہوا' میگزین میں منہمک اس نے سر اٹھا کر بھی نہ دیکھا تھا۔

''کیا......؟'' فرشتے کمرے سے نکل کر آئی تھی۔

''تمہیں آواز نہیں دے رہا تھا جنہیں آواز دے رہا تھا انہیں سر اٹھانے کی بھی فرصت نہیں ہے''۔ جھلایا ہوا اسے جواب دے کر وہ اس کی طرف مڑا وہ سر ہلاتی واپس چلی گئی تھی۔

''یہ اردو میگزین ہیں پڑھنے آ رہے ہیں تمہیں''۔ اس سے میگزین چھین کر اس نے میز پر پٹخے' وہ اب بھی سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''شادی میں پندرہ دن رہتے ہیں''۔ وہ یوں بولا جیسے اسے اطلاع دے رہا ہو اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور واپس جھکا لیا۔

''چلو......'' اس نے اس کا ہاتھ تھام کر اٹھانا چاہا۔

''کہاں......؟'' اس نے ہاتھ چھڑانا چاہا تھا۔

''جیولرز کے پاس تمہارے ناک کان چھدوانے ہیں''۔ وہ مبہم مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''کیا......؟ کیوں......؟'' اس نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''شادی پر زیور تو پہنو گی ناں''۔ اس کا انداز مبہم تھا۔

''تمہاری شادی میں' میں بغیر زیور پہنے بھی شرکت کر سکتی ہوں''۔ اس کی گرفت سے ہاتھ نکال کر وہ جانے کے لئے کھڑی ہوگئی۔

''ہمم......تم کر سکتی ہو مگر لوگ کیا کہیں گے بغیر زیورات کی دلہن دیکھ کر اور پھر میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ اس دن میری بیوی دنیا کی حسین ترین لڑکی لگے''۔ وہ گمبھیر لہجے میں بولا تھا قریب آ گیا تھا' حیرت و استعجاب سے اس کا منہ کھل گیا' اس نے تھوڑی تلے انگلی رکھ کر اس کا منہ بند کیا تھا۔

''کس کی شادی......؟'' اس نے یقین کرنے کو پوچھا۔

''تمہاری اور میری شادی''۔ اس کی آنکھوں میں جھانکتا وہ بولا۔

''میری شادی''۔ تعجب سے اس کی آنکھیں پھیلیں۔

''میری شادی کیسے ہو سکتی ہے تم نے مجھے پرپوز کیا''۔ اس نے قدرے ناراضگی سے اسے دیکھا۔

''مجھے پرپوز کرنے کی ضرورت نہیں تھی میں جانتا ہوں تمہارے دل کا حال' اس لئے مام ڈیڈ سے کہہ کر ڈیٹ فکس کرا دی تمہیں کوئی اعتراض......؟'' وہ قدرے جھجکتے ہوئے بولا۔

''مجھے پتہ ہی نہ تھا''۔ نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے اسے دیکھا۔

''تمہیں ماتم کرنے سے فرصت ملتی تو ارد گرد کے حال کی خبر ہوتی' مام تمہیں لے کر کتنی بار شاپنگ پر گئیں گھر میں شادی کی باتیں ہوتی رہیں اور تم بے خبر''۔

''مجھے لگا کہ......''

''تمہیں جو کچھ بھی لگا اب چھوڑو اور چلو''۔ اس نے اس کا ہاتھ تھاما۔ جیولری شاپ پر پہنچ کر جیولرز کو

ہدایات دیتا وہ کرسی پر ٹک گیا جیولرز کے ہاتھ میں گن دیکھ کر اس نے خاصی خوفزدہ نظروں سے ولی کو دیکھا تھا۔ جیولر نے بڑی مہارت سے کان چھیدے' اس نے دانت پر دانت جما کر تکلیف ضبط کی پھر آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے اس نے ناک پر نشان لگانا چاہا تھا کہ وہ بدک کر پیچھے ہٹی زور زور سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے ولی کو دیکھا۔

''پریشان مت ہو پاکستانی دلہن کے لئے یہ سب لازمی ہوتا ہے زیادہ تکلیف نہیں ہوگی چلو شاباش......'' اسے چمکارتے ہوئے اس نے سمجھایا بے بس سی نگاہ اس پر ڈال کر اس نے چہرہ آگے کیا' جیولر نے نشان لگایا وہ خوفزدہ سی اسے دیکھ رہی تھی۔

پیشانی پر آئے اس کے بال ہٹانے کے لئے ولی نے ہاتھ بڑھایا تھا کھٹک کی آواز نکلی اور ساتھ ہی مردانی چیخ بلند ہوئی' نسوانی چیخ کے بجائے مردانی چیخ نے شاپ میں موجود لوگوں کو پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا اس کا بڑھا ہوا ہاتھ وہ دانتوں میں دبا چکی تھی۔ گالوں پر آنسو بہہ رہے تھے اس کی کلائی منہ میں دبائے آنکھیں بند کئے وہ کھڑی تھی' سیلز مین کے چہرے پر بھی دبی دبی مسکراہٹ تھی۔ خشمگین نظروں سے اسے گھورتے اس کا بازو ہلا کر وہ اسے حال میں لے آیا تھا' چونک کر آنکھیں کھولنے کے ساتھ ہی اس نے منہ کھولا اور شرمندہ ہوگئی۔

''تھوڑا اور زور سے دباتی تو خون نکل آتا''۔ غصیلی نظروں سے اسے گھورتا وہ رومال سے کلائی صاف کرتا ہوا بولا۔ ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی لوگوں کے چہروں پر تیرتی مسکراہٹوں نے اسے مزید شرمندہ کر دیا تھا' وہ اس سے پہلے ہی شاپ سے نکل گئی۔

''مجھے تکلیف ہو رہی ہے''۔ ناک چھوتے ہوئے وہ تکلیف سے چلائی تھی۔

''اب اتنی بھی نہیں ہو رہی ہوگی جتنا تم چلا رہی ہو''۔ اطمینان سے بولا تھا۔

''کبھی تمہارے دونوں کانوں اور ناک میں سوراخ ہو تو تمہیں پتا چلے''۔ وہ جل گئی تھی۔

''لاحول ولاقوۃ میں تمہارا ہونے والا شوہر ہوں تمیز سے بات کرنا سیکھو''۔ بدمزہ ہوتے ہوئے اس نے سرزنش کی۔ اس نے گاڑی کلینک کے قریب روکی' ڈاکٹر سے پین کلر اور اینٹی سیپٹک لکھوا کر وہ اسے لئے ریسٹورنٹ چلا آیا آرڈر دے کر وہ قدرے ریلیکس ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ اپنی جانب دیکھتا پا کر وہ بولی۔

''تم نے اچانک مجھ سے شادی کا فیصلہ کیوں کیا؟ جب تم منع کر چکے تھے''۔ کافی دیر سے رکا سوال ہونٹوں پر آ گیا تھا۔

''یوں سمجھو کہ ہماری شادی یہیں آ کر ہونی تھی اس لئے منع کر دیا تھا میں نے' ہر کام کا وقت مقرر ہے''۔ اس نے سمجھایا تھا۔

''فرشتے نے کہا تھا کہ کوئی پہلی محبت نہیں بھلا سکتا اور وہ تمہاری پہلی محبت ہے''۔ اس نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا' عورت مغرب کی ہو یا مشرق کی محبت کے معاملے میں شراکت برداشت نہیں کرتی اسے بھی یہ فکر تھی کہ اس کے دل میں اس کے علاوہ کوئی نہ ہو' اس کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

''فرشتے نے ٹھیک کہا تھا واقعی پہلی محبت کوئی نہیں بھلا سکتا''۔ وہ اثبات میں سر ہلاتا بولا' اس کا منہ لٹک گیا وہ اسے جھوٹی ہی سہی تسلی دیتا کہ وہ اب اس کے دل میں نہیں ہے۔

''انسان چاہے بھی تو پہلی محبت نہیں بھلا سکتا کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی موڑ پر اس کی یاد ضرور آتی ہے' وقت کی گرد

یادوں کو دھندلا کر دیتی ہے پر مٹا نہیں پاتی''۔ اس نے ایک نظر اس کے بجھتے چہرے کو دیکھا تھا۔

''مگر فرشتے میری پہلی محبت نہیں ہے''۔ اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

''تو اس کے علاوہ بھی اور رقیب ہیں'' ۔اس نے مایوسی سے سوچا۔

''میری پہلی محبت خدا ہے' فرشتے دوسری اور تم تیسری ہو' اپنی تیسری محبت سے مجھے بہت محبت ہے کیونکہ وہ مجھے میری پہلی محبت سے دوبارہ ملانے کا ذریعہ بنی''۔ وہ محبت سے اسے تکتا ہوا بولا جبکہ وہ کچھ الجھن سے دیکھتی دوسری تیسری کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی' بات انگلش میں ٹرانسلیٹ کر کے اس نے اس کی مشکل آسان کر دی تھی' ایک پر سکون سانس اس کے لبوں سے خارج ہوئی' آنکھوں میں خوشی کی جوت جل اٹھی تھی۔

''تم اپنی پہلی محبت کیوں بھول گئے تھے......؟'' اس نے پوچھا۔

''بھولا نہیں تھا ہاں کچھ وقت کے لئے نظر انداز کیا' اس کی یاد نے بھولنے نہیں دیا مجھے ہر لمحہ بے چین رکھا''۔ وہ شرمندہ ہو کر بولا۔

''مجھے لگتا تھا کہ اسے مجھ سے محبت نہیں ورنہ یوں میری التجائیں نہ ٹھکراتا یہ جانتے ہوئے بھی کہ دعائیں رد کرنے میں بھی میری ہی بھلائی ہو گی میں اس سے ناراض ہو گیا اور میری ساری نافرمانیوں کے باوجود وہ مجھ سے ناراض نہ ہوا ہر پل اس نے مجھے تھاما اور راہ دکھاتا رہا' وہ واقعی اپنے بندوں سے بہت محبت کرتا ہے جبکہ ہم کسی قابل بھی نہیں اور مجھ سے کچھ زیادہ نہ جانے کیوں''۔ بھیگتی آواز میں بولتے آخر میں اس کے لہجے میں فخر سا در آیا۔

''میں جان گیا ہوں کہ اگر اس وقت میری شادی فرشتے سے ہو گئی ہوتی تو اس کی خواہشات میں ڈھل کر میں کیا بن چکا ہوتا''۔ اس نے رومال سے آنکھوں کے نم گوشے صاف کئے اور اسے دیکھتے ہوئے مسکرا دیا اس کے لئے فرنٹ ڈور کھولتا وہ گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آیا تھا کہ فون بج اٹھا' ٹریول ایجنٹ کا فون تھا۔

''سر آپ کی اٹھائیس تاریخ کی عمرہ کی ٹکٹس کنفرم کر دی ہیں ٹکٹس آپ کے آفس بھجوا دیں گے''۔

''او کے...... تھینک یو''۔ کال کاٹ کر وہ گاڑی میں بیٹھا۔ ویسے کے اگلے دن ایک ماہ کے عمرہ ٹور پر انہیں جانا تھا' منہ دکھائی کے ساتھ اس نے عمرہ ٹکٹ اسے دینے کے بارے میں سوچا تھا۔

''کس کا فون تھا......؟'' اس کے گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے پوچھا۔ اس کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''بیوی بننے سے پہلے بیویوں والی تفتیش شروع کر دی۔ مجھے لگتا تھا کہ یورپ اس تفتیش سے آزاد ہو گا مگر عورت مغرب کی ہو یا مشرق کی عورت عورت ہی رہتی ہے''۔ مصنوعی تاسف سے بولتے اس نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔ ایک نظر اس نے اپنے بے سروپا باتوں پر قدرے حیران اپنی ہونے والے شریک حیات کو دیکھا اور کھل کر مسکرا دیا۔ اپنی نافرمانیوں کی معافی وہ مانگ چکا تھا اب اس کے در پر حاضری دے کر گناہوں کا کفارہ ادا کرنا تھا' اس کی دی نعمتوں کا شکر ادا کرنا تھا اور ایک عہد بھی کرنا تھا اس سے۔ فرشتے نے اطمینان سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں اسے اب کوئی خوف دامن گیر نہیں تھا خدا نے اسے ایک محفوظ سائبان اور محافظ عطا کیا تھا' جو کچھ اس نے کھویا تھا ہدایت کے نور کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ پا لیا تھا۔

☆

ارم ناز

افسانہ

بدلی تصویر مرمریں

''اسام بیٹا! رکیں ہمیں آپ سے ضروری بات کرنی ہے''۔ اسام جو اپنی تمام مصروفیات کو چھوڑ کر کسی دوست کو ملنے جا رہا تھا تو آسیہ بیگم کی آواز پر رک گیا اور ان کے قریب بیٹھ گیا۔

''جی مما جانی! بولیں کیا بات ہے؟'' وہ پوری توجہ سے ان کی طرف متوجہ ہوا تو وہ بولنے لگیں۔

''نومیتہ کے لیے ایک پرپوزل آیا ہے' ازمان نام ہے' آپ کے والد کے پرانے دوست کے بیٹے ہیں اور ڈاکٹر ہیں' لڑکا ہر لحاظ سے نومیتہ کے لیے پرفیکٹ ہے' آپ بتائیں کیا کرنا ہے؟'' انہوں نے سارا فیصلہ اس پر چھوڑ دیا تو وہ خوش ہوتے ہوئے بولا۔

''مما جانی! آپ کا جو فیصلہ ہو وہ ٹھیک ہے مگر ایک بار اس سے پوچھ لینا چاہیے''۔ تو وہ اطمینان سے بولیں۔

''ہم اس سے پوچھ لیں گے آپ بتائیں کوئی اعتراض تو نہیں آپ کو؟'' تو اس نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا۔

آسیہ بیگم کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی' سب سے بڑا اسام علی' پھر اشام علی اور سب سے چھوٹی نومیتہ۔ آسیہ بیگم کے شوہر کا انتقال ایک حادثے میں ہو گیا تھا جب اسام کی عمر 20 سال' اشام 14 سال اور نومیتہ دس سال کی تھی' کار کے حادثے کے بعد آسیہ بیگم بالکل ٹوٹ چکی تھیں' ان کا کوئی سہارا بھی نہ تھا۔ پھر تمام ذمے داری اسام علی نے اپنی چھوٹی سی عمر میں سنبھال لی۔ اس نے اپنی پڑھائی کے ساتھ ساتھ اپنے پاپا کا بزنس سنبھال لیا' اس ذمے داری کی وجہ سے وہ بہت کم گو اور سنجیدہ ہو گیا۔ گھر میں سب اس سے ڈرتے تھے' اس نے کبھی اپنے چھوٹے بہن بھائی کو باپ کی کمی کا احساس نہ ہونے دیا' تینوں میں بے پناہ پیار تھا۔

☆

آج نومیتہ کی منگنی تھی تو وہ کوئی کمی نہیں رکھنا چاہتا تھا' اس نے بہت محبت سے بہن کو دیکھا جو دلہن بنی اسٹیج پر بیٹھی کسی بات پر مسکرا رہی تھی۔ آسیہ بیگم جو کسی کام سے وہاں سے گزر رہی تھیں انہوں نے دیکھا تو رک گئیں اور بہت پیار سے دونوں کو دیکھا' جب اسام کی نگاہ مما جانی پر پڑیں تو مسکراتے ہوئے بولنے لگا۔

''مما جانی! کتنی چھوٹی سی تھی گڑیا آج کتنی بڑی ہو گئی''۔ تو آسیہ بیگم اپنے شوہر کو یاد کر کے آبدیدہ ہو گئیں' اسام نے انہیں سینے سے لگایا' وہ اپنے خوبصورت اور خوبرو بیٹے کو دیکھنے لگیں پھر تھوڑی دیر میں منگنی کی رسم ادا کی گئی' یوں ہنستے مسکراتے یہ رات اپنے اختتام کو پہنچی۔

☆

''السلام وعلیکم مما جانی!'' آسیہ بیگم جو ابھی جائے نماز پر بیٹھ کر دعا مانگ رہی تھیں جب اسام علی آفس سے تھکا ہارا لوٹا اور اپنی مما جانی کے پاس آ گیا۔ انہوں نے دعا مانگ کر سلام کا جواب دیا اور اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا تو اس کی روح تک سرشار ہو گئی۔

''ارے ہاں بیٹا! ایک بات کرنی تھی آپ سے''۔

وہ ایکدم یاد آتے ہوئے بولیں تو وہ متوجہ ہوتے سننے لگا۔

''بیٹا! وہ نومیتہ کی نند کی شادی ہے تو نومیتہ جا نہیں سکتی' اشام کے پیپر ہو رہے ہیں تو آپ کو ہمارے ساتھ لاہور چلنا ہوگا'' تو وہ ایکدم سے بولا۔

''آپ جانتی ہیں مما جانی! میرے پاس کہاں ٹائم ہے' آپ کسی اور کو ساتھ لے جائیں''۔ وہ خود جانا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اسے اپنے کمرے کے علاوہ کہیں نیند نہیں آتی تھی مگر مما جانی کے سمجھانے پر جانا پڑا۔

وہ جس وقت لاہور پہنچے تو تھکن سے برا حال تھا' نظر دوڑاتے ہوئے اس کی نظر ڈاکٹر ازمان پر پڑی تو وہ اس کے ساتھ چل دیئے۔ وہ جیسے ہی گھر پہنچے تو ہر طرف چہل پہل تھی' ڈاکٹر ازمان نے انہیں کمرے میں پہنچایا اور انہیں چینج کرنے کا کہتے ہوئے باہر کی جانب چل دیئے۔ اسام علی فریش ہونے کیلئے واش روم چلا گیا تو آسیہ بیگم کمرے سے باہر چلی گئیں۔

اسام جیسے ہی واش روم سے نکلا تو آسیہ بیگم کو نہ پا کر باہر آیا کہ اچانک لائٹ چل گئی' پورے گھر میں اندھیرا چھا گیا' وہ ابھی اپنے کمرے میں جانے کیلئے مڑا ہی تھا کہ ایک نسوانی وجود سے ٹکرا گیا۔ اگر وہ بروقت اسے سنبھال نہ لیتا تو ضرور وہ وجود زمین پر گر پڑتا' اسی وقت لائٹ آ گئی اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو مبہوت ہی رہ گیا' وہ یلو اور گرین سوٹ میں ملبوس ہاتھوں میں گجرے' بالوں میں پراندہ' بنا میک اپ میں بھی بہت حسین لگ رہی تھی مگر جیسے ہی اپنی پوزیشن کا احساس ہوا تو فوراً اپنی گرفت چھوڑ دی۔ اسی وقت ڈاکٹر ازمان کی انٹری ہوئی تو وہ مسکراتے ہوئے اسام سے گویا ہوئے۔

''بھیا! یہ میری بہت پیاری سی بہن مریشہ' جس کی شادی میں آپ آئے ہیں' یہ منگنی میں نہیں آئی تھی کیونکہ اس کے پیپر ہو رہے تھے اور مریشہ! یہ اسام علی آپ کی بھابی کے بھائی''۔ اسی وقت ہاجرہ بیگم جو ڈاکٹر ازمان کی ممی تھیں مریشہ کو آواز دی تو وہ وہاں سے چل دی مگر جاتے ہوئے اسام علی کا دل بھی اپنے ساتھ لے گئی۔

☆

مہندی کا سارا ارینجمنٹ ہال میں ہی کیا ہوا تھا ہر طرف چہل پہل تھی مگر اسام علی کا دل بالکل خالی تھا' اسی وقت مریشہ کو دوپٹے کی چھاؤں میں اسٹیج پر لایا گیا' تھوڑی دیر میں مہندی کی رسم شروع ہوئی' اظہر جو مریشہ کے منگیتر تھے نا جانے اس کے کان میں کیا سرگوشی کی کہ وہ مسکرانے لگی۔ اسام علی یہ منظر نہ دیکھ سکا اور وہاں سے چلا آیا' مگر تنہائی میں آ کر بھی اسے تنہائی نصیب نہ ہو سکی' اس کا دل شدت سے چاہنے لگا کہ یہ شادی رک جائے اور شاید وہ قبولیت کی گھڑی تھی۔

بارات والے دن ہر طرف افراتفری مچی ہوئی تھی' سب ہی خوش تھے مگر اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ یہاں سے بہت دور بھاگ جائے اور اپنی سوچ پر عمل کرنے کیلئے ابھی اپنے کمرے میں قدم رکھا ہی تھا کہ رونے کی آوازیں آنے لگیں' وہ جیسے ہی نیچے کیلئے قدم بڑھانے لگا تو مریشہ بھاگتے ہوئے نیچے پہنچی' وہ بھی جلدی سے نیچے آیا۔ آسیہ بیگم اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہاجرہ بیگم کے پاس لے آئیں اور بہت محبت سے ان کا ہاتھ پکڑ کر بولیں۔

''بہن آپ فکر نہ کریں اسام کرے گا مریشہ سے شادی''۔ وہ جو ابھی پوری بات سے ناواقف تھا ان کی آخری بات پر چونک پڑا۔ آسیہ بیگم نے بڑی آس سے دیکھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا مگر وہ وجہ جاننا چاہتا تھا۔ ڈاکٹر ازمان نے ان کی پریشانی کو سمجھتے ہوئے اسے اپنے ساتھ باہر لے آئے اور کچھ دیر بعد بولنا شروع ہوئے۔

''مریشہ اور اظہر ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے' ہمیں کوئی اعتراض نہیں تھا کیونکہ اظہر ایک سمجھدار لڑکا تھا' اظہر نے پرپوزل بھیجا تو ہم نے منگنی کے بجائے شادی کی تیاریاں شروع کر دیں' ہم سب بہت خوش تھے مگر......'' وہ اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو صاف کرتے ہوئے پھر سے مخاطب ہوئے۔

''ابھی چند گھنٹے پہلے اظہر کسی کام سے باہر گیا تو ڈاکو موبائل اور کار چھین کر لے گئے اور اسے گولی مار دی

جس کی وجہ سے وہ اُسی وقت ساری دنیا چھوڑ کر چلا گیا''۔ تھوڑی دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی چھائی رہی پھر اسام آگے بڑھا اور اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''تم بے فکر رہو' میں مریشہ کا بہت خیال رکھوں گا''۔ تو ڈاکٹر ازمان اس کے گلے لگ گئے اور یوں مریشہ حیدر' مریشہ اسام علی بن گئی۔ سچ کہتے ہیں دعائیں بڑی بڑی تقدیریں بدل دیا کرتی ہیں۔

☆

وہ لوگ جیسے ہی کراچی پہنچے تو نومیتہ اور اشام تیسرے وجود کو دیکھ کر حیران ہو گئے۔ آسیہ بیگم ان کی پریشانی کو بھانپ گئیں اور انہیں پوری بات بتائی اور ساتھ نومیتہ کو حکم دیا کہ وہ مریشہ کو پارلر لے جائے اور تیار کروا کے لے آئے اور اشام کو حکم دیا کہ وہ اسام کے روم کو ڈیکوریٹ کرے۔ پھر شام کو اشام نے کمرے کو ڈیکوریٹ کر دیا۔ نومیتہ نے مریشہ کو پارلر سے تیار کروا کر کمرے میں بٹھا دیا اور اہتمام سے اپنا نیگ لینے لگی جو اس نے خوشی خوشی اسے دے دیا پھر کمرے میں داخل ہوا تو لگا پھولوں کے گھر میں آ گیا۔ اشام نے پھولوں سے کمرے کو اس طرح ڈیکوریٹ کر دیا کہ ہر قدم پر پھول تھے' پھر پھولوں کی لڑیاں اٹھا کر بیڈ پر بیٹھا تو مریشہ سمٹ کر بیٹھ گئی' اس نے سلام کیا اور گھونگھٹ اٹھا کر دیکھا تو دنگ رہ گیا' بلڈ ریڈ لہنگے میں جس میں گولڈن کام ہوا تھا' بھاری جیولری پہنے فل میک اپ میں وہ تمام ہتھیاروں سے لیس تھی۔ اسام نے کنگن پہنانے چاہے تو اس نے ہاتھ کھینچ لیا' وہ ایکدم چونکا اور اس کو دیکھنے لگا تو وہ رونے لگی' اس نے رونے کی وجہ پوچھی۔ وہ کہاں اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ سکتا تھا' تو وہ روتے ہوئے بولنے لگی۔

''میں اظہر سے محبت کرتی تھی مگر خدا کو یہ منظور نہ تھا' اس نے مجھ سے اظہر کو چھین لیا''۔ وہ ہچکیاں لیتے ہوئے بولی تو ایکدم اس کا دل ٹوٹ گیا۔ وہ نادان اس بات سے بے خبر تھی کہ وہ اس سے کس قدر محبت کرتا ہے اور وہ اس کے سامنے اپنا حالِ دل بیان کر کے کسی اور کیلئے رو رہی تھی۔ اسام نے اسے کھل کر رونے دیا' چپ ہونے کے بعد وہ شرمندہ ہوئی تو سوری کرنے لگی' اس نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔

''کوئی بات نہیں مریشہ! آپ آرام کریں تھک گئی ہوں گی''۔ یہ کہہ کر وہ واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

وہ بیڈ سے اتر کر جیولری اتارنے لگی' جب اپنے ہاتھوں کی مہندی پر نظر پڑی جس پر اس کا اور اظہر کا نام لکھا تھا تو وہ پھر سے شدت سے رونے لگی' اسی وقت اسام چینج کر کے نکلا اور اسے اس طرح روتے دیکھا تو فوراً اس کے پاس آیا اور بڑے دوستانہ لہجے میں اس سے مخاطب ہوا۔

''جب ہم کسی کو اپنی دعاؤں میں مانگیں اور وہ ہمیں نہ ملے تو سمجھ لو کہ کوئی اور ہے جو آپ سے زیادہ شدت سے اپنی دعا میں آپ کو مانگ رہا ہے''۔ وہ اس کی اس بات پر ایکدم چونکی اور سوالیہ نظروں سے اس کو دیکھنے لگی اور ہمت کر کے اس سے اسکی بات کا مطلب پوچھنے لگی۔

تو اس نے اس کو آہستہ آہستہ سب بتا دیا اور وہ اس کو بے یقین نظروں سے دیکھنے لگی پھر جب وہ پلٹنے لگا تو مریشہ نے ایکدم اس کا ہاتھ تھام لیا' وہ ایکدم پیچھے مڑا اور حیرت زدہ نظروں سے اسے تکنے لگا تو وہ اس کے سینے سے آ لگی اور پھر سے رونے لگی تو اسام نے اس کے گرد بازو حمائل کر دیئے کیونکہ مریشہ جان چکی تھی کہ اظہر اس کی قسمت میں نہیں تھا اور قسمت پر کسی کا کوئی زور نہیں۔ کھڑکی کے باہر چاند اور تارے ان کے ملن کی خوشیاں منانے لگے۔

☆

نائلہ طارق

قسط نمبر 15۔

سلسلے وار ناول

سانس سرائے اور سکوت

کچن میں وہ اس وقت بڑی عجلت کے ساتھ ناشتے کی تیاری میں مصروف تھیں، آج انہیں بیدار ہوتے ہوئے کچھ زیادہ ہی وقت نکل گیا تھا۔

''سدرہ! میں نے تم سے کہا تھا کہ میری گرے شرٹ پریس کرنا مگر تم نے لے کر یہ شرٹ پریس کر دی ہے''۔ جھلائے انداز میں شرٹ لہراتے وہ کچن میں آئے تھے۔

''آپ نے مجھ سے کب کہا تھا؟'' سدرہ کو واقعی یاد نہیں آ رہا تھا جو پریشان ہو کر بولی تھیں۔

''ہاں تمہیں کیسے یاد رہ سکتا ہے، میرے سوا تو تمہیں سب کچھ یاد رہتا ہے''۔ وہ غصیلے انداز میں بولے تھے۔

''میں ابھی گرے شرٹ پریس کر دیتی ہوں''۔ چولہے کی آنچ کم کرتے ہوئے وہ ہڑبڑائے انداز میں بولی تھیں۔

''بہت مہربانی، بہت احسان ہو گا تمہارا، اب جلدی تشریف لاؤ، کوئی کام اس گھر میں وقت پر بھی ہوتا ہے، سارا دن تو تم ایسے مصروف رہتی ہو کہ میری شکل دیکھنے کا بھی تمہارے پاس وقت نہیں ہوتا ہے''۔ ان کے پیچھے ہی کمرے میں آتے ہوئے وہ بلند آواز میں بھڑک رہے تھے۔

''دو منٹ بھی نہیں لگیں گے یہ شرٹ پریس ہونے میں، صبح ہی صبح کس بات کا غصہ نکال رہے ہیں مجھ پر، انسان ہوں میں، آپ نے کہا ہو گا مگر میرے ذہن سے نکل گیا''۔ وارڈروب بند کرتے ہوئے بالآخر وہ بھی ناراضگی سے بولی تھیں۔





''صحیح بات کرو تو غصہ نکالنے کا الزام لگ جاتا ہے' دو ادھر شرٹ میں خود پریس کر لوں گا' جاؤ اپنے کام کرو وہ زیادہ ضروری ہیں''۔ ان کے ہاتھ سے شرٹ لیے ہوئے وہ اسی غصیلے لہجے میں بولے تھے۔

''اپنے کون سے کام' آپ کے لئے ہی ناشتہ بنا رہی ہوں' اس میں بھی دیر ہو گئی تب بھی مجھے باتیں سننے کو ملیں گی''۔ وہ بھی بگڑ کر بولی تھیں۔

''مت کرو میرے لئے کچھ بھی' کیوں زحمت کر رہی ہو''۔ شرٹ پریس کرتے ہوئے وہ بھڑکے تھے۔

''اور اسے تو چپ کرواؤ' صبح ہوتی نہیں ہے کہ شروع ہو جاتی ہے اس کی ریں ریں''۔ وہ اب اپنے بچے پر بھڑکے تھے جو کاٹ میں روتے روتے لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔

''تمہاری بہن نے ہی عادتیں خراب کر کے رکھی ہیں اس کی' صبح شام جب دیکھو اسے گود میں لٹکائے گھومتی رہتی ہے' زمین پر ٹکنے کا اب وہ' چلی گئی ہیں محترمہ سیر سپاٹوں کیلئے تو اب بھگتو''۔ وہ مستقل بھڑک رہے تھے' دوسری جانب وہ ضبط کرتے ہوئے شیری کو اٹھائے کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔

بگڑے موڈ میں وہ کچن کی طرف آئی تھیں جہاں شان ان کی غیر موجودگی میں ناشتے کا سامان ٹیبل پر لگا کر اب چائے تھرماس میں نکال رہا تھا۔

''تم کیوں اٹھ گئے جلدی' جا کر سو جاؤ ورنہ تم بھی لپیٹ میں آ جاؤ گے''۔ تھرماس اس سے لیتے ہوئے انہوں نے شیری کو اس کے حوالے کیا تھا۔

''بڑے کے والیوم نے ساری نیند اڑا دی' صبح صبح پارہ کیوں چڑھ گیا ہے ان کا''۔ وہ حیرت سے بولا تھا۔

''جا کر پوچھ لو ان سے' ایک دن ذرا سی دیر ہو جائے تو ہر چیز پر پانی پھیر دیتے ہیں''۔ کاؤنٹر پر پھیلی چیزیں سمیٹتے ہوئے وہ غصیلے انداز میں بولی تھیں۔

کمرے سے باہر آتے ہوئے وہ شاہ رخ کی سمت متوجہ ہوئے تھے جو ٹریک سوٹ میں ملبوس پسینے میں شرابور تھکے تھکے انداز میں اندر آ رہا تھا۔

''بھابی! میرا جوس تیار ہے تو لا دیں جلدی''۔ اس نے وہیں سے کچن کی طرف آواز لگائی تھی مگر پھر ٹھٹک کر رکا تھا۔

''ادھر آؤ' تمہارا تو جوس میں تیار کرتا ہوں''۔ سخت لہجے میں بولتے ہوئے انہوں نے جس طرح ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلایا تھا اس کا دم ہی خشک ہو گیا تھا۔

''تمہارے ہاتھ پیر سلامت نہیں ہیں جو اسے حکم دے رہے ہو' وہ میری بیوی کم تم لوگوں کی ملازمہ زیادہ لگتی ہے' پانی تک خود اٹھ کر نہیں پیتے ہیں نواب زادے''۔ وہ بری طرح اس پر برسے تھے جو ہونقوں کی طرح انہیں دیکھ رہا تھا۔

''ابھی اپنے ساتھ چلنے کا کہوں تو نیند ہی نہیں ٹوٹے گی' آج کیسے اٹھ گئے تم؟'' وہ خونخوار نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے جس کے مزید پسینے چھوٹ گئے تھے۔

''وہ..... میں نے سوچا آج جاگنگ.....'' وہ بمشکل پھنسی ہوئی آواز میں اتنا ہی بول سکا تھا۔

''یہ نہیں سوچا کہ جلدی اٹھ گیا ہوں تو ذرا مسجد کا ہی رخ کر لوں''۔ وہ دھاڑے تھے۔

''بڑے بھائی! مسجد میں جاگنگ.....''

''تھپڑ مار کر جبڑے توڑ دوں گا تمہارے''۔ وہ درمیان میں ہی بھڑک کر بولے تھے۔

''جاؤ جا کر گاڑی پر کپڑا پھیرو اور جب تک میں باہر نہیں آتا اسے صاف کرتے رہنا''۔ سخت لہجے میں اسے حکم دیتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئے تھے۔

''مت ہی ماری گئی تھی جو جلدی اٹھ گیا''۔ جھلاہٹ کے ساتھ بڑبڑاتے ہوئے شاہ رخ واپس باہر جانے کے لئے پلٹ گیا تھا۔

کچن میں داخل ہوتے ہوئے انہوں نے ایک نظر سدرہ کو دیکھا تھا جو چہرہ سوجائے کھڑی تھیں جبکہ ان کے شانوں کے گرد بازو رکھے شیث ان سے کچھ کہہ رہا تھا' دوسری نظر انہوں نے شان پر ڈالی تھی جو انہیں اندر آتے دیکھ کر شیری کو ہاتھوں میں اٹھائے اپنے چہرے کے ساتھ کرتے ہوئے ان کی نظروں سے ہی بچ کر باہر نکلنا چاہ رہا تھا۔

''میرے سرکار! ذرا جا کر تم بھی آسمان پر نظر ڈال کے دیکھو کہ آج سورج کہاں سے طلوع ہوا ہے''۔ خونخوار انداز میں انہوں نے شان کو دیکھا تھا جو ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کچن سے بھاگ گیا تھا۔

''جاؤ اب تمہاری باری ہے''۔ بوائل انڈے چھیلتے ہوئے سدرہ نے مدھم آواز میں طنز کیا تھا تو وہ مسکراہٹ چھپائے ٹیبل کے گرد ان کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

''تم سے ہزار بار کہا ہے کہ یہ کلر مت پہنا کرو''۔ ان کے سخت لہجے پر شیث نے چونک کر اپنی بلیک کلر کی شرٹ پر نظر ڈالی تھی۔

''بھابی کو یہ کلر مجھ پر اچھا لگتا ہے اسی لئے یہ شرٹ میں نے ان کی فرمائش پر پہنی ہے''۔ اس کے سنجیدگی سے جواب دینے پر سدرہ نے گلس کر اسے گھورا تھا جو مسکراتی نظروں سے انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔

''خوش نصیب ہو ورنہ میرا چہرہ تو کسی بھی رنگ میں ان کی نظروں میں نہیں جچتا''۔ ان کے طنزیہ لہجے پر سدرہ کھول کر رہ گئی تھیں جبکہ شیث نے مسکراہٹ چھپانے کیلئے چائے کا مگ ہونٹوں سے لگا لیا تھا۔

''بات سنو! اپنی بہن کو ذرا یاد دلا دو تین دن گزر گئے ہیں اب نازل ہو جائے یہاں' میرا کوئی بھائی یہاں سے نہیں جائے گا اسے لینے کیلئے' فون کر کے اسے کہو جس طرح گئی تھی اسی طرح واپس آ جائے ورنہ آج ہی جا کر پھوپھو بھتیجی کے ہوش ٹھکانے لگا دوں گا''۔ ناشتے سے فارغ ہو کر اٹھتے ہوئے وہ ناگوار لہجے میں جتاتے ہوئے بیوی سے ہی مخاطب تھے۔

ایک سنجیدہ نظر سدرہ پر ڈال کر وہ خاموشی سے شمس کے پیچھے ہی کچن سے باہر نکل گیا تھا' دوسری جانب سدرہ کھولتی ہی رہ گئی تھیں۔

☆

دروازے پر دستک ہوئی تھی' وہ کمپیوٹر اسکرین سے نظر ہٹا کر اس جانب متوجہ ہوا تھا جہاں دروازے سے اس کا مسکراتا چہرہ جھانکتا نظر آ رہا تھا۔

''آ جاؤ..... دونوں ایک ساتھ ہی گھر سے نکلیں گے تو اچھا رہے گا''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا تو وہ دھیرے سے ہنستے ہوئے دروازہ کھولتی اندر داخل ہوئی تھی۔

''ویسے خیریت تو ہے ناں تم اس وقت.....؟'' بغور اسے دیکھتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔

''کیوں..... اب تمہارے پاس آنے کیلئے بھی مجھے کوئی خاص وقت مقرر کرنا ہوگا.....؟'' ابرو چڑھائے وہ تیز لہجے میں بولی تھی۔

''نہیں' میرا مطلب تھا کہ تم اس طرح کبھی میرے کمرے میں نہیں آئی ہو تو..... تم آؤ تو' رک کیوں گئیں' بلکہ یہاں بیٹھ جاؤ''۔ کرسی سے اٹھتے ہوئے شیث نے کرسی کا رخ اس کی جانب کیا تھا۔

''نہیں تم بیٹھو''۔ ہاتھ کے اشارے سے اسے روکنے کا کہتی وہ ڈریسنگ ٹیبل کے کنارے بیٹھ گئی تھی۔

''تمہارے آنے کی اطلاع مل گئی تھی مگر نظر اب آ رہی ہو' خوب دل لگا کر نیند پوری کی تم نے''۔ کمپیوٹر آف کرتے ہوئے وہ بولا تھا۔

''ارے مت پوچھو اتنی تھکن ہو رہی تھی' ایسا لگ رہا تھا کہ پتا نہیں کتنی صدیوں سے نہیں سوئی ہوں' آج تو آتے ہی دوپہر میں آپی سے بھی کوئی بات نہیں کی میں نے' سیدھی اوپر آئی ہوں اور کمرہ بند کر کے سو گئی' ابھی کچھ دیر پہلے ہی جاگی ہوں تو سب نیند میں ڈوبے ہیں تمہارے سوائے''۔ وہ مسکراتے ہوئے تفصیل بتا رہی تھی۔

''تم نے کچھ کھایا ہے؟ لے کر آ دوں تمہارے لئے کھانا' اب تک تو کچھ نہیں کھایا ہو گا تم نے؟''

''نہیں' ابھی تو سو کر اٹھی ہوں کچھ دیر بعد نیچے جا کر کھانا بھی کھاؤں گی اور ٹی وی بھی دیکھوں گی اور تمہارے بھائی کی نیند بھی حرام کروں گی''۔ وہ بولتے ہوئے ہنسی تھی۔

''میں تو نیچے ہی جا رہی تھی مگر تمہارے کمرے کی لائٹ آن تھی اس لئے سوچا کہ تم جاگ رہے ہو تو پہلے تمہیں منا کر تمہاری ناراضی دور کر دوں''۔ بغور اسے دیکھتے ہوئے وہ مسکرائی تھی۔

''کس احمق نے تمہیں یہ اطلاع دی ہے کہ میں کبھی تم سے ناراض بھی ہو سکتا ہوں''۔ وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا تھا۔

''اچھا یہ پھول تو دیکھو' کیسے لگ رہے ہیں؟'' اس نے مسکراتے ہوئے اپنے ہاتھ میں موجود پھول اسے دکھائے تھے۔

''ہاں...... میں وہی دیکھ رہا ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ یہ پھول تم لائی کس کے لیے ہو؟'' وہ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے بولا تھا۔

''اس گھر میں سورج مکھی کے پھول میں کس لئے لا سکتی ہوں؟'' خشمگیں لہجے میں بولتے ہوئے وہ رُکی تھی۔

''اوہ...... میرے خدا...... شیث دیکھو ان پھولوں کا رخ خود بخود تمہارے مکھڑے کی طرف گھوم رہا ہے''۔ اس کی طرف آتے ہوئے وہ جس طرح حیرانگی کے ساتھ بولی تھی شیث کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔

''بیٹھے بٹھائے تمہیں موقع ملنا چاہیے مجھے ہیبت میں مبتلا کرنے کا''۔ اس سے پھول لیتے ہوئے وہ بولا تھا جبکہ وہ ہنستے ہوئے واپس اپنی جگہ جا بیٹھی تھی۔

''پتا ہے اتنے جتن سے ان چار پھولوں کو چرا کر سنبھال سنبھال کر یہاں تک لائی ہوں' جہاں ہم گئے تھے وہاں اتنے ڈھیروں قسم کے پھولوں کی بہتات تھی کہ دل باغ باغ ہو گیا' مگر آنکھوں کو سب سے زیادہ جو بھائے وہ یہی پھول ہیں''۔ وہ بتا رہی تھی جبکہ وہ خاموشی سے ان کھلے کھلے زرد پھولوں کو دیکھ رہا تھا۔

''کیا ہوا' اچھے نہیں لگے تمہیں؟'' یکدم ہی اسے احساس ہوا تھا تو کچھ شرمندگی کے ساتھ پوچھا تھا۔

''یہ مجھے بہت اچھے لگ رہے ہیں اور تم لائی ہو تو یہ مجھے اور بھی عزیز ہو گئے ہیں''۔ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولتے ہوئے وہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر یہ پھول مرجھا گئے تو......؟'' اس کے لہجے میں اس کی آنکھوں میں کچھ تھا جو سارہ کے چہرے کا رنگ ایک پل کیلئے بدل گیا تھا مگر اگلے ہی پل وہ مسکرائی تھی۔

''تو کیا ہوا...... مرجھانے دو' کمی تھوڑا ہی ہے اور آ جائیں گے''۔ وہ بولی تھی۔

''نہیں...... اور نہیں...... بس یہی''۔ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ جس طرح نفی میں ہلکا سا سر ہلاتے ہوئے بولا تھا اسے دیکھتے ہوئے سارہ کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی' جبکہ وہ خاموشی کے ساتھ پھولوں کی گداز پتیوں کو انگلیوں سے چھو رہا تھا۔

بوجھل ہوتے دل کو نظر انداز کرتے ہوئے سارہ نے ایک گہرا سانس لے کر اسے دیکھا تھا۔

''تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم کیوں اتنے مرجھائے ہوئے نظر آ رہے ہو؟'' اس کے پوچھنے پر شیث نے بس ایک نظر اسے دیکھا تھا مگر کچھ بول نہیں سکا تھا۔

''میں جانتی ہوں تم پریشان ہو اور یہ بھی جانتی ہوں کہ کیوں ہو......؟'' اس کے پُریقین لہجے پر وہ اس بار بھی خاموش ہی رہا تھا۔

''فکر مت کرو' میں نے پہلی فرصت میں جا کر عاشر بھائی کو تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے''۔ سارہ کے اطمینان سے بتانے پر وہ دنگ ہوا تھا۔

''کیا مطلب...... تم نے واقعی انہیں میرے بارے میں بتا دیا ہے؟'' وہ بے یقینی کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔

''تو اور کیا...... سب بتا دیا ہے میں نے ان کو...... اور آتے ہوئے پھپھو کو بھی دوٹوک انکار کر آئی ہوں' لیکن اگر انہوں نے زیادہ فورس کیا آپی کو تو پھر کسی کا بھی ذرا بھی لحاظ نہیں کروں گی' ڈرتی نہیں ہوں کسی سے''۔ وہ نخوت کے ساتھ سر جھٹکتے ہوئے بولی تھی۔

''تم سے سب جاننے کے بعد کچھ کہہ رہے تھے وہ؟'' وہ مزید پوچھ رہا تھا۔

''کیا کہیں گے' الٹا شرمندہ ہو گئے' مگر میں بھی کیا کرتی کوئی لگی لپٹی نہیں رکھی میں نے' اگر ان کے دماغ میں کچھ خلل ہوا بھی ہو گا تو اب تک ٹھیک ہو گیا ہو گا''۔ پرفیوم اٹھا کر چیک کرتے ہوئے وہ لاپرواہ انداز میں بولی تھی۔ پرفیوم کی بھینی بھینی مہک کا اسپرے ہاتھ کی پشت پر کرتے ہوئے سارہ نے رک کر اسے دیکھا تھا جو بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''کیا ہوا' اب ایسے کیا دیکھ رہے ہو' میں نے کچھ غلط کر دیا ہے کیا؟'' وہ کچھ خفگی کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔

''نہیں' میں تو بس یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم اتنی خوبصورت ہو کر واپس آئی ہو کہ میری نظریں نہیں ہٹ رہیں تمہارے چہرے سے''۔ اس کے مسکراتے لہجے پر سارہ نے بے ساختہ ہنستے ہوئے پیچھے آئینے میں اپنے عکس کو دیکھا تھا۔

''ہاں...... صحیح کہہ رہے ہو' میں تو خود ہی اپنی شکل دیکھ کر دہشت زدہ ہو رہی ہوں' پوری شکل بگڑ گئی ہے مگر وہ جگہ ہی ایسی تھی کہ تیز دھوپ میں بھی مارے مارے پھرنا بہت اچھا لگ رہا تھا''۔ بولتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''اب میں تو چلی' اور یہ رہے تمہارے وہ روپے جو میرے جانے سے پہلے تم پتا نہیں کب کمرے میں رکھ گئے تھے' اتنے روپیوں کی تو مجھے ضرورت بھی نہیں تھی' مگر پھر بھی میں نے رکھ لئے تھے لیکن وہاں خرچ کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی''۔ تفصیل بتاتے ہوئے اس نے روپے ڈریسنگ ٹیبل پر ہی رکھ دیے تھے۔

''سارہ! یہ روپے فوراً اٹھاؤ' میں نے واپس لینے کے لئے یہ تمہیں نہیں دیے تھے''۔ کچھ ناراضی سے بولتے ہوئے وہ اس کی سمت آیا تھا۔

''مگر شیث! مجھے واقعی اب ان کی ضرورت نہیں ہے' جب ضرورت تھی تو خاموشی سے رکھ لئے تھے ناں' دوبارہ ضرورت پڑی تو پھر تم سے کہہ دوں گی''۔ وہ بولی تھی۔

''بات سنو! میری کوئی چیز اپنے پاس رکھنے کے لئے تم دوبارہ مجھے یہ مت بتانا کہ تمہیں اس کی ضرورت ہے یا نہیں ہے''۔ شکایتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ تنبیہہ کر رہا تھا۔

''ضرورت ہے تو بھی رکھو' ضرورت نہیں پھر بھی اپنے پاس رکھو''۔

''ہیں...... اچھی زبردستی ہے''۔ وہ حیرت سے اس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے ہنسی تھی۔

''ہاں زبردستی ہے' مجھے بالکل اچھا نہیں لگا تمہارا اس طرح روپے واپس کرنا' مجھے یہ بھی امید نہیں تھی کہ تم ایسا

غیروں جیسا سلوک کرو گی میرے ساتھ‘‘۔ وہ واقعی بہت ناراضی کے ساتھ بولا تھا۔

’’ارے میرے خدا! معاف کردو‘ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی ہے‘‘۔ جس طرح ہاتھ جوڑ کر اپنی پیشانی سے لگاتے ہوئے وہ عاجز آ کر بولی تھی تو شیث نے بمشکل ہی اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی۔

’’ذرا سی بات پر اس طرح شکوے شکایت شروع ہوجاتے ہیں تمہارے جیسے تم میری گرل فرینڈ ہو......‘‘ مسکرا کر بولتے ہوئے وہ یکدم ہی رک کر دروازے کی سمت متوجہ ہوئی تھی جبکہ دروازے کی سمت ہی پلٹتے ہوئے شیث کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ باری باری ان دونوں پر نظر ڈالتے ہوئے وہ اب اندر آرہے تھے‘ ان کی آنکھوں اور چہرے پر کچھ ایسے تاثرات تھے کہ وہ خود بھی چند لمحوں کیلئے حق دق کھڑی رہ گئی تھی۔

’’تم اس وقت اس کمرے میں کیا کر رہی ہو؟‘‘ جن نظروں سے سارہ کو دیکھتے ہوئے انہوں نے جس لہجے میں اس سے سوال کیا تھا پتا نہیں کیوں اس کا سارا اعتماد ختم ہوگیا تھا۔

’’مجھے شیث سے کچھ کام تھا‘‘۔ وہ بمشکل ہی بول سکی تھی۔

’’آدھی رات کو کیا کام یاد آ گئے تمہیں اس سے۔ ذرا سی شرم باقی رہی ہے تمہارے اندر یا وہ بھی بیچ کھائی ہے تم نے‘‘۔ ان کی سخت اور بلند آواز پر وہ ساکت نظروں سے انہیں دیکھتی رہ گئی تھی۔

’’آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں‘ اس نے کیا کر دیا ہے جو آپ اس طرح بول رہے ہیں‘ کیا دیکھ لیا آپ نے اس کمرے میں جو......‘‘ بے یقین نظروں سے بھائی کو دیکھتے ہوئے وہ بولا تھا۔

’’تم اپنا منہ بند رکھو‘ بہت کر چکے ہو تم اپنی من مانی‘‘۔ شہادت کی انگلی اٹھائے وہ شدید طیش میں اسے روک گئے تھے جو دنگ کھڑا تھا۔

’’ان کی بات مان لو شیث! اور اپنا منہ بند رکھو‘ جو الزام یہ مجھ پر لگانا چاہتے ہیں لگانے دو‘ کیونکہ تمہارے چہرے اور تمہارے کردار پر کالک ملنے ہی تو یہاں آئی ہوں‘‘۔ سپاٹ لہجے میں بولتے ہوئے وہ چہرہ صرف اُن کا دیکھ رہی تھی جن کے چہرے پر سنگلاخ چٹانوں جیسی سختی پھیلی تھی۔

’’تم ایسا ہی کر سکتی ہو‘ کیونکہ تم سے کچھ بعید بھی نہیں ہے‘ آج تو تم نے مجھے واقعی یقین دلایا ہے کہ انتہا درجے کی بے حیا اور گھٹیا لڑکی ہو تم جو آدھی رات کو میرے بھائی کے کمرے میں......‘‘ شدید خونخوار نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے انہوں نے بمشکل ہی خود کو مزید کچھ کہنے سے روکا تھا۔

’’آج آپ کو یقین آیا ہے کہ میں بے حیا ہوں‘ گھٹیا ہوں کیونکہ آدھی رات کے وقت میں آپ کے بھائی کے کمرے میں موجود ہوں‘ مگر یہ یقین تو آپ کو اُسی وقت ہی آجانا چاہیے تھا جب میں نے ساری رات آپ کے اس بھائی کے سرہانے گزاری تھی‘‘۔ سرخ چہرے کے ساتھ وہ گھٹی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

’’تو کیا آج بھی وہی یادیں تازہ کرنے آئی تھیں تم...... اسی رات کا تو خمیازہ بھگت رہا ہوں آج تک تمہاری صورت میں‘‘۔ وہ بے طرح بھڑک کر بولے تھے۔

’’آپ کو اگر اسی طرح اسے بے عزت کرنا تھا تو بہت اچھا ہوتا کہ آپ اسے اس گھر میں ہی نہ لے کر آتے‘‘۔ ضبط کی انتہا ختم ہوئی تھی تو وہ پھر بول اٹھا تھا۔

’’آپ یہی جاننا چاہتے ہیں ناں کہ یہ آدھی رات کو یہاں کیا کرنے آئی تھی‘ تو میں آپ کو بتا دیتا ہوں‘‘۔ سرخ چہرے کے ساتھ وہ بھنچی ہوئی آواز میں بولا تھا۔

’’یہ یہاں وہی کرنے آئی تھی جس کے بارے میں آپ سوچ رہے ہیں‘‘۔ اس کے درشت لہجے پر وہ بھی

پل کو ساکت ہوئے تھے مگر اگلے ہی پل ان کے الٹے ہاتھ کا تھپڑ شیث کے چہرے سے ٹکرایا تھا۔

سفید پڑتے چہرے کے ساتھ وہ ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی جو تھپڑ کی شدت سے لڑکھڑا کر پیچھے ہوا تھا۔

’’یہ تم نہیں بول رہے‘ تمہارے منہ میں اس کی زبان بول رہی ہے‘‘۔ خونخوار نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ سارہ کی سمت اشارہ کرتے دھاڑے تھے۔

’’آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں‘ آپ کی ہر بات درست ہے‘ آپ کا ہر شک بھی میں تصدیق دے کر یقین میں بدل دیتی ہوں‘ ابھی سڑک پر لے جا کر سنگسار کریں مجھے‘ لوگوں کے ہجوم میں کھڑے ہو کر سب کے ساتھ مل کر پتھر برسائیں مجھ پر‘ اتنے پتھر برسائیں مجھ پر...... اتنے کہ میرے ہر اس لفظ کی اذیت کا ازالہ ہوجائے جن لفظوں کے تیر میں نے آپ کے دل پر برسائے تھے‘ وہ تیر جس سے لگنے والے زخموں نے آپ کے دل کو اتنا چھوٹا‘ اتنا تنگ کر دیا ہے کہ اب وہاں میرے لئے نفرت بھی سنبھال کر رکھنا آپ کیلئے مشکل ہوگیا ہے‘‘۔ ڈبڈبائی آنکھوں سے انہیں دیکھتے ہوئے وہ لرزتی آواز میں بول رہی تھی۔

’’بہت تکلیف دہ ہوتا ہے کسی کی نظروں سے گرنا‘ اس سے کہیں زیادہ اذیت ناک ہوتا ہے اپنی ہی نظروں میں گر جانا‘ اپنی نظروں سے تو مجھے گراتے گراتے آپ خود بہت بلندی پر پہنچ گئے‘ مگر آج مجھے میری ہی نظروں میں گرا کر آپ نے مجھے اس انسان کے سامنے مزید پستیوں میں پھینک دیا ہے‘ جس نے مجھے اپنی زندگی میں ایک مقام دیا تھا‘ مگر آپ نے تو مجھے اس مقام سے بھی نیچے گرا دیا‘‘۔ آنسوؤں سے بھیگتے چہرے کے ساتھ وہ کانپتے لہجے میں ان سے ہی مخاطب تھی جو ساکت نظروں سے اس کے چہرے پر پھیلی اذیت کو دیکھ رہے تھے۔

’’اتنی بے دردی کے ساتھ تو کسی جسم فروش کرنے والی عورت کو بھی اس کے پیشے کا طعنہ نہیں دیا جاتا جس طرح آپ نے مجھے......‘‘

شیشہ ٹوٹنے کی تیز آواز کمرے میں گونج اٹھی تھی تو اس نے خاموش ہو کر چند لمحوں کے لیے آنکھیں بند کیں تھیں۔ دنگ نظروں سے وہ اس کی پشت کو دیکھ رہے تھے‘ جس کے اشتعال انگیز وار نے کھڑکی کے شیشے کو توڑ دیا تھا۔

آنکھیں کھول کر سارہ نے اس کی پشت پر ڈال کر اس کے خون آلود زخمی ہاتھ کو دیکھا تھا جو ٹوٹ کر باقی رہ جانے والے کانچ کے کنارے پر ٹکا ہوا تھا۔

گردن موڑ کر اس نے دہلیز پر موجود سدرہ کو دھندلائی آنکھوں سے دیکھا تھا اور اگلے ہی پل وہ لرزتے قدموں کے ساتھ ان کی طرف بڑھ گئی تھی۔

’’آپی! میں اُس وقت نہیں جانتی تھی کہ میرے وہ جملے آگے جا کر مجھ سے ہی میرا سب کچھ چھین لیں گے‘ اگر جانتی تو اپنے ہاتھوں سے بہت پہلے ہی اپنی زبان کاٹ چکی ہوتی‘‘۔ بہتے آنسوؤں کے ساتھ ان کے قریب رک کر وہ اتنا ہی بولی تھی اور اگلے ہی پل ان کے برابر سے نکلتی تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

’’میں آپ سے بہت کچھ کہنا چاہتی ہوں مگر کہہ نہیں سکتی‘ میری زبان بند ہوچکی ہے کیونکہ آپ میرے بچوں کے باپ ہیں‘ میں نہیں جانتی تھی کہ آج تک میں جس شخص کے ساتھ زندگی گزارتی رہی ہوں وہ ایک کم ظرف انسان ہے‘‘۔ چبھتے لہجے میں وہ شوہر سے مخاطب ہوئی تھیں جو اپنی جگہ ساکت کھڑے تھے‘ ایک سلگتی نظر ان پر ڈال کر وہ دہلیز سے ہی واپس پلٹ گئی تھیں۔

دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ وہ اس کی جانب متوجہ ہوئے تھے اور اگلے ہی پل سرعت سے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ ٹوٹے ہوئے شیشے سے الگ ہٹایا تھا جسے اس نے سختی سے اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔

”میں نہیں بھول سکتا وہ زہر جو اس نے تمہارے بارے میں اگل کر تمہیں ٹھوکر لگائی تھی“۔ ایک جھٹکے سے اس کا رخ اپنی طرف کرتے ہوئے وہ بولے تھے

”تو کیا غلط کہا تھا اس نے‘ جو کچھ کہا تھا وہ سچ ہی تو تھا‘ میری حقیقت اسی سڑک سے شروع ہوتی ہے‘ آپ اس سچ کو اس حقیقت کو مان کیوں نہیں لیتے‘ کیوں نظر چرا کر رکھنا چاہتے ہیں“۔ سرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ وہ بلند آواز میں بولا تھا۔

”آپ کچھ نہیں بھول سکتے‘ مگر مجھے بھول سکتے ہیں‘ ایک عرصے سے صرف ایک ہی چیز مانگ رہا ہوں آپ سے سوائے اس کے کچھ اور طلب نہیں کیا مگر...... کیسی محبت کرتے ہیں آپ مجھ سے کہ میرا رواں رواں آپ سے بھیک مانگ رہا ہے اور آپ دامن جھٹک کر دور ہٹ جاتے ہیں“۔ اس کے دزدیدہ لہجے پر وہ چند لمحوں تک اس کے چہرے کو دیکھتے رہے تھے مگر پھر تھکے تھکے انداز میں چلتے ہوئے کرسی پر جا بیٹھے تھے۔

”آج مجھے سمجھ میں آ چکا ہے کہ آپ اسے اس گھر میں کیوں لائے تھے“۔ ان کی جانب دیکھے بغیر وہ بول رہا تھا۔

”میں ہی اس کے اندیشوں کو غلط کہتا رہا تھا مگر وہ ٹھیک کہتی تھی‘ صرف اپنی انا کی تسکین کیلئے آپ نے اُسے اس گھر میں رکھا‘ اس طرح اُسے بے عزت کر کے آپ اس سے بدلہ ہی تو لے رہے ہیں اس سچ کا“۔

”میں اس سے کوئی بدلہ نہیں لے رہا ہوں“۔ اس کی جانب دیکھے بغیر وہ مدھم لہجے میں بولے تھے۔

”آپ ایسا کر رہے ہیں“۔ وہ بولا تھا۔

”کیا مقام ہونا چاہیے میرے دل میں اس عورت کا جس نے اپنے سر سے چادر اتار کر میرے برہنہ وجود پر ڈالی تھی‘ دنیا کی نظروں سے چھپانے کیلئے...... آپ کیسے توقع کر سکتے ہیں اس سے کہ وہ مجھے دنیا کے سامنے کھول سکتی ہے‘ کوئی طعنہ دے کر اذیتوں سے گزار سکتی ہے۔ آج تک اس نے مجھ سے کچھ نہیں پوچھا‘ کوئی سوال تک نہیں کیا‘ میری روح تک پر لگے زخم دیکھے ہیں اس نے‘ مگر مجھے اس کی آنکھوں میں بھی کوئی سوال ابھرتا نظر نہیں آیا ہے“۔ سر اٹھا کر وہ اس کے چہرے کو دیکھ رہے تھے جو لہو رنگ ہوتی آنکھوں سے انہیں دیکھتا ہوا گھٹنوں کے بل ان کے سامنے آ بیٹھا تھا جبکہ وہ فوراً ہی اس سے نظر چراتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے مگر وہ ان کا ہاتھ پکڑ کے روک چکا تھا۔

”آج آپ کو میری بات سننی ہوگی“۔ ان کا ہاتھ اپنی گرفت میں جکڑے وہ مضبوط لہجے میں بولا تھا۔

”مجھے کوئی جھجک محسوس نہیں ہو رہی آپ کے سامنے یہ اعتراف کرتے ہوئے کہ میرے پاس اب جو کچھ ہے صرف اُسی کا ہی ہے‘ اس کے علاوہ میں کسی بھی دوسری عورت کو کچھ نہیں دے سکتا ہوں“۔ اس کے گھٹے ہوئے مگر قطعی لہجے پر شمس نے بس ایک سپاٹ نظر اس کے سرخ ہوتے چہرے اور آنکھوں میں چمکتی نمی کو دیکھا تھا اور اگلے ہی پل وہ اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکالتے ہوئے تیز تیز قدموں کے ساتھ کمرے سے نکلتے چلے گئے تھے۔



اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے آگے بڑھتے بڑھتے وہ رک کر اسے دیکھ رہی تھیں جو اترے ہوئے چہرے کے ساتھ ان کی سمت ہی آ رہا تھا۔

”آپ مجھے اس کے پاس جانے دیں‘ صرف ایک بار مجھے اس سے بات کرنے دیں“۔ وہ مدھم مگر ملتجی لہجے میں ان سے اجازت مانگ رہا تھا۔

”اب اور کون سی کسر رہ گئی ہے جسے پورا کرنے کیلئے تم اس کے پاس جانا چاہتے ہو“۔ وہ تیز لہجے میں ناگواری سے بولی تھیں۔

”آپ کو بھی مجھ پر بھروسہ نہیں ہے‘ بھائی کی طرح آپ بھی......“ شدید تاسف کے ساتھ انہیں دیکھتے ہوئے اس نے بات ادھوری چھوڑی تھی۔

”شیث! میں کم از کم اس وقت تم سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی ہوں‘ تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے اس سے بات کرنے کی‘ بہتر ہے کہ تم اس کے پاس مت جاؤ“۔ وہ سخت لہجے میں بولی تھیں جس پر اس کے چہرے کے تاثرات تن گئے تھے۔

”اس کے پاس جانے سے مجھے آپ بھی نہیں روک سکتیں‘ یہ آپ جانتی ہیں“۔ سرد لہجے میں وہ بولا تھا اور اگلے ہی پل بند دروازے کو کھولتا کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔

سامنے اس پر نظر پڑتے ہی وہ بس ایک پل کے لئے ساکت ہوا تھا‘ دوسری جانب وہ بے تحاشہ سوجی ہوئی سرخ آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی‘ جس کے چہرے پر انتہائی خطرناک سنجیدہ تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔

”چلو میرے ساتھ“۔ قریب آتے ہی شیث نے اس کا ہاتھ پکڑ کے واپس پلٹنا چاہا تھا مگر وہ بمشکل ہی اس کے ہمراہ آگے بڑھنے سے خود کو روک سکی تھی۔

”کہاں لے جا رہے ہو مجھے؟“ اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکالنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ بولی تھی۔

”وہیں لے جا رہا ہوں جہاں تمہیں لے کر بہت پہلے ہی چلے جانا چاہیے تھا مجھے“۔ سرخ چہرے کے ساتھ وہ کچھ جارحانہ لہجے میں بولا تھا۔

”میرا ہاتھ چھوڑ دو‘ میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی“۔ اس کے سرد لہجے پر وہ ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”تمہیں کسی سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے سارہ! میں تمہارے ساتھ ہوں میں کبھی تمہیں......“

”میں اسی لئے خوفزدہ ہوں کہ تم میرے ساتھ ہو‘ چند دنوں کے لئے...... چند مہینوں کے لئے...... یا صرف چند سالوں کے لئے...... بس“۔ اس کی بات کاٹتے ہوئے وہ تلخ لہجے میں بولی تھی‘ دوسری جانب وہ جو دنگ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا یکدم ہی سارہ کے ہاتھ پر اس کی گرفت کمزور پڑنے لگی تھی۔

”جو شخص مجھے اپنے گھر میں کوئی مقام اور عزت نہیں دے سکا‘ وہ گھر کے باہر مجھے لے جا کر کیا دے سکتا ہے‘ سوائے ذلت کے“۔ اپنا ہاتھ اس کی کمزور پڑتی گرفت سے کھینچتے ہوئے وہ کاٹ دار لہجے میں بولی تھی۔

”تم اسی چیز کی سزا دینا چاہتی ہو مجھے؟“ دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ وہ بمشکل ہی بول سکا تھا۔

”جو کچھ ہوا ہے اس کے لیے میں تم سے معافی مانگتا ہوں‘ تم جو چاہے سزا مجھے دے دو‘ جتنا برا کہنا چاہتی ہو کہہ دو‘ مگر میرے ساتھ چلنے سے انکار مت کرو‘ تم مجھے بس ایک آخری موقع دے دو‘ اس کے بعد میں سب کچھ ٹھیک کر دوں گا“۔ اس کی آنکھوں میں نظر آتی اجنبیت کے سرد تاثر کو دیکھتے ہوئے وہ مدھم لہجے میں بولا تھا۔

”تمہیں دینے کیلئے اب میرے پاس کچھ نہیں ہے‘ ایک موقع بھی نہیں“۔ وہ اسی سرد لہجے میں بولی تھی۔

”تم نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے کہ تم مجھ سے معافی مانگو‘ بس اتنا کرو کہ تم سب مجھے معاف کر دو اور بخش دو مجھے“۔

”تم مجھے خود سے دور کرنا چاہتی ہو یا مجھ سے دور جانا چاہتی ہو؟“ بے یقین نظروں سے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے وہ بولا تھا۔

”ایک ہی بات ہے اور ہاں میں ایسا ہی چاہتی ہوں‘ تمہارے قریب رہ کر بھی مجھے کون سے اعزازی تمغے مل گئے“۔ وہ شدید اشتعال میں بولتی چلی گئی تھی۔

''جب سے تم میری زندگی میں آئے ہو زندگی ہی تنگ ہوتی چلی گئی ہے مجھ پر' کس گناہ کا عذاب بن کر نازل ہو گئے ہو تم' میں اپنی ساری زندگی عذاب کو کاٹتے ہوئے نہیں گزارنا چاہتی ہوں' رکھا کیا ہے تمہارے پاس میرے لئے' قدم رکھنے کے لئے دو گز کی زمین تک نہیں' میں کیوں اپنی عزتِ نفس کو کچلتی رہوں تمہارے لئے...... آخر کب تک میں ذلتوں کا بوجھ ڈھوتی رہوں گی' اس سے تو بہتر ہے کہ میں مر ہی جاؤں کسی طرح نجات تو ملے اس عذاب سے''۔ سلگتے لہجے میں بول کر وہ اس کے چہرے سے نظریں ہٹا چکی تھی جو اَب تک ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''خاموش کیوں ہو گئی ہو' بولتی رہو' تمہارے مزید سچ سننے کی سکت ابھی اور باقی ہے مجھ میں''۔ اس کے مدھم لہجے میں کچھ تھا جو وہ چاہتے ہوئے بھی اس کی جانب نہیں دیکھ سکی تھی بلکہ مزید اپنا رخ موڑ گئی تھی' دوسری جانب اس کی خاموشی پر دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھتا ہوا وہ پلٹ کر دروازے کی سمت بڑھ گیا تھا جہاں سدرہ ساکت کھڑی اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔

''مجھے یقین ہے اب ''وہ'' بہت پرسکون ہوں گے''۔ بس ایک پل کو رک کر ان کی جانب دیکھے بغیر وہ سرد لہجے میں بولا تھا اور اگلے ہی پل تیز قدموں کے ساتھ وہاں سے چلا گیا تھا۔



کرسی کی پشت سے سر ٹکائے وہ آنکھیں بند کیے ساکت بیٹھے تھے' آنکھ کے تاریک پردوں پر بار بار اس کا چہرہ ابھرتا جا رہا تھا' پہلی بار انہوں نے اس طرح اُسے ہارتے ہوئے اور روتے ہوئے دیکھا تھا' پہلی بار انہوں نے اس کی ہمیشہ تنی ہوئی گردن کا کلف ٹکلتا دیکھا تھا۔ وہ جو ہمیشہ ہی ان سے روبرو مقابلہ کرتی آئی تھی اور شاید وہ پہلی انسان جو ہمیشہ ان کی نفی کر کے انہیں خاموش ہو جانے پر مجبور کرتی آئی تھی' کس طرح ان کے ہی سامنے پسپائی اختیار کر کے ہتھیار ڈال چکی تھی۔

قدموں کی آہٹ پر انہوں نے چونک کر آنکھیں کھولی تھیں۔ ستے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ بس خاموش نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

''میں واقعی ایک کم ظرف انسان ہوں سدرہ! تم نے میرے لئے' میرے گھر کے لئے' مجھ سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کے لئے اپنے آپ کو اپنی ذات کو وقف کر دیا اور میں بدلے میں تمہیں تکلیف پہنچاتا رہا' جانتے ہوئے بھی کہ تم اس سے کتنی محبت رکھتی ہو ہر بار اسے زد میں لا کر تمہارے ساتھ زیادتی کا مرتکب ہوتا رہا ہوں''۔ وہ بوجھل لہجے میں بولے تھے۔

''تم جانتی ہو وہ مجھ سے بات نہیں کر رہا' میری طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھ رہا' کترا رہا ہے مجھ سے' وہ اندازہ نہیں کر سکتا کہ اس کا یہ رویہ مجھے کتنی تکلیف پہنچا رہا ہے''۔ وہ تکلیف دہ لہجے میں بولے تھے۔

''کیا آپ اس کی تکلیف کا اس وقت اندازہ کر سکتے ہیں؟'' سنجیدہ نظروں سے وہ انہیں دیکھ رہی تھیں جن کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔

''مجھے ہر بات کا اندازہ ہے سدرہ! محسوس کرتا ہوں میں سب کچھ مگر میں نہیں بھول سکتا وہ ساری باتیں' وہ سارے لفظ جو کسی خنجر کی طرح میرے دل میں گڑے ہوئے ہیں' میں بہت کوشش کرتا ہوں لیکن......'' وہ شدید اضطرابی کیفیت میں اب خاموش ہو کر سلگتی پیشانی کو انگلیوں سے مسل رہے تھے۔

''آپ سب کچھ نہیں بھول سکتے' مگر پھر بھی آپ اس سے ویسی ہی محبت رکھتے ہیں جیسی اپنے بھائیوں سے' جیسی اپنی اولاد سے کرتے ہیں''۔ سدرہ کے گہرے سنجیدہ لہجے پر وہ ان سے نظریں نہیں ملا سکے تھے۔

''شاید آپ اس محبت سے انجان رہنا چاہتے ہیں' اس سچ کو چھپا کر رکھنا چاہتے ہیں مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مجھ سے بھی سب چھپا رہے' میں آپ کو اس سے زیادہ بہتر جاننے کا دعویٰ بہت یقین سے کر سکتی ہوں''۔ ان کے چہرے پر لہراتے تاریک سائے کو بغور دیکھتے ہوئے وہ بول رہی تھیں۔

''وہ اگر آپ کی غیر موجودگی میں پھپھو کے گھر چلی جائے تو آپ سوال پر سوال کر کے مجھ سے ناراض ہوتے ہیں' وہ آپ کی موجودگی میں سامنے ہو تو کسی نہ کسی بات پر آپ کی اس سے جھڑپیں شروع ہو جاتی ہیں' گھر میں وہ زیادہ دیر تک آپ کو نظر نہ آئے تو آپ کی نظریں اسے ڈھونڈتی ہیں مگر وہ نظر آتی ہے تو آپ اس کی طرف دیکھتے تک نہیں ہیں''۔ وہ بول رہی تھیں۔

''اس سے پوچھو اُسے کسی چیز کی ضرورت ہے تو تم سے ہی کہہ دیا کرے''۔

''اس سے کچھ پوچھے بغیر ہی روپے اسے دے دیا کرو' محترمہ کی ناک بہت اونچی ہے' کبھی میری جیب سے نکلے روپے تمہارے ہاتھ سے نہیں لے گی''۔

''اس کا خیال رکھا کرو وہ ذمہ داری ہے میری' میرے اپنے بھائیوں کے علاوہ بھی یہاں جوان لڑکے موجود ہیں' اسے تنہا اِدھر اُدھر مت جانے دیا کرو''۔ سنجیدہ نظروں سے وہ انہیں دیکھ رہے تھے جو ان کے جملے ہی دہرا رہی تھیں۔

''کیا میں جانتی نہیں ہوں کہ آپ کے قول و فعل میں کیوں تضاد ہے' کیا میں اندازہ نہیں کر سکتی کہ اس کا بار بار پھپھو کی طرف جانا آپ کو کیوں ناگوار گزرتا ہے' اگر آپ کو اس کی پرواہ نہیں ہے تو آپ یہ اپنے عمل سے بھی کیوں ظاہر نہیں کرتے؟'' وہ ان سے پوچھ رہی تھیں جو کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں تھے۔

''وہ آپ کے بچوں کو ہر وقت گود میں اٹھائے رکھتی ہے تو یہ چیز آپ کو جھنجلاہٹ میں مبتلا کرتی ہے' لیکن اگر وہ آپ کے بچوں کو نظر انداز کر کے انہیں روتا چھوڑ کر کہیں چلی جائے تو یہ چیز بھی آپ سے برداشت نہیں ہوتی ہے۔ آپ اس سے نفرت نہیں کرتے ہیں' آپ بس اس کی باتوں کو آج تک دل سے لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں' اگر صرف ایک بار آپ شیث کی وجہ سے ہی اسے معاف کر دیتے تو یہ سب کچھ نہ ہوتا جو آج ہو رہا ہے''۔ وہ قطعی لہجے میں بولتی جا رہی تھیں۔

''شیث کبھی آپ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتا' مگر صرف ایک کام وہ آج تک آپ کی مرضی کے خلاف کرتا آیا ہے' ہر چیز کے باوجود آپ سارہ کو اس گھر میں لانے پر بضد رہے' میں جانتی ہوں وجہ یہ نہیں ہے کہ میری ماں نے آپ کو اس کی ذمہ داری سونپی تھی' میری ماں اگر ایسا نہ بھی کرتیں تو بھی آپ نے سارہ کو لانا اسی گھر میں تھا شمس! کیونکہ آپ کا دل شیث کے حوالے سے اسے قبول کر چکا تھا' لاکھ آپ نے زبان سے اس چیز کا اقرار کبھی نہ کیا مگر آپ کا دل یہ نہیں مان سکا تھا کہ وہ کسی اور کی چھت تلے رہے' کسی اور کا حق اس پر قائم ہو جائے' لیکن آپ کا ذہن آج تک الجھا ہوا ہی ہے' کسی بھی حقیقت کو ماننے سے انکاری ہے' آپ مجھے بتائیں کیا میں کچھ غلط کہہ رہی ہوں؟''

وہ پوچھ رہی تھیں مگر وہ بس ساکت نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے' تردید کا ایک لفظ بھی ان کے پاس نہیں تھا۔

''آج آپ کو یہ حقیقت بھی جان لینی چاہیے شمس! کہ میری بہن کو شیث سے ہزار درجے بہتر انسان مل سکتا ہے''۔ ان کے لہجے کی سچائی پر شمس کے چہرے کے تاثرات بدلتے چلے گئے تھے۔

''میں جانتی ہوں میری اس بات نے آپ کو تکلیف پہنچائی ہے' شاید میری جگہ کوئی اور یہ بات کہتا تو آپ اس کی زبان کھینچ لیتے''۔ وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی تھیں۔

''آپ نے کبھی سوچنے کی کوشش کی ہے کہ آپ کے اس نفرت انگیز رویئے کے باوجود وہ اب تک یہاں کیوں رکی ہوئی ہے؟'' وہ ان سے پوچھ رہی تھیں جو بالکل گم صم تھے۔

''وہ تو ایسی لڑکی ہے کہ مجھ سے عمر میں اتنا کم ہونے کے باوجود مجھے خاموش کروا دیتی ہے' اس کی گھٹی میں اشتعال اور اپنی صرف اپنی 'میں' موجود ہے' اپنے اسی اشتعال میں اس نے اپنی دلہن بنی بہن پر بھی نظر نہیں ڈالی تھی تو پھر باقی سب تو بہت بعد میں آتے ہیں' مگر وہ دور اس کی عمر کا بہت بے خوف دور تھا' جس میں صرف اپنی مرضی کو اہم سمجھا جاتا ہے' ناسمجھی اور نادانی کے اس دور میں یہ سمجھنے کا وقت ہی نہیں ملتا کہ کس کے سامنے کیا کہنا چاہیے کیا نہیں''۔ وزدیدہ لہجے میں بولتے ہوئے وہ چند لمحوں کیلئے خاموش ہو گئی تھیں۔

''اب اگر اس مقام پر آ کر وہ شیث کی زندگی سے نکل جاتی ہے تو کیا سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا؟'' وہ پھر ان سے سوال کر رہی تھیں' جو بالکل خاموش تھے' ایک گہرا سانس لے کر سدرہ نے آنکھوں کی نمی کو چھپاتے ہوئے خود کو مضبوط رکھنے کی کوشش کی تھی۔

''اسے روکنے کیلئے میرے پاس نہ کوئی مان رہ گیا ہے نہ کوئی لفظ...... لیکن اگر آج وہ اس گھر سے چلی گئی تو میں مرتے دم تک دوبارہ اُسے اس گھر میں قدم نہیں رکھنے دوں گی''۔ سردسپاٹ لہجے میں بولتے ہوئے وہ ان کے سامنے سے ہٹ گئی تھیں۔



ایک جھٹکے سے بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے وہ رک کر پلٹی تھی۔

''کہاں جا رہی ہو تم؟'' دنگ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ قریب آئے تھے' جواباً وہ بس جلتی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''میں تم سے پوچھ رہا ہوں' کہاں جا رہی ہو تم؟'' دوبارہ اپنا سوال دوہراتے ہوئے ان کی رگوں میں خون ابلنے لگا تھا' دوسری جانب وہ بیگ چھوڑ کر ان کے قریب آ کر رکی تھی' بھیگی ہوئی سرخ آنکھیں شمس کے سوالیہ چہرے پر ہی جمی تھیں۔

''راتوں میں آپ کے بھائی کے کمرے میں بیٹھ بیٹھ کر اکتا گئی ہوں' اس لئے اب......''

''خاموش ورنہ......'' یکدم ہی اٹھتے ہوئے ہاتھ کو روکتے ہوئے انہوں نے شدید طیش میں لب بھینچ کر اسے دیکھا تھا' جس نے بس ایک پل کو دہل کر اپنا چہرہ دوسری جانب پھیرا تھا مگر دوسرے ہی پل وہ شدید بپھرے ہوئے انداز میں ان کی دہکتی آنکھوں میں آنکھیں ڈال چکی تھی۔ اٹھے ہوئے ہاتھ کو نیچے گراتے ہوئے وہ یکلخت ہی اس سے نظریں چرا گئے تھے۔

''آپ ایک ہی بار میرا قصہ ختم کیوں نہیں کر دیتے' کھڑی تو ہوں سامنے گھونٹ دیں میرا گلا آج کر دیں اپنی نفرت کی انتہا''۔ ایک جھٹکے سے ان کے دونوں ہاتھ گرفت میں لے کر اپنی گردن کے گرد اس نے رکھے تھے۔

''کسی کو سکون ملے نہ ملے مگر آپ کو تو سکون مل جائے گا' آپ کو تو تسکین مل جائے گی''۔ بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ بلند آواز میں بولی تھی اور وہ بس ساکت نظروں سے اس کے چہرے کے اذیت ناک تاثرات کو دیکھ رہے تھے۔

''مت زندہ چھوڑیں مجھے...... میرے ساتھ یہی سب کچھ ہونا چاہیے' میں نے آپ کو تکلیف پہنچائی' زخم دیئے آپ کو' آپ کو جس سے محبت ہے میں نے اسے ٹھوکر مار کر آپ کو اذیت دی تھی' آپ دعا کریں کہ میرے ساتھ بھی وہی سب کچھ ہو جائے' مجھے بھی کوئی اُسی طرح سڑک پر......'' گھٹی ہوئی آواز میں چیختے ہوئے ایک گولہ سا اس کے حلق میں آ پھنسا تھا' چہرے پر پھیلتے تکلیف و کرب کے ساتھ رُکی ہوئی سانس کے ساتھ لڑکھڑاتے ہوئے اس کی آنکھیں بھی بند ہوتی چلی گئی تھیں۔



''آ جاؤ تم...... شاہ رخ آ گیا ہے تم اس کے ساتھ گھر چلی جاؤ''۔ اندر آتے ہوئے وہ سدرہ سے مخاطب ہوئے تھے جو سارہ کی سرد پیشانی پر ہاتھ رکھے اُس کی بند آنکھوں کو دیکھ رہی تھیں۔

''میں نے منع تو کر دیا تھا' کیوں بلایا آپ نے اُسے' میں سارہ کے ساتھ ہی جاؤں گی اب''۔ ان کی جانب دیکھے بغیر وہ بولی تھیں' دوسری جانب سارہ نے آنکھیں کھول کر سدرہ کے پریشان چہرے کو دیکھا تھا۔

''وہ اب ٹھیک ہے اسی لئے تمہیں جانے کا کہہ رہا ہوں' لیکن اگر تمہیں یہ لگ رہا ہے کہ تمہارے جاتے ہی میں اس کی گردن دبا دوں گا تو بیٹھی رہو اس کے سرہانے''۔ وہ کچھ ناگواری سے بولے تھے۔

''میں نے کیا کہہ دیا اب جو آپ اس طرح بول رہے ہیں''۔ سدرہ نے بگڑ کر انہیں دیکھا تھا۔

''تم نے کچھ نہیں کہا مگر مجھے اس طرح بولنے پر مجبور ضرور کیا ہے''۔ وہ فوراً ہی بولے تھے۔

''آپی! میں ٹھیک ہوں اب' آپ گھر چلی جائیں' شیری آپ کے بغیر نہیں رہتا ہے پریشان کر دیا ہو گا سب کو''۔ کمزور مدھم آواز میں وہ سدرہ سے بولی تھی جبکہ وہ تذبذب کا شکار ہونے لگی تھیں۔

''اسے یہاں اور کتنی دیر رکنا ہے' ڈاکٹر سے پوچھا آپ نے؟'' وہ شمس سے پوچھ رہی تھیں۔

''اس کی ڈرپ ختم ہو جائے اور ڈاکٹر چیک کر لیں تو پھر گھر ہی جانا ہے' اب آ جاؤ تمہارے بچوں نے تو وہاں گھر ہی سر پر اٹھا رکھا ہو گا''۔

''آپ کے بھی ہیں''۔ وہ جل کر جتاتے ہوئے سارہ کے پاس سے اٹھی تھیں۔

''بہت شکریہ اس اطلاع کا''۔ وہ خشمگیں لہجے میں بولے تھے جبکہ انہیں نظر انداز کیے وہ سارہ کی طرف متوجہ تھیں۔

''بس کچھ دیر کی اور بات ہے' آرام سے لیٹی رہنا اچھا''۔ تاکید کرتے ہوئے سدرہ نے اس کی پیشانی کو چوما تھا۔

ایک گہرا سانس لے کر اس نے بیڈ کے قریب رکھے اسٹینڈ پر لٹکتی ڈرپ کو دیکھا تھا' دھیرے دھیرے گرتے زرد قطرے ٹیوب سے گزرتے اس کے ہاتھ کی پشت پر لگی سرنج تک پہنچ رہے تھے۔

ایک ہی پوزیشن میں لیٹے رہنے کی وجہ سے اس کا سارا وجود دُکھنے لگا تھا' اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش میں ایک بار پھر اس کی آنکھوں کے سامنے سارے منظر گڈمڈ ہونے لگے تھے' درد سے پھٹتے سر کے ساتھ آنکھیں بند کر کے اس نے چہرہ گھٹنوں سے لگا دیا تھا' گرم گرم سا سیال اس کی آنکھوں سے نکلتا چلا جا رہا تھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہوئے وہ یکدم ٹھٹک کر رکے تھے' دوسری جانب اس نے بمشکل سسکیاں ہونٹوں میں دباتے ہوئے چہرہ گھٹنوں میں چھپا لیا تھا۔

''تم جانتی ہو میں اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا ہوں اور جس سے محبت ہوتی ہے اس سے تعلق رکھنے والی ہر چیز سے خود بخود محبت ہو جایا کرتی ہے' اور تم سے تو ویسے بھی اس کا رشتہ بہت گہرا ہے تو پھر تم یہ کیسے سوچ سکتی ہو کہ میں تم سے نفرت کر سکتا ہوں؟'' بولتے ہوئے انہوں نے رک کر اسے دیکھا تھا جو چہرہ چھپائے بیٹھی تھی' ایک گہرا سانس بھر کر وہ بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئے تھے۔

''اگر آج میرا بھائی اور میری بیوی میرے ساتھ ہیں تو اس کا ذریعہ تم ہو' میں کیسے تم سے نفرت کر سکتا ہوں' ہاں مگر میں یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر اس دنیا میں تمہیں کسی سے نفرت ہے تو وہ میں ہوں اور ایسا ہونا بھی چاہیے''۔

''میں نے آپ سے کبھی نفرت نہیں کی ہے''۔ یکدم ہی سر اٹھا کر انہیں دیکھتے ہوئے وہ بھیگتے لہجے میں بولی تھی۔

''ہاں میں جانتا ہوں تم مجھ سے بہت 'محبت' کرتی ہو اور آدھی دنیا یہ چیز مانتی ہے' ہے ناں؟'' وہ فوراً ہی بولے

تھے جبکہ ان کے سنجیدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔

"میں مانتا ہوں کہ میں نے جو کیا جو کہا وہ سب غلط تھا' میں گزری ہوئی کوئی بات دہرانا نہیں چاہتا' میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہاں اس کمرے میں جتنا وقت باقی ہے تم دل کھول کر مجھ پر اپنا غصہ' اپنی ناراضی کا اظہار کر ڈالو' کیونکہ تہمت لگانے جیسا گناہ میں کر چکا ہوں سو میں اسی قابل ہوں' مگر اس کے بعد اپنے دل کو میری طرف سے صاف کر کے یہاں سے جانا"۔ اس کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے وہ بولے تھے۔

"مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں' میرے دل میں آپ کے لئے کوئی بغض نہیں ہے' یہ سب تو مجھے آپ سے کہنا چاہیے' میں نے بھی آپ کو وہ عزت واحترام نہیں دیا جو دینا چاہیے تھا' آپ مجھے معاف کر دیں"۔ بہتے آنسوؤں کے ساتھ سر جھکائے وہ لرزتی آواز میں بولی تھی۔

"تم مجھ سے معافی مت مانگو' ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے بس قیامت اب آنے ہی والی ہے"۔ وہ بولے تھے جبکہ وہ بس ایک نظر ان کے سنجیدہ چہرے پر ڈال کر رہ گئی تھی۔

"تم معافی کے بدلے مجھ پر ایک احسان کرو بلکہ احسان کرنا پڑے گا' انکار مت کرنا"۔ بولتے ہوئے انہوں نے رک کر اس کے چہرے کو دیکھا تھا جس کی سوالیہ نظروں میں ایک انجانا سا خوف ابھرتا انہیں دکھائی دے رہا تھا۔

"یہ ایک عظیم احسان ہو گا تمہارا مجھ پر' یا تو اپنی پھپھو محترمہ کا پیچھا چھوڑ دو یا ان سے پیچھا چھڑا لو' یہ کر سکتی ہو تم؟" توقع کے برخلاف ان کی بات پر سارہ نے حیرت سے انہیں دیکھا تھا' لیکن اگلے ہی پل اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

"بات سنو! یہ ڈرپ تو رینگ کر ختم ہو رہی ہے' اسپیڈ بڑھا دوں اس کی' کوئی پرابلم تو نہیں ہو گا؟" وہ رازدارانہ انداز میں پوچھ رہے تھے۔

"بڑھا دیں مگر وہ نرس نہ دیکھ لے' بہت خرانٹ ہے منع کر کے گئی تھی اسپیڈ مت بڑھانا"۔ انہیں اسٹینڈ کی طرف آتے دیکھ کر وہ ہلکی آواز میں بولی تھی۔

"دیکھنے دو اس خرانٹ نرس کو' تم کیا کم خرانٹ ہو' تمہیں بھی تو سنبھال رہا ہوں ناں' اسے بھی دیکھ لوں گا"۔ ڈرپ کی اسپیڈ بڑھاتے ہوئے وہ جس طرح بولے تھے سارہ بس انہیں دیکھ کر رہ گئی تھی۔

☆

یکدم بری طرح چونک کر اس نے گہری نیند سے آنکھیں کھولی تھیں' بدلتے ہوئے خنک موسم میں بھی اس کی پیشانی بھیگ چکی تھی۔

اسے یاد نہیں آ رہا تھا مگر کوئی خوفناک خواب اس نے ضرور دیکھا تھا جو دل دہل سا اٹھا تھا۔ لاؤنج میں پھیلی تاریکی کو سامنے آن ٹی وی اسکرین کی رنگ بدلتی روشنی ماند کر رہی تھی' بوجھل پلکیں جھپکتے ہوئے اس نے اردگرد نظر دوڑائی تھی۔

جس وقت وہ یہاں صوفے پر کمبل میں دبکی ایک ڈاکومینٹری فلم دیکھ رہی تھی اُس وقت سدرہ اور ہنی بھی اس کے پاس ہی موجود تھیں مگر پھر وہ اسے کمرے میں جلدی آنے کی تاکید کرتے ہوئے وہاں سے چلی گئی تھیں۔ اس کی طبیعت کی خرابی کے باعث سدرہ نے اسے اپنے پاس ہی کمرے میں روکے رکھا تھا جبکہ شمس اوپر اس کے کمرے میں منتقل ہو گئے تھے۔

سدرہ کے جانے کے بعد ٹی وی دیکھتے دیکھتے کس وقت وہ نیند میں ڈوبتی چلی گئی تھی اسے پتا ہی نہیں چلا تھا۔ نقاہت کی وجہ سے گرم کمبل سے نکلنے کی اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی اس لیے وہاں سے اٹھنے کے بجائے اس نے لیٹے

لیٹے ہی پہلو میں پڑے ریموٹ سے ٹی وی آف کر دیا تھا۔

کمبل مزید چہرے کے گرد چڑھاتے ہوئے وہ چند لمحوں تک خالی ذہن کے ساتھ تاریکی میں پلکیں جھپکتی رہی تھی اور ایک بار پھر آنکھیں بند ہوتی چلی گئی تھیں۔

نیم غنودگی میں یکدم ہی ایک عجیب سے احساس کے تحت اس نے آنکھیں کھولی تھیں اور اگلے ہی پل اندھیرے میں نظر آتے سائے کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں پوری کھل گئی تھیں۔ تاریکی میں وہ ساکت نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی جو صوفے کے قریب ہی گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے اس کے آدھے چہرے پر موجود کمبل کو دھیرے سے ہٹا چکا تھا۔

"کون...... کون ہے؟" بڑھتی دھڑکنوں کے ساتھ وہ بمشکل ہی پھنسی ہوئی آواز میں بولی تھی مگر دوسری جانب چند لمحوں کی گمبھیر خاموشی کے بعد اس کی آواز ابھری تھی۔

"تم جانتی ہو تمہارے اس سوال نے کیا' کیا ہے؟" بہت مدھم لہجے میں بولتے ہوئے وہ رکا ہوا تھا اور پھر دھیرے سے اس کا لرزتا ہوا سرد ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

"یہاں تکلیف پہنچائی ہے"۔ اس کا ہاتھ اپنے دل کے مقام پر رکھتے ہوئے وہ گھٹی ہوئی مدھم آواز میں بولا تھا۔

"بہت زیادہ تکلیف...... اتنی کہ...... ایک تم ہی تو تھیں جو مجھے اندھیروں میں بھی پہچان سکتی تھیں"۔ وہ اسی لہجے میں بولا تھا جبکہ اس کے لہجے کی اذیت سے زیادہ وہ اپنے چہرے پر گرتے گرم قطرے پر لرز اٹھی تھی۔

"وہ نہیں جانتے انہوں نے مجھ سے کیا کچھ چھین لیا ہے' میرا دل میرے ہاتھ بالکل خالی ہو گئے ہیں"۔ اس کے لہجے اور دھیمی آواز میں درد ہی درد تھا' بے اختیار ہی سارہ نے خود پر جھکے چہرے کے گرد ہاتھ رکھا تھا مگر وہ یکدم ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا' سرعت سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے سارہ نے اس کا ہاتھ تھام کے روکنا چاہا تھا مگر وہ رکے بغیر ہی اپنا ہاتھ چھڑاتا آگے بڑھ گیا تھا' دھندلائی نظروں سے وہ اس تاریک سائے کو دیکھ رہی تھی جو تیز قدموں کے ساتھ سیڑھیاں طے کرتا اوپر جا چکا تھا۔

☆

اوپر آتے ہوئے اس کے بے حد سنجیدہ چہرے پر حیرانگی کے تاثرات بھی پھیل گئے تھے جب اس نے شاہ رخ کو سارہ کے کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔

"اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے بھابی کی بہن کو' میری دعائیں رنگ لے آئیں' آج اس نے ہمیں ہمارا کمرہ واپس لوٹا ہی دیا"۔ کتابیں ہاتھ میں سنبھالے وہ اسے سناتے ہوئے قریب آ کر اس کے آگے بڑھنے کا راستہ روک گیا تھا۔

"یہ کچھ سامان رہ گیا ہے محترمہ کا' وہ نیچے والے کمرے میں شفٹ ہو گئی ہیں' لو پر کی کھڑکیاں ویران کر کے اور ہاں یہ جو درمیان میں کتاب رکھی ہے نہ نیلی والی......" تفصیل بتاتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھوں میں موجود ایک کتاب کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"اس میں تمہاری تصویر رکھی ہوئی ہے' دیکھو گے؟" وہ شرارتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا مگر اس کے ناگواری سے دیکھنے پر ہنستا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔ بوجھل قدموں کے ساتھ اس کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے مزید ایک ناگوار نگاہ اندر سے برآمد ہوتے شان پر بھی ڈالی تھی۔

"چھوٹے بھائی! ایسی نظروں سے مت دیکھیں' وہ اپنی مرضی سے ہی نیچے شفٹ ہوئی ہیں"۔ سیاہ بیگ پشت پر

ڈالتے ہوئے شان نے بمشکل ہی مسکراہٹ چھپائی تھی۔

''تو میں کیا کروں' مجھے یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟'' وہ نہیں جانتا تھا کہ اسے کیا ہوا تھا مگر یکدم ہی وہ شاؤٹ کر گیا تھا' جبکہ اس کی بلند آواز پر جہاں شان دنگ ہوا تھا وہیں لاؤنج میں موجود شمس بھی صوفے سے اٹھ کر اوپر کی جانب متوجہ ہو گئے تھے' کمرے سے باہر نکلتیں سدرہ نے حیران نظروں سے شان کو دیکھا تھا جو اُترے ہوئے چہرے کے ساتھ جارحانہ انداز میں سیڑھیاں اترتا نیچے آ رہا تھا۔

وارڈ روب کھولے وہ ساکت کھڑی شان کو دیکھ رہی تھی جو چہرے کے بگڑے تاثرات کے ساتھ کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔

''یہ شیث کی آواز تھی؟'' وہ بمشکل ہی اس سے پوچھ سکی تھی۔

''تم تو جیسے ان کی آواز پہچانتی نہیں ہو جو مجھ سے یہ سوال کر رہی ہو''۔ اس کا بیگ بیڈ پر پٹختے ہوئے وہ سلگ کر بولتا اسی بگڑے انداز میں باہر نکل گیا تھا۔

لرزتے ہاتھوں سے وارڈ روب میں کپڑے رکھتے ہوئے اس نے رک کر دروازے کی سمت دیکھا تھا جہاں سے وہ بغور اس کے سفید پڑ جانے والے چہرے کو دیکھتے ہوئے اندر آ رہے تھے۔

''مجھے تو ابھی معلوم ہوا ہے کہ تم اس کمرے میں آ گئی ہو' یہ اچانک کیا ضرورت پڑ گئی تھی تمہیں کمرہ بدلنے کی؟'' وہ اس سے پوچھ رہے تھے جو اپنے ہاتھ پر رکھے دوپٹے پر ہاتھ پھیر رہی تھی اور جھکی نظروں کے ساتھ خاموش تھی۔

''سدرہ نے ایسا کہا تھا کرنے کے لیے؟'' اس کی خاموشی پر وہ کچھ سخت لہجے میں بولے تھے۔

''نہیں' آپی ایسا کیوں کہیں گی' اوپر رہوں یا نیچے کیا فرق پڑتا ہے''۔ آنکھوں اور لہجے کی نمی چھپاتے ہوئے وہ بمشکل بولی تھی مگر اس کا چہرہ اس وقت بالکل ایک کھلی کتاب کی طرح تھا جسے وہ پڑھ سکتے تھے۔

''میں خود دیکھ رہی تھی کہ شان اور شاہ رخ میری وجہ سے بالکل ڈسٹرب ہو گئے ہیں' میں نے تو ان کا کمرہ لے لیا تھا مگر وہ اس کمرے میں ایڈجسٹ نہیں ہو پا رہے تھے' مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا اس لیے آج میں نے ان سے خود کہا کہ وہ واپس اپنے کمرے میں شفٹ ہو جائیں' میرے لیے تو یہ کمرہ بھی ٹھیک ہے''۔ وہ دھیمے لہجے میں بولی تھی۔

''اگر تمہیں لگتا ہے کہ تمہاری یہ وضاحت میری اس شرمندگی کو ختم کر دے گی جو اس وقت میں محسوس کر رہا ہوں تو یہ غلط فہمی ہے تمہاری''۔ ان کے سنجیدہ لہجے پر سارہ نے نظر اٹھا کر ان کے چہرے کو دیکھا تھا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں آپ......''

''بس' مزید وضاحت نہیں''۔ اسے درمیان میں روکتے ہوئے وہ بولے تھے' خاموشی سے وہ انہیں دیکھ رہی تھی جو اس پر سے نظر ہٹا کر واپس جانے کے لیے پلٹے تھے مگر پھر رک کر اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

''تمہاری...... شیث سے کوئی بات ہوئی ہے کیا؟'' کچھ رک کر انہوں نے سوال مکمل کیا تھا' جواباً وہ بس ایک پل کو ساکت ہوئی تھی مگر پھر ان سے نظر ملائے بغیر نفی میں سر ہلاتے ہوئے ہاتھ میں موجود کپڑے وارڈ روب میں رکھنے لگی تھی' دوسری جانب ایک گہرا سانس لے کر اس پر سے نظر ہٹاتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔

☆......☆......☆

''آج ناشتہ ملے گا بیگم صاحبہ! یا اس کی بھی چھٹی ہے''۔ کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے وہ سدرہ سے مخاطب تھے جو چائے کے سپ لیتے ہوئے اخبار کا جائزہ بھی لے رہی تھیں۔

''معاف کیجیے گا' آرام سے بیٹھی ہوئی میں آپ کو بھی اچھی نہیں لگتی ہوں''۔ وہ ناراضی سے بولی تھیں۔

''اگر اس وقت آسمان سے من و سلویٰ اترنے والی ہے تو میں بہت دل سے کہوں گا تم آرام سے بیٹھی بہت اچھی لگ رہی ہو''۔ ان کے خشمگیں لہجے پر وہ مسکرائی تھیں جبکہ وہ کچن سے بہت اسپیڈ میں نکلتے شاہ رخ کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ گرم گرم پوریوں کے ساتھ بھاپ اڑاتے قیمے اور حلوے سے سجی ٹرے سامنے رکھ کر بیٹھتے ہوئے وہ کسی بھی جانب دیکھے بغیر بڑی عجلت میں ان سب چیزوں سے انصاف کر رہا تھا۔

''شاہی! میرے بچے' کس بات کی جلدی ہے دنیا کو یقین مت دلاؤ کہ بھابی فاقے کرواتی ہے''۔ حیرت سے اس کی رفتار دیکھتے ہوئے سدرہ بولی تھیں۔

''باتوں میں لگا کر میرا ٹائم ویسٹ مت کرو سدرہ! ورنہ پوریاں ٹھنڈی ہو جائیں گی' ویسے ایک بات ماننے والی ہے اللہ نے ایک بہن دی ہے آپ کو مگر دھماکے دار قسم کی دی ہے' زبان کے لشکاروں سے زیادہ اس کے ہاتھوں میں ذائقہ ہے''۔

''بتاؤ بس میں ابھی تمہیں سن رہے ہیں''۔ درمیان میں ہی اسے گھرکتے ہوئے انہوں نے شمس سے کہا تھا۔

''کیا غلط کہہ رہا ہے' صحیح تو بول رہا ہے''۔ اخبار پر نظر دوڑاتے ہوئے وہ سرسری انداز میں بولے تھے تو وہ ناگواری سے انہیں دیکھتے ہوئے کچن کی طرف متوجہ ہوئی تھیں جہاں وہ شان کی ہمراہ ہی آ رہی تھی۔

''اسے کیوں بھیج دیا تم نے کچن میں' پہلے ہی طبیعت ٹھیک نہیں اس کی' یہ تو بے ہوش ہو کر گر جاتی ہے اٹھا اٹھا کر تو مجھے بھاگنا پڑتا ہے' ایسا نہ ہو کہ ایک دن مجھے ہی ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہونا پڑ جائے''۔ شمس کے خشمگیں لہجے پر ٹیبل پر ناشتے کا سامان لگاتے ہوئے وہ شرمندہ ہی ہو گئی تھی۔

''اجی کوئی جواب تو دیجیے' یہ خاموشی برداشت نہیں ہو رہی ہماری جانِ ناتواں کو''۔ شاہ رخ کے معنی خیز انداز پر وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''کم بولا کرو' بلکہ بولا ہی نہ کرو تم''۔ شمس کے گھرکنے پر شاہ رخ شرمندہ ہوا تھا جو وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔

''آج میرا دل چاہ رہا تھا کہ آپی کو آرام دوں' اس لیے میں کچن میں چلی گئی''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''تم بھی بیٹھ جاؤ' چائے میں لے آتی ہوں''۔ سدرہ اسے ہدایت کرتے ہوئے خود اٹھ گئی تھیں۔

''لوگوں کی کتنی ہی مدد کر لو مگر مجال ہے جو کوئی نام ہو جائے''۔ ناراضی سے کہتا شان آستینیں چڑھاتا ٹیبل کے گرد بیٹھ گیا تھا جبکہ سارہ نے حیرت سے اس کی شکایتی نظروں کو دیکھا مگر پھر مسکرا اٹھی تھی۔

''سوری' میں یہ بتانا تو بھول ہی گئی کہ حلوے کی بھنائی شان نے بہت محنت سے کی ہے''۔ بطورِ خاص وہ اطلاع پہنچا رہی تھی۔

''بس یہ اس سے زیادہ محنت کر بھی نہیں سکتا''۔ شاہ رخ کے فوراً ہی کہنے پر سارہ نے ہنستے ہوئے شان کو دیکھا تھا جو ابرو چڑھائے شاہ رخ کو ہی گھور رہا تھا۔

''نہ بھئی دل خوش ہو گیا' شکر ہے یہاں تو خوشبوئیں اٹھ رہی ہیں' سدرہ میری جان قریب آؤ میں تمہارے ہاتھ چوم لوں''۔ بڑی اسپیڈ میں آتے ہوئے وہ کسی بھی دعوت کے بغیر شمس کے دائیں جانب کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

''یہ خوشبوئیں آپی کی وجہ سے نہیں میری وجہ سے اٹھ رہی ہیں''۔ سارہ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''اوہو...... نہ بھئی تم تو بڑی چھپی رستم نکلیں' ہاتھ کیا تیرا تو منہ چوم ڈالوں' بیٹا تو ہمارے بچوں کو......'' پوریاں پلیٹ میں رکھتے ہوئے اس نے زبان دانتوں تلے دبا کر شمس کو دیکھا تھا جو کافی ناگوار نظروں سے اسے گھور رہے تھے' شان کی دبی دبی ہنسی کے ساتھ سارہ نے بمشکل ہنسی روکتے ہوئے شاہ رخ کو دیکھا تھا جو کبھی شمس کو اور کبھی اسے دیکھ رہا

تھا جس کا چہرہ دیکھنے والا تھا۔

''باقی باتیں ناشتے کے بعد اوکے''۔ سٹپٹا کر براہ راست شمس سے کہتے ہوئے وہ ناشتے کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

''تم کب نازل ہوگئیں؟'' سدرہ کی آمد اسی وقت ہوئی تھی تو سوال کیا تھا۔

''کھانے کا کوئی بھی وقت ہو ان کا نازل ہونا حیرتناک نہیں ہے''۔ شان نے فوراً ہی کہا تھا۔

''کم بول عمرو عیار ورنہ جانتا ہے ناں میرا ہاتھ کتنا بھاری ہے''۔ موموفوراً ہی غرائی تھی جس پر سارہ نے مسکراتے ہوئے شان کو دیکھا تھا جو اپنے چہرے پر ہاتھ رکھے اس طرح سرہلا رہا تھا جیسے اسے یاد آ گیا ہو۔

''تم نے ناشتہ کرنا ہے یا صرف چمچوں سے کھیلنا ہے''۔ وہ ہنی کو ڈپٹ رہے تھے جو ان کی گود میں براجمان بالکل بھی ناشتہ کرنے کے موڈ میں نظر نہیں آ رہی تھی۔

''پاپا! مجھے آپ سے نہیں موموآنی کے ہاتھ سے کھانا ہے''۔ باپ کا ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے ہنی لاڈ سے بولی تھی۔

''میرے پاس چونچلے اٹھانے کا وقت نہیں ہے، خود کھاؤ میں کیوں کھلاؤں''۔ مومو نے فوراً ہی اس پر آنکھیں نکالی تھیں جس پر ہنی نے ناراضی سے ابرو سکیڑ کر اسے دیکھا تھا۔

''آپ شاہی چاچو کو بھی تو اپنے ہاتھ سے کھلاتی ہیں تو پھر مجھے کیوں......'' دنگ نظروں سے سارہ نے شاہ رخ کو دیکھا تھا جو بری طرح کھانستا ہوا فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے ساتھ بیٹھے شان سے ٹکرایا تھا۔

''دور ہٹ یار!'' شان نے فوراً ہی چہرہ پیچھے کرتے ہوئے اسے پرے دھکیلا تھا جبکہ وہ بے ساختہ ہی ہنستے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی جو اسی طرح کھانستے ہوئے بوکھلایا ہوا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

''ہری مرچی'' ہنی کے منہ پر ہاتھ رکھے مومو نے کھا جانے والے انداز میں اسے گھورا تھا جس پر سدرہ نے ہنستے ہوئے انہیں دیکھا تھا جو خونخوار نظروں سے مومو کو گھورتے ہوئے اس کا ہاتھ ہنی کے منہ سے پرے ہٹا رہے تھے۔

''خود ہوں گی ہری مرچی، لال بھی اور کالی بھی'' ہنی منہ آزاد ہوتے ہی بدلہ لے چکی تھی۔

''ارے...... اسے سمجھا تو دو میں کون ہوں اس کی''۔ مومو نے کھا جانے والے انداز میں سدرہ کے مسکراتے چہرے کو دیکھا تھا۔

''میں کیوں...... وہی سمجھائیں جن کا دل آیا تھا تم پر اپنے بھائی کیلئے''۔ سدرہ نخوت سے بولتے ہوئے شمس کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔

''ایک نعرہ لگانے کا دل چاہ رہا ہے''۔ شان نے درمیان میں کہا تھا۔

''ہنی...... زندہ باد......''

''بیٹا یا تو تو اٹھ جائے گا یا میں تجھے اس دنیا سے اٹھا دوں گی''۔ مومو نے کھا جانے والی نظروں سے شان کے ہنستے چہرے کو گھورا تھا۔

''کیا بک رہی ہو، ناشتہ کرو اور نکلو یہاں سے''۔ شمس نے فوراً ہی اسے ٹوکا تھا۔

''بس اپنے بھائیوں کا درد ہی اٹھتا ہے دل میں''۔ وہ جل کر بولی تھی۔

''زبان کم چلایا کرو، عنقریب میرا گھر جنگ و جدل کا میدان بننے والا ہے، ساری لمبی زبانوں والیاں میرے گھر میں اکٹھی ہو رہی ہیں''۔ شمس کڑھ کر بولے تھے۔

''کیا بول رہے ہیں آپ''۔ سدرہ کا چونکنا لازمی تھا۔

''تمہیں نہیں کہہ رہا، تمہیں ہٹا کر''۔ شمس کے فوراً ہی تردید کرنے پر شان نے بے ساختہ ہنستے ہوئے سدرہ کے

پرسکون ہوتے چہرے کو دیکھا تھا۔

''ارے چھوٹے بھیا! جلدی آ جاؤ بھابی کی بہن کا بنایا ہوا ناشتہ انتظار میں ندیدوں کے کنویں میں جا رہا ہے''۔ معنی خیز انداز میں مومو نے بولتے ہوئے شان کو گھورا تھا۔

''نہیں میں صرف چائے لوں گا''۔ اس نے سدرہ کو روک دیا تھا جو اس کے سامنے پلیٹ رکھتے ہوئے ڈش اٹھا رہی تھیں۔

''کیوں، تھوڑا سا تو کھاؤ''۔ سدرہ نے کہا تھا۔

''نہیں''۔ مختصراً انکار کرتے ہوئے اس نے شان کے سامنے رکھا چائے کا کپ اٹھا لیا تھا۔

ایک گہری نظر شمس نے اس پر ڈالی تھی جو بالکل سپاٹ چہرے کے ساتھ کسی بھی جانب دیکھے بغیر چائے کے سپ لے رہا تھا۔

''پھپھو کا کل بھی فون آیا تھا سارہ کو یاد کر رہی ہیں، بیمار ہیں سارہ کو بلا رہی تھیں''۔ سدرہ چند لمحوں کے بعد شوہر سے مخاطب ہوئی تھیں۔

''میں پہلے ہی بتا دوں، میں نہیں لے جا سکتا سارہ کو، میرا میچ ہے آج سوری''۔ شان نے فوراً ہی کہتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں اسے بھی دیکھا تھا جو نظر جھکائے چائے سے اڑتی بھاپ کو دیکھ رہی تھی۔

''شیث! تمہارے پاس وقت ہو تو لے جا سکتے ہو سارہ کو؟'' شمس کے اچانک کہنے پر سارہ نے چونک کر انہیں دیکھا تھا مگر وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھے۔

''ان کے ساتھ اس بے چاری کو دن میں مت بھیجئے گا، سورج سے سدا کا بیر ہے ان کو، آنکھیں ہی نہیں کھلتیں دھوپ میں، کہیں ایسا نہ ہو یہاں سے ہاتھ پکڑ کے نکلیں سارہ کا اور پھپھو کے گھر پہنچ کر پتا چلے ہاتھ پکڑا ہوا ہے زارا کا، ویسے چھوٹے تمہاری بیوی کی تو حسرت ہی رہ جائے گی کہ سورج کی روشنی میں تم پوری آنکھیں کھول کر اس کا دیدار کر لو''۔ مومو کے نان اسٹاپ بولنے پر سارہ نے سر اٹھا کر اسے نہیں دیکھا تھا البتہ سدرہ نے ہنستے ہوئے ضرور اسے دیکھا تھا جس کے چہرے کے تاثرات مزید تن گئے تھے۔

''بہت بولتی ہو تم اور بلاوجہ بولتی ہو''۔ شمس اپنی مسکراہٹ نہیں روک سکے تھے مگر اسے ٹوکا ضرور تھا۔

''اگر جا سکو تو شام کو لے جانا سارہ کو''۔ سنجیدہ ہوتے ہوئے وہ دوبارہ اس سے مخاطب ہوئے تھے۔

''نہیں، میں شام کو بھی نہیں لے جا سکتا''۔ سرد لہجے میں انکار کرتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا اور کسی بھی جانب دیکھے بغیر وہاں سے نکل گیا تھا۔

''یعنی سارہ صاحبہ! آپ کو میرے سنگ ہی پھپھو کے گھر جا کر حاضری لگانی ہے''۔ شان نے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں، رہنے دو مجھے کہیں نہیں جانا''۔ نظر جھکائے وہ آنکھوں کی نمی چھپاتے ہوئے بولی تھی۔

''ایز یو لائیک مائی ڈیئر!'' شان فوراً ہی شانے اچکا کر بولا تھا مگر سدرہ کے گھورنے پر ہنستا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔

''ارے ہوا کیا ہے، یہاں کس نے کس کی دم کھینچی ہے؟'' الجھی بیٹھی مومو نے مزید الجھ کر ان تینوں کے سنجیدہ ہوتے چہروں کو دیکھا تھا۔

''دفع ہو جاؤ یہاں سے''۔ شمس کے دھاڑنے پر وہ فوراً ہی اپنی پلیٹ اٹھائے چلی گئی تھی۔

(جاری ہے)

تبسم فیاض

افسانہ

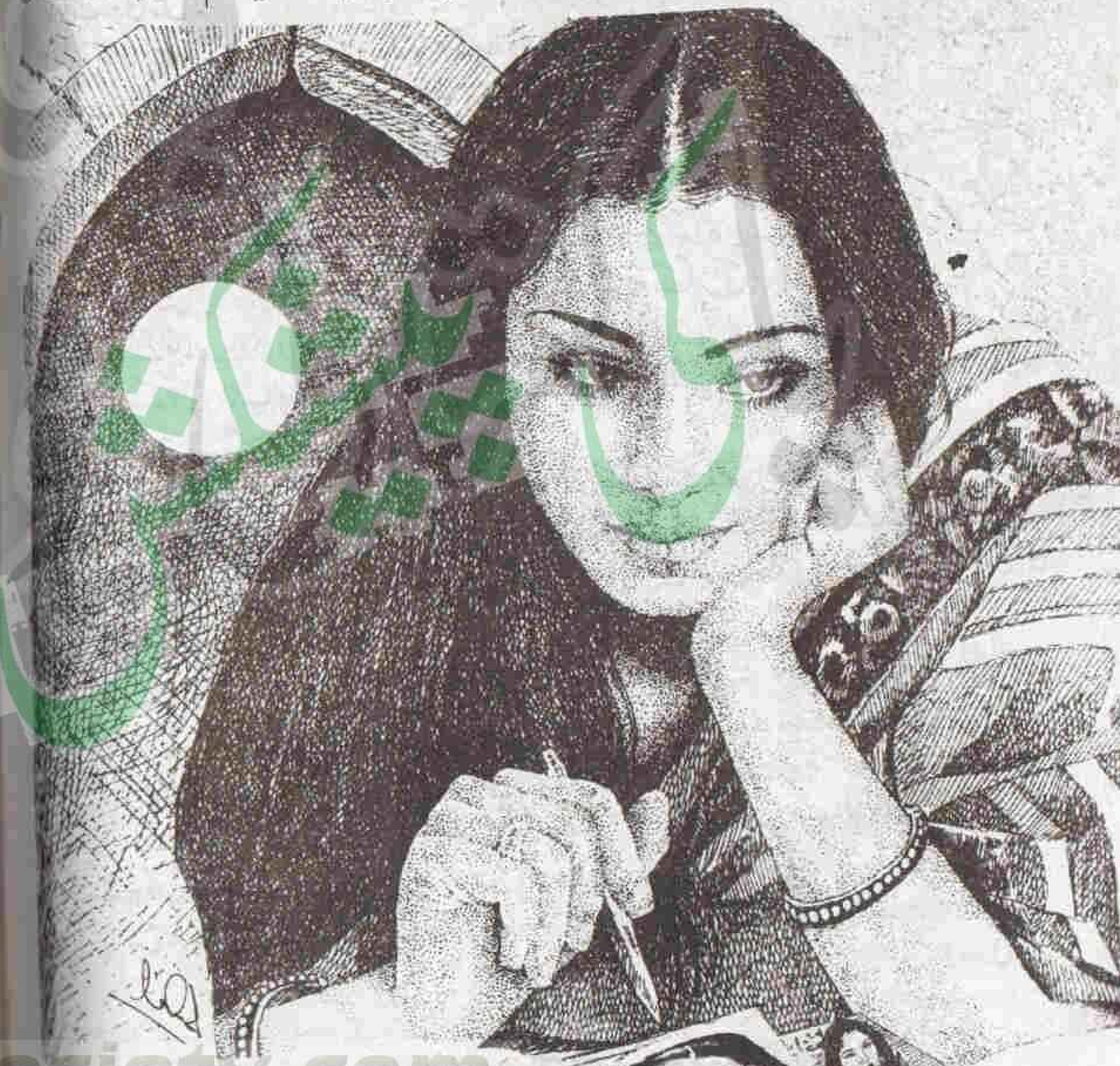
ڈھلا سورج نکلا چاند

”ممّا پلیز.....! آپ ایسا نہیں کرسکتیں۔ آپ رخ مہ کی شادی کسی بوڑھے آدمی سے نہیں کرسکتیں‘ اگر رخ مہ کی جگہ میں ہوتی تو کیا آپ یہی کرتیں؟“ فرزین کافی دیر سے عالیہ بیگم کا ضمیر جھنجوڑنے کی کوشش کررہی تھی لیکن عالیہ بیگم کیسی سفاکی کا مظاہرہ کررہی تھیں اور اُدھر رخ مہ دروازے کی اوٹ سے اک آس لگائے کھڑی تھی کہ شاید عالیہ بیگم اپنا فیصلہ بدل لیں۔

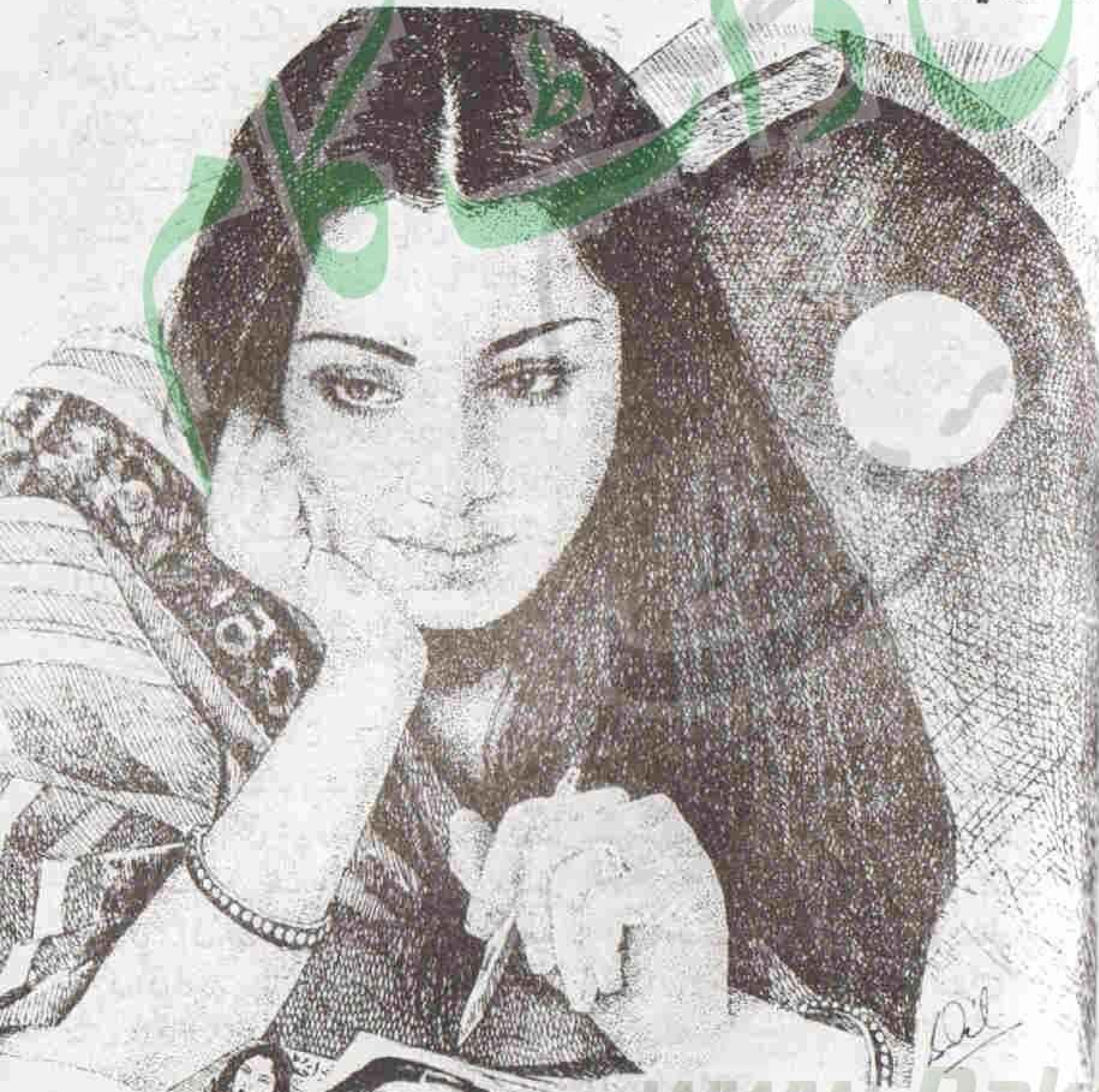
”کیوں ظلم سہتی ہو‘ یہ بھی گناہ ہے اپنے حق کیلئے آواز بلند کرو‘ کیا تم انسان نہیں“۔ آج پھر فرزین کا لیکچر اسٹارٹ ہوگیا تھا اور رخ مہ اسے حسرت و یاس سے دیکھ رہی سوچ رہی تھی کہ فرزین کتنی کھری اور بولڈ ہے اس کی ذات کتنی مکمل ہے اور میں......

سجاد احمد ایک بزنس مین تھے‘ ان کی بیوی جہاں آرا سادہ نیک اور کم گو خاتون تھیں۔ سجاد احمد کا آئیڈیل ایک ایسی خاتون تھی جو ہر جگہ ان کے شانہ بشانہ چلے‘ بزنس میں پارٹی میں اور اپنے حلقہ احباب میں ایسی بیوی کی حیثیت سے انفرادیت کے قائل تھے لیکن جہاں آرا بیگم ان کے معیار پر پوری نہ اترتی تھیں جس کی وجہ سے وہ ان سے خائف رہتے تھے۔

اسی دوران رخ مہ کی دنیا میں آمد ہوگئی‘ رخ مہ ہو بہو سجاد احمد کا پرتو تھی‘ بڑی بڑی براؤن آنکھیں‘ چھوٹا دہانہ گلابی ہونٹ اور گلابی رنگت‘ سجاد احمد تو اسے دیکھ دیکھ نہال ہوئے تھے۔ جہاں آرا بیگم قبول صورت خاتون تھیں لیکن باطنی خوبیاں ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھیں اور رخ مہ میں ماں کی یہ عادتیں انہی کی









دین تھی۔ رخ مہ بھی نہایت کم گو تھی۔

پھر ایک دن سجاد احمد اپنی پرسنل سیکریٹری عالیہ رحمٰن کو گھر لے کر آئے اور جہاں آرا سے انہیں ملایا۔ جہاں آرا سادہ سی خاتون تو تھیں لیکن اپنے شوہر کی سوچ سے بھی واقف تھیں۔ عالیہ رحمٰن سے ملانے کا مطلب وہ خوب سمجھ گئیں لہٰذا ہونٹوں پر تالے ڈال کر رہنے میں ہی عافیت جانی کہ کہیں سجاد احمد انہیں اس بیٹی اور گھر سے محروم نہ کر دیں۔ پانچ سال شوہر کی بے وفائی سے سمجھوتہ کرتے کرتے آخر کار ان کا دل یہ جنگ ہار گیا اور وہ رخ مہ کو پانچ سال کا چھوڑ کر ابدی نیند جا سوئیں۔ سجاد احمد بیوی کے بعد سے رخ مہ کو عالیہ بیگم کے حوالے کر کے اپنے بزنس میں ایسے مصروف ہوئے کہ پلٹ کے یہ بھی نہ دیکھا کہ بیٹی کس حال میں ہے؟ اور عالیہ بیگم نے اسے کس کس طرح ترسایا ہے جبکہ اس کے برعکس عالیہ بیگم سے 2 بچے ہوئے فرزین اور فیضان جو کہ دنیاوی آسائشات سے مالا مال' اچھے سے اچھا پہننا' اوڑھنا' کھانا پینا' آنا جانا' غرض کہیں کسر نہ چھوڑی عالیہ بیگم نے انہیں خوب سے خوب تر کرنے میں۔ فرزین' رخ مہ سے تقریباً 7 سال چھوٹی تھی لیکن جوں جوں رخ مہ بڑی ہو رہی تھی اس کی خوبصورتی کے آگے فرزین اپنی تمام تر اعلیٰ معیار کی ڈریسنگ کے باوجود کم ہی نظروں میں آتی اور یہی بات عالیہ بیگم کو کھلتی تھی جب ہی وہ اسے فرزین کے مقابلے میں کسی کے سامنے آنے سے منع کر دیتی تھیں۔

آنے والے کسی طرح سے پتہ چلنے پر رخ مہ کو دیکھنے پر اصرار کرتے' یہ بات عالیہ بیگم کے سینے میں کانٹے کی طرح چبھتی لیکن وہ سجاد احمد سے بھی کہہ نہ پاتیں۔ ایک دن ٹریفک حادثے میں سجاد احمد کے انتقال کی خبر آئی' رخ مہ کی تو دنیا ہی اندھیر ہو گئی' عالیہ بیگم بھی وقتی طور پر پریشان ہو گئیں لیکن چونکہ سجاد احمد کا بزنس بڑا تھا اور انہوں نے چھوڑا بھی بہت کچھ تھا لہٰذا مالی پریشانی انہیں نہ چھو سکی البتہ عالیہ بیگم جو تھوڑی بہت رخ مہ کے معاملے میں سجاد احمد سے دبتی تھیں اب وہ شیر ہو گئیں اور انہیں رخ مہ ایک بوجھ لگنے لگی اور وہ اس بوجھ کو اتارنے کیلئے ہر اچھے طریقے اور اچھی سوچ سے مبرا ہو گئیں۔ فرزین کو اپنی یہ بہن بہت عزیز تھی اور وہ اسے وقتاً فوقتاً زندگی کی اہمیت سے آگاہ کرتی رہتی تھی لیکن رخ مہ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ عالیہ بیگم کے آگے کچھ کہہ سکے۔ کم گو تو وہ تھی اور باپ کے مرنے کے بعد سے رخ مہ نے تو جیسے خاموشی سے دوستی ہی کر لی تھی' آج عالیہ بیگم کے اس فیصلے پر لرز ہی اٹھی۔

☆

''پاپا! آپ پلیز شادی کر لیں' اگر میں ہائر اسٹڈیز کے لیے USA چلا گیا تو آپ کا کون خیال رکھے گا' مجھے وہاں جا کر بھی آپ کی فکر رہے گی' پلیز مجھے کوئی اعتراض نہیں' میں آپ کا سادگی سے نکاح کروا کر جاؤں گا' میں نے فاریہ آنٹی سے بھی کہہ دیا ہے کہ آپ کے لیے کوئی......''

''لیکن بیٹا! میں اس عمر میں شادی کرتا کیا اچھا لگوں گا؟''

''کیوں نہیں' ہمارا مذہب اسلام بھی یہی کہتا ہے اس میں کوئی حرج کوئی برائی نہیں' بس اب وہی ہو گا جو میں کہہ رہا ہوں۔ ساری زندگی میں آپ کی بات مانتا آیا ہوں' آج آپ میری بات مانیں گے' بس''۔ اسفند یہ کہتا ہوا فاریہ آنٹی کو فون ملانے لگا اور شجاعت صاحب اسے دیکھتے رہ گئے۔

آج انہیں اپنی بیوی سے کیے گئے وعدوں پر شرمندگی ہو رہی تھی کیونکہ وہ یہ سب نہیں چاہتے تھے لیکن وہ اسفند کا کیریئر بھی خراب نہیں کرنا چاہتے تھے کہ وہ ان کی وجہ سے ڈسٹرب ہو اور اس کی پڑھائی متاثر ہو' آج اس بڑھاپے کی وجہ سے خود کو بے بس محسوس کر رہے تھے۔

''جی فاریہ آنٹی! آج چلنا ہے' ٹھیک ہے میں اور پاپا آج آپ کی طرف آ جائیں گے پھر آپ بھی ہمارے ساتھ چلئے گا' شام 5 بجے ٹھیک اللہ حافظ''۔ اسفند نے فون بند کر کے خوشی سے پاپا کو دیکھا وہ نظریں چرا گئے۔

☆

''شام 5 بجے وہ لوگ آ رہے ہیں رخ مہ! تیار رہنا' بہت اچھے اور کھاتے پیتے لوگ ہیں۔ اپنی بسوری صورت صحیح کرو کیونکہ میرے پاس اتنا نہیں ہے کہ روز روز لوگوں کو بر دکھوے کیلئے گھر میں بلاتی رہوں''۔

''مگر مما!'' فرزین اور فیضان ایک ساتھ بولے۔

''تم لوگ چپ رہو۔ برداشت نہیں ہوتا تو تم لوگ فیروز کے پاس چلے جاؤ''۔ عالیہ بیگم کرختگی سے اپنے بھائی کے گھر جانے کا کہتی ہوئیں وہاں سے چلی گئیں اور فرزین کی آنکھوں میں رخ مہ کا سفید رنگ پڑتا دیکھ کر آنسو آ گئے۔ وہ اپنی اس مجبور بہن کے لیے دل سے دعا گو تھی۔

فاریہ صاحبہ' اسفند اور شجاعت صاحب کو لے کر عالیہ بیگم کے گھر آ گئیں۔ انہوں نے رخ مہ کی عمر بار بار شجاعت صاحب کے پوچھنے پر بھی قصداً چھپائی تھی لہٰذا جب رخ مہ سامنے آئی تو آتے ہی اس کی نگاہ شجاعت صاحب پر پڑی' 65 سال کے شخص کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ بے اختیار اپنے باپ کو یاد کرنے لگی۔

''آج اگر پاپا ہوتے تو کیا اپنے برابر کی عمر کے شخص سے میری شادی کے بارے میں سوچتے؟'' ادھر شجاعت صاحب کو رخ مہ کو دیکھتے ہی دل پر ایک گھونسا لگا اور انہوں نے فاریہ بیگم کو تڑپ کر دیکھا' اسفند بھی شرمندہ سا باپ کو دیکھ کر نظریں چرا گیا اور اسے یہ شدت سے احساس ہوا کہ آتے ہوئے اس نے فاریہ آنٹی سے معلومات کیوں نہیں کی؟ شجاعت صاحب نے عالیہ بیگم کو مخاطب کیا۔

''اگر آپ برا نہ مانیں تو میں فاریہ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں''۔ عالیہ بیگم بخوشی اٹھ کر چل گئیں کہ شاید آپس میں مشورہ کر کے جواب دیں؟ اسفند سمجھ گیا کہ پاپا اب کیا کہنے والے ہیں' وہ بھی تھوڑا غصے اور شرمندگی کے ملے جلے تاثرات لیے بیٹھا تھا۔ عالیہ بیگم کے جاتے ہی شجاعت صاحب نے فاریہ آنٹی سے پوچھا۔

''فاریہ! کیا مجبوری ہے ان لوگوں کے ساتھ؟''

فاریہ نظریں چرا گئیں اور بولیں۔

''عالیہ بیگم کی سوتیلی بیٹی ہے اور ان کیلئے ایک بوجھ لہٰذا آپ نہیں تو وہ کسی اور ایسے ہی شخص کے ساتھ اسے رخصت کرنے میں کبھی عار محسوس نہیں کریں گی' بس یہی سوچ کر میں نے آپ کو دکھایا کہ کم سے کم آپ کے گھر اسے سکون تو ملے گا' دوسرا جانے کوئی کیسا ملے؟'' یہ سن کر شجاعت صاحب سوچ میں پڑ گئے اور بولے۔

''ٹھیک ہے مجھے یہ رشتہ منظور ہے''۔ اسفند کو کرنٹ سا لگا۔ پاپا کے اس فیصلے سے اسے بھی اس لڑکی سے ہمدردی محسوس ہوئی لیکن وہ بولتا بھی کیا۔ پاپا کو شادی پر بھی اُسی نے مجبور کیا تھا۔

''ٹھیک ہے عالیہ بیگم کو بلاؤ' ہمیں یہ رشتہ منظور ہے اور ہم اسی وقت نکاح کریں گے اور اس گھر سے جہیز کے نام پر ایک تنکا بھی نہیں لے کر جائیں گے''۔

فاریہ آنٹی تو خوشی اور حیرانگی سے شجاعت صاحب کو تکنے لگیں' دوڑ کے عالیہ بیگم کو بلا لائیں اور ساری بات کہہ ڈالی' عالیہ بیگم تو حیران رہ گئیں' ان کو اس سے اچھا رشتہ اور کہاں ملتا کہ وہ بغیر جہیز کے ہی رخ مہ کو نکالنے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔ ادھر رخ مہ سن کر فرزین کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی اور تڑپنے لگی۔

''آج مجھے یہ احساس ہوا ہے کہ میں واقعی یتیم

www.Paksociety.com

ہوں' کاش مما آپ زندہ ہوتیں تو میں یوں زندہ درگور نہ ہوتی''۔

''رخ مہ! بس بہت ہو گیا' اب یہ رونا دھونا بند کرو اور کوئی اچھا سا سوٹ پہن لو ابھی تمہارا نکاح ہے''۔ عالیہ بیگم بولیں۔

''پلیز مما! ایسا ظلم نہ کریں آپی پر''۔ فرزین رو پڑی۔

''فرزین! تم سے کہا نہ کہ برداشت نہیں ہوتا تو تم بھی فیضان کی طرح فیروز کے پاس چلی جاؤ''۔ عالیہ بیگم سفاکی سے بولیں۔

''مما پلیز...... خوفِ خدا......'' بات مکمل کرنے سے پہلے ہی فرزین کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ پڑ چکا تھا' رخ مہ وحشت زدہ سی پیچھے ہٹی کہ مبادا عالیہ بیگم کہیں اسے بھی اپنے عتاب کا نشانہ نہ بنالیں۔ رخ مہ بھاگتی ہوئی الماری سے سوٹ نکال کر واش روم جا چکی تھی اور سوچ چکی تھی کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا سوائے اپنی قسمت پر رونے کے۔

''عالیہ بیگم! مجھے 3 گھنٹے کا ٹائم دیں تاکہ میں قاضی وغیرہ کا بندوبست کرسکوں''۔ شجاعت صاحب کے ہر انداز سے خوشی اور بے تابی جھلک رہی تھی اور یہی بات اسفند کو حیران اور پریشان کررہی تھی کہ کہیں اس نے پاپا سے شادی کی ضد کرکے کسی کے ساتھ زیادتی تو نہیں کردی۔ وہ پاپا سے اکیلے میں بات کرنا چاہ رہا تھا تاکہ انہیں سمجھا سکے کہ یہ لڑکی نہ ماں کی حیثیت سے موزوں ہے نہ بیوی کی حیثیت سے سب انگلی اٹھائیں گے اور ہنسیں گے۔

''پاپا! چلیں''۔ 3 گھنٹے کی مہلت ملتے ہی اسفند بولا۔

''ہاں بیٹا! چلئے''۔ ادھر عالیہ بیگم نے بھی فیروز اور اپنی بھابی کو فون کرکے بلالیا۔ فیروز اور ان کی بیوی کو عالیہ بیگم کا فیصلہ ناگوار گزرا لیکن وہ ان کے آگے کچھ بول نہیں سکتے تھے کیونکہ عالیہ بیگم' فیروز کو بھی مالی سپورٹ کرتی تھیں لہٰذا انہوں نے خاموشی میں ہی عافیت جانی۔

''پاپا پلیز......! میں جو بات آپ کو سمجھانا چاہ رہا تھا آپ سمجھ نہیں رہے''۔ اسفند کافی دیر سے شجاعت صاحب کو کنوینس کرنے میں لگا ہوا تھا لیکن شجاعت صاحب کی ایک ہی ضد تھی کہ یہ ''ماں'' کیلئے تو موزوں نہیں لیکن ''بیوی'' کے لحاظ سے صحیح رہے گی۔

اسفند کو اپنے باپ کی سوچ پر افسوس ہونے لگا' وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ حسن ہر عمر کے لوگوں میں فساد برپا کرسکتا ہے اور اس بات کی جھلک وہ اپنے باپ میں دیکھ رہا تھا۔

''اسفند! میں چاہتا ہوں تم کوئی اچھا کامدار سوٹ لے آؤ جلدی سے کسی شوخ کلر کا تاکہ وہ اسے پہن کر صحیح معنوں میں دلہن لگے''۔ اسفند کا یہ سن کر حلق تک کڑوا ہو گیا اور اسے پاپا کی دماغی حالت پر شک ہونے لگا۔

نکاح کیلئے جب قاضی نے شجاعت کی بجائے دولہا کے خانے میں اسفند شجاعت تحریر کیا تو اسفند چونک گیا اور ساتھ میں فاریہ آنٹی بھی۔

''پاپا؟؟؟''

''بس بیٹا! آج آخری بات اور مان لو میری زندگی بھر تم سے کچھ نہ کہوں گا''۔ شجاعت صاحب رقت آمیز لہجے میں بولے۔

''لیکن پاپا؟'' اسفند حیرانی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''آپ کو پتہ ہے میں پانچ دن بعد USA جارہا ہوں ہائر اسٹڈیز کیلئے اور وہ بھی پانچ سال کیلئے پھر بھی؟ یہ نہیں ہو سکتا میں کسی کو انتظار کی سولی پر چڑھا کر نہیں جا سکتا' پلیز پاپا''۔

''بس بیٹا! آپ کو پتہ ہے جب یہ عورت مجھ جیسے 65 سالہ شخص سے اپنی خوبصورت بیٹی کی شادی اپنی جان چھڑانے کیلئے کرسکتی ہے تو وہ یقیناً اسے کسی اپاہج یا کسی ایسے شخص سے بھی کرسکتی ہے جو اس بچی کی ساری

زندگی تباہ کردے' اگر اللہ نے تمہیں اس بچی کو بچانے کیلئے وسیلہ بنایا ہے تو ہم کیوں یہ نیکی ضائع کریں اور بیٹا! رہا سوال میرے اکیلے پن یا خیال رکھنے کا تو بیٹا! بیوی کے روپ میں ہی کیوں؟ یہ میری بہو میری بیٹی بن کر بھی تو میرا خیال رکھ سکتی ہے بلکہ مجھے تو افسوس ہے کہ یہ سوچ میرے ذہن میں پہلے کیوں نہیں آئی اور ہاں ہمیں اس بچی کو بچانا ہی نہیں اپنانا بھی ہے' اس کو تو پہلی نظر دیکھتے ہی مجھے اپنی بیٹی کی کمی کا شدت سے احساس ہونے لگا' کیا تم مجھے ایک بیٹی کی کمی پوری کرنے کا موقع نہیں دو گے؟'' شجاعت صاحب بڑے مان سے بولے' اسفند کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے یہ سوچتے ہوئے......

''تف ہے اسفند! تو ابھی تک اپنے باپ کی عظمت کو نہیں پہچانا' اس پر شک کیا۔ یا اللہ! مجھے معاف کرنا کہ میرے دل میں اپنے عظیم باپ کے بارے میں ایسی سوچ ہی کیوں آئی''۔ اسفند یہ سوچتے ہوئے شجاعت صاحب کے گلے لگ گیا۔

''جیسے آپ کا حکم پاپا! آپ کو یہ اختیار آج بھی ہے کل بھی تھا اور آنے والے کل بھی رہے گا''۔ ادھر عالیہ بیگم ان تمام معاملات سے بے خبر کچن میں ناشتے پانی کا انتظام کروا رہی تھیں۔ فاریہ کو شجاعت صاحب نے اپنے ساتھ ملالیا اور کہا ابھی کسی پر واضح نہ ہو کہ دولہا کون ہے کہیں یہ عورت جیلسی میں شادی ہی نہ رکوا دے۔ فاریہ آنٹی سمجھ گئیں اور ویسے بھی عالیہ بیگم کے سامنے انہوں نے شجاعت کا نام تک نہ لیا تھا' بس بھائی صاحب کہہ کر مخاطب کروایا تھا۔

ادھر رخ مہ میرون کلر کے کامدار سوٹ میں میرون لپ اسٹک لگائے سوجی سوجی آنکھوں کے ساتھ غضب ڈھا رہی تھی۔ نکاح کے وقت اسے نام کیا اُس نے تو کبھی ان لوگوں کی شکل تک نہ دیکھی تھی تو کیا پہچانتی کہ اس میں اسفند باپ کا نام ہے یا بیٹے کا؟ سو کانپتے ہاتھوں سے سائن کرکے بے دم ہو کر گر پڑی۔ عالیہ بیگم نے دکھاوے کیلئے اسے گلے لگایا اور اپنا آپ بہت ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگیں۔ قاضی نے نکاح پڑھا کر مبارک دینی چاہی تو اسفند ان کے گلے لگا پھر اس کے بعد فاریہ آنٹی اور شجاعت صاحب نے اسفند کو مبارکباد دی تو عالیہ بیگم کو جھٹکا لگا۔ انہوں نے فاریہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تو فاریہ نے مسکرا کر اسفند کا تعارف داماد کے طور پر کروایا تو عالیہ بیگم بھونچکا رہ گئیں اور اپنی عقل پر ماتم کرتے ہوئے یہ چالاکی بھی نہ کرسکیں کہ نکاح نامے میں دولہا کی عمر دیکھ لیتیں' اب تو وہ بڑی کھسیائیں اور یہ سوچتے ہوئے کہ اب اس رخ مہ کو پھر گلے پڑنے کے لیے کون واویلا مچائے؟ کیوں اپنا تماشہ بنوائیں؟ سو جو ہونا تھا ہو گیا اور مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی ہوئیں رخ مہ کو رخصتی کیلئے بلانے اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

ادھر فرزین نے جو یہ منظر دیکھا تو اس سے رہا نہ گیا' رخ مہ کو اس کی خوش قسمتی بتانے ہی جارہی تھی کہ فاریہ آنٹی نے اسے پکڑ لیا اور کہا۔

''بیٹا! یہ سرپرائز رخ مہ کے لیے رہنے دو''۔

مرے قدموں سے رخ مہ' اسفند ولا آ گئی۔ آنے والے وقت کے بارے میں سوچ سوچ کر وہ جھرجھری لیتی رہی لیکن اب بھلا وہ کربھی کیا سکتی ہے یہ سوچ سوچ کر آنکھوں سے تواتر سے آنسو بہتے رہے۔ شجاعت صاحب نے بھی رخ مہ کیلئے یہ سرپرائز ہی رکھا اور اسے کچھ کہے بغیر اسفند کے روم میں لے آئے' اسے بٹھا کر بولے۔

''آج سے یہ گھر تمہارا ہے' یہ کمرہ تمہارا ہے اور آج سے یہ گھر کی چابیاں اور مالکن تم ہی ہو''۔ یہ کہہ کر وہ اس کے کمرے سے چلے گئے اور اسفند کو کہا۔

''بیٹا! اسے اس انداز میں بتانا کہ وہ کہیں بے ہوش نہ ہو جائے''۔ اسفند مسکرایا' کیونکہ اب اس نے ہی اس کا ڈراپ سین کرنا تھا۔ اسفند تھوڑا شرماتا' جھجکتا ہوا رخ مہ کے پاس بیٹھ گیا اور بولا۔

''آج سے میری زندگی کی ہر خوشی آپ کی خوشی ہے' میری آنکھوں میں آپ کا چہرہ' میرے ہونٹوں پر آپ کی ہنسی' میرے گالوں پر آپ کے شرم کی لالی' میرے ہاتھوں میں آپ کا ہاتھ''۔ یہ سنتے ہی رخ مہ پہلو بدلتی رہ گئی اور ہونقوں کی طرح سوچنے لگی۔

''یہ شخص مجھ سے کس قسم کی گفتگو کر رہا ہے' اسے یہ احساس نہیں کہ میں رشتے میں اس کی ''ماں'' ہوں اگر لگتی نہیں تو کیا فرق پڑتا ہے' رشتہ تو میرا یہی رہے گا ناں''۔

''میری سوچوں میں آپ اور میری تنہائیوں میں بھی آپ ہی میری ساتھی ہیں''۔

''چپ ہو جایئے پلیز''۔ رخ مہ روتے ہوئے چیخ پڑی۔

''کیوں میرا اتنا مذاق بنا رہے ہیں آپ؟ آپ کو شرم نہیں آتی' کم سے کم اس رشتے کا تو احترام کر لیں آپ''۔ آنسوؤں سے لبالب بھری براؤن آنکھیں اسفند کا صبر ختم کر رہی تھیں لیکن وہ اس پچویشن سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔

''کس رشتے کا؟'' رخ مہ نے ایک زخمی نظر اس ہینڈسم شخص پر ڈالی اور کانپتے لبوں سے بولی۔

''اس رشتے کا جو میرے اور آپ کے درمیان ہے''۔ رخ مہ کے منہ سے نکلتے ہی اسفند کا قہقہہ آسمان کو چھو گیا اور رخ مہ حیرت سے اس کی شکل تکنے لگی۔ اسفند نے ایک نظر اسے دیکھا اور بولا۔

''میری جان! میں ہی اسفند شجاعت ہوں آپ کا شوہر نامدار' مجازی خدا' آپ کے دکھ سکھ کا ساتھی''۔ رخ مہ پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹ گیا اور وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔

''وہ بوڑھا شخص جس سے میری شادی طے ہوئی تھی؟'' اسفند نے پیار سے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے اور اسے ساری تفصیل بتائی جسے سن کر رخ مہ کے چہرے پر دھنک کے رنگ بکھر گئے اور اسے اپنی قسمت پر رشک آنے لگا۔

''رخ! میں تمہیں ایک بات اور بتانا چاہتا ہوں' میں ہائر اسٹڈیز کیلئے امریکا جا رہا ہوں''۔ یہ سنتے ہی رخ مہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے' کچھ کھو دینے کا احساس آنکھوں میں ہلکورے مارنے لگا۔ اسفند اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے بولا۔

''دیکھو رخ! تمہیں بچانے کیلئے ہم نے یہ انتہائی قدم اٹھایا ہے اور میں اپنے پاپا کا شکر گزار ہوں کہ ان کی وجہ سے مجھے ایک بہت کیوٹ اور پیاری سی بیوی ملی ہے' اب تمہیں مجھ سے یہ وعدہ کرنا ہے کہ پانچ سال تک تم میرا انتظار ایسی محبت اور ایسی ہی بیقراری سے کرو گی جو میں ابھی تمہاری آنکھوں میں اپنے لیے دیکھ رہا ہوں' میرے گھر کو جنت بنانا' میرے پاپا کا مجھ سے بھی زیادہ خیال رکھنا''۔ اسفند نے رخ مہ کے ہاتھوں کو ہولے سے دباتے ہوئے کہا۔

''میں وعدہ کرتی ہوں اسفند! کہ جب آپ لوٹو گے تو اس سے زیادہ محبت پاؤ گے کیونکہ یہ میری محبت ہی آپ کو لوٹنے پر مجبور کرے گی اور ہاں اسفند! ایک بات یاد رکھنا' مجھے اپنے اس اصل گھر تک آنے کیلئے جو راستہ ملا تھا وہ بہت خاردار تھا' اب میرے وجود کا ایک ایک کانٹا آپ کو اپنی محبت سے نکالنا ہے' میں بہت تھک گئی ہوں ان کانٹوں کی چبھن برداشت کرتے کرتے۔ پلیز...... مجھے کبھی بکھرنے مت دینا' میں آپ کا مان ہمیشہ برقرار رکھوں گی''۔ یہ سنتے ہی اسفند نے اسے اپنے سینے میں چھپا لیا اور ادھر چاند بھی اس انوکھے ملن پر مسکرا اٹھا۔

☆

انعم خان

قسط نمبر 8 ۔

مکمل ناول

اس دل میں بس تم ہو

''میں تو سب کچھ بھولنا چاہتی ہوں مگر حالات کچھ بھی بھولنے نہیں دیتے''۔ ادینہ عجب الجھے کھوئے انداز میں بولی' جیسے آج تک اذیت کا شکار ہو۔



''میں وقار بھائی کی طرف سے تم سے معافی مانگتی ہوں''۔ ماہی پشیمانی کی اتھاہ گہرائیوں میں اتری تھی۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے ماہی!'' ادینہ نے جواباً اتنا ہی بولا پھر توقف کے بعد مزید اضافہ کیا۔

''اچھا ماہی! میں تم سے پھر بعد میں بات کروں گی لگتا ہے معید آ گئے ہیں' ڈور بیل کی آواز آ رہی ہے''۔ ساتھ ہی اجازت طلب کی۔

''اوکے ٹھیک ہے' اللہ حافظ''۔ مہ روش نے بھی آخری کلمات ادا کرتے ہوئے کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔

جبھی کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی تو دھیرے سے پلٹ کر دیکھا' نظر اندر داخل ہوتے مراد منصور کی نظروں سے ٹکرائی' مراد اس کی جانب جاذب مسکراہٹ پاس کرتا اس کے قریب آ بیٹھا' مہ روش اپنی جگہ سمٹی' رشتہ طے ہونے کے بعد مشرقی لاج و شرم کے گہنے وہ پہن چکی تھی' وہاں سے اٹھ کر بھاگی تو نہیں البتہ نظریں جھکا لیں تھیں۔

''ہو چکی بات......؟''

''جی''۔



''کیا کہہ رہی تھی ادینہ......؟'' مراد نے اس کی سمت جھک کر پوچھا ساتھ ہی پر اشتیاق چاہت بھری نظریں اس کے سندر مکھڑے کے طواف پر لگا ئیں۔

''یہی کہ......'' وہ کہتے کہتے پل کو رکی۔

''کہ......؟'' وہ سوالیہ تھا۔

''آپ کے ساتھ مارکیٹ جاؤں' انگیجمنٹ ڈریس اینڈ رنگ اپنی پسند سے لوں''۔ وہ تیزی سے بولی' آنکھیں ہنوز جھکی تھیں۔

''سو......؟'' مراد نے نارمل پوچھا' کہ اس میں کوئی مضائقہ نہ تھا' اور اس وقت وہ آیا بھی ماہی کی طرف اسی سلسلے میں تھا کہ کلثوم بیگم بھی یہی چاہتی تھیں۔

''ابھی چلیں پھر مارکیٹ......؟'' مراد نے پھر پوچھا' وہ خاموش تھی' وہ دھیرے سے مسکرایا کہ ماہی کی شرم سے واقف تھا۔

''تم سے پوچھنا کیا' شرماتی ہی رہو گی چلو اٹھو پانچ منٹ میں تیار ہو جاؤ میں تمہارا انتظار کرتا ہوں' پھر تم مجھ سے ڈھیر ساری شاپنگ کروانا اپنی پسند سے''۔ وہ کہتا ہوا اٹھا' مہ روش نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کم آن ہری اپ مائے لو''۔ کہتے ہوئے وہ شوخ مسکراہٹ چہرے پر سجائے کمرے سے باہر نکل گیا' مہ روش بھی تیار ہونے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔



فلک کی مصروفیت کام کے بجائے سوچوں وخیالوں میں بڑھتی جا رہی تھی' اس کی عادت سی بنتی جا رہی تھی کہ جلد از جلد ماں کے بتائے کاموں سے فرار پاتی اور اپنے کمرے' چھت یا گھر کے کسی بھی خاموش پرسکون گوشے میں چپکے سے سب کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی اور پھر گھنٹوں مشارب شاہ کی محبت کے پرسحر محسور کن احساس میں خود کو پابند کر لیتی' سپنوں کی رنگین' دلنشین محفل سجاتی' کہ ابتداء میں خواب حقیقت سے زیادہ خوبصورت تھے۔ ساتھ ہی فیصلہ بھی کر لیا کہ سب کے سامنے اور خصوصاً مشارب شاہ کے سامنے اب کم از کم اپنی کیفیت پر اختیار رکھے گی' جب تک مشارب اظہار میں پہل نہیں کرے گا وہ بھی کوئی رسپانس نہیں دے گی' البتہ خاموشی کے بعد اپنے سابقہ رویئے و انداز میں باتیں کرے گی کہ شاید ابھی فوراً سے مشارب شاہ بھی اپنے دل میں موجود فلک کی محبت کو ظاہر نہ کرنا چاہتا تھا۔ کیوں؟ فلک شاہ کسی کیوں کے چکر میں پڑے بغیر بےفکر ہو کر اپنی سوچ وخیالات کی دنیا میں بس خوش تھی' اپنے اس قیاس کے سچ ہونے کا اسے سو فیصد یقین تھا کہ اس کی محبت دو طرفہ ہے' پھر پریشانی کیسی......؟ محبت کا پودا' جذبات و احساسات کی آبیاری سے خود بخود پروان چڑھتا ہے اور ضروری بھی نہیں ہوتا کہ ہر بار ابتداء میں ہی اظہار کیا جائے' بعض اوقات دونوں اطراف کی خودساختہ خاموشی اسے اپنے ہی طریقے سے بڑی خوبصورتی کے ساتھ مضبوط کرتی ہے' اور فلک کا وثوق اسے مطمئن کر گیا تھا' اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ خاموش رہ کر سب کی نظروں میں آنے کے بجائے اپنی سابقہ ٹون اختیار کرتے ہوئے چاہتوں کے سفر میں آگے بڑھے گی' اس کے ناداں دل کے نزدیک محبت لفظوں کی محتاج نہیں ہوتی' یہ تو دو دلوں کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے' جسے کبھی آنکھیں سلجھا لیتی ہیں تو کبھی لفظوں کا خوبصورت امتزاج وہ بدلتی سوچ و فیصلے کے ساتھ گنگنا کر اٹھی اور ڈائجسٹ اٹھائے باہر لاؤنج میں صوفے پر آ کر لیٹ کر پڑھنے لگی کہ شومئی قسمت جبھی فہمیدہ بیگم کا وہاں سے گزرنا ہوا۔

''تم نہیں سدھروں گی فلک''۔ انہوں نے رکتے ہوئے اس کے ہاتھ سے ڈائجسٹ لے کر بند کرتے ہوئے کہا' وہ اٹھ بیٹھی۔

''سدھر جاؤ میری بچی! سدھر جاؤ اب''۔ وہ عاجز آ گئیں۔

''سدھرنے سے کیا فائدہ اماں حضور''۔ برجستہ پوچھا گیا۔

''تمہارے سسرال والوں کو کیا منہ دکھائیں ہم کہ ایک ہی بیٹی ہے اور وہ بھی نکمی' نہ کام نہ کاج' بےکار کی باتیں' اگر یہی حال رہا تو سسرال والے دوسرے ہی دن ہاتھ سے پکڑ کر واپس لا بٹھائیں گے' بےعزت کرواؤ گی تم ہمیں' لڑکیاں تم جیسی غیر ذمے دار' بےفکر تو نہیں ہوتیں' تمہاری عمر کی لڑکیاں ماؤں کو کام کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتیں اور ایک تم ہو جو ایک کام کو ہاتھ تک نہیں لگاتی تم نے تو مجھے سولہ سال کی جوان لڑکی بنایا ہوا ہے''۔ فہمیدہ بیگم نے اسے اچھا خاصہ سخت سنا ڈالا۔

''یہ تو آپ کے لئے بہت خوشی کی بات ہے' شکر کریں اللہ کا جو آپ اتنی باہمت' جوان خوبصورت ہیں' صحت مند ہیں ورنہ تو روتیں ہیں عورتیں خود کو لے کر...... کبھی جوڑوں کا درد' کبھی یہ بیماری کبھی وہ بیماری''۔ جواباً وہ تڑاخ سے بولتی انہیں فخر دلانے کی سعی کرنے لگی۔

''پتہ نہیں تمہارا کیا بنے گا''۔

''جو بھی بنے گا اچھا بنے گا' آپ بےفکر ہو جائیں اور وہ جو آپ ابھی کہہ رہی تھیں نہ کہ سسرال والے دوسرے دن ہاتھ سے پکڑ کر واپس لا بٹھائیں گے تو اچھی بات ہے وہاں بھی کام سے بچت ہو جائے گی' یہاں مزے سے آرام کروں گی اور آپ کے داماد کو بھی یہیں لے آؤں گی' بس آپ دیکھئے گا''۔ پھر یاد آنے پر بولی' انداز میں شوخی و شرارت تھی۔

ماں سے جرح میں لطف لیتی ان کے غصے کو ہوا دینے لگی' کچھ ذہن میں خیال بھی کوندا کہ مشارب سے شادی کے بعد اپنا ہی گھر سسرال ہوگا' پھر فکر کیسی؟

''بکومت...... تمہیں تو میں اتنی دور بیاہوں گی کہ ترس جاؤ گی سب کو دیکھنے اور آرام کے لئے''۔ وہ تنگ آ کر بولیں۔

''امی! آپ اتنی تنگ ہیں مجھ سے......'' جو اس کی غیر سنجیدہ طبیعت پر گہرا اثر کر گیا تھا۔

''اور نہیں تو کیا...... اپنی حرکتیں دیکھو' شرم فکر نام کی چیز نہیں ہے تم میں' اتنی بچکانہ سوچ اور باتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں' لوگ تو یہی کہتے ہیں کہ ماں کچھ سکھاتی نہیں ہے' باتیں تو مجھے سننی پڑتی ہیں مگر تمہیں کیا فکر...... مگن رہو اپنی دنیا میں' لو پڑھو ڈائجسٹ''۔ وہ خفا سی بولیں۔ فلک یکدم کچھ نادم سی ہوئی تو فوراً آگے بڑھ کر انہیں اپنے حصار میں لیا۔

''سوری امی......! آپ تو خفا ہو گئیں...... آئی ایم سوری مما''۔

''ہٹو پیچھے اب''۔ وہ بولیں' مگر فلک نے اپنا حصار اور مضبوط کر لیا۔

''نہ جی نہ...... ایسے کیسے ہٹ جاؤں' آپ میں تو میری جان ہے اور آپ کو میں شرمندہ نہیں کروں گی مزید لیکن پلیز تھوڑا انتظار کر لیں پھر میں سب سیکھ لوں گی اور پلیز مجھے خود سے دور بھیجنے کا سوچئے گا بھی مت' میں اس گھر سے دور نہیں رہ سکتی' آپ سب کے بغیر' بنا آپ کو دیکھے میں زندہ نہیں رہ سکوں گی''۔ وہ قدرے جذباتی ہوئی۔

''ایسے تو نہ کہو''۔ وہ اس کی بات پر خفا سی اسے گھورنے لگیں۔

''ٹھیک ہے مگر آپ مجھے خود سے دور نہیں بھیجیں گی''۔

''اچھا نہیں بھیجتی''۔

''ٹھیک ہے پھر میں سب کام سیکھوں گی''۔

''کب......؟'' وہ حیران ہوئیں۔

''FA کے بعد''۔

''دوبارہ پیپر کب دوگی؟''

''دو ماہ بعد......'' اس نے بتایا۔

''ٹھیک ہے پھر جب تک کتاب پڑھو''۔ اب کہ انہوں نے نرمی سے کہا۔

''کتاب سے پہلے ایک کہانی پڑھ لوں''۔ فلک پیچھے ہٹتے ہوئے ڈائجسٹ اٹھا کر بولی بلکہ اجازت لی۔

''پڑھ لو مگر یاد رکھنا ایف اے کے بعد سب کام سیکھنے ہوں گے''۔ فہمیدہ بیگم نے اجازت دیتے ہوئے اسے باور کروایا۔

فہمیدہ بیگم بھی مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ آگے بڑھ گئیں تو فلک نے وہیں صوفے پر لیٹ کر فٹافٹ کہانی پڑھنی شروع کی۔

☆

''علی بیٹا......!'' وہ کمرے سے نکل کر باہر کی جانب جا رہا تھا جب ساجدہ گیلانی نے اسے پکارا' وہ رکا پھر پلٹ کر ماں کی طرف دیکھنے لگا۔

''جی مما''۔

''کہیں جا رہے ہو تم......؟''

''جی مما...... عمر کی طرف جا رہا ہوں''۔ اس نے مختصراً بتایا۔ لہجے میں کچھ خاص نہیں تھا' بجھا بجھا' تھکا سا انداز' جیسے برسوں سے اکتاہٹ کا شکار ہو' وہ اپنی کیفیت سے باخبر تھا۔ مگر ساجدہ گیلانی حقیقت سے بے خبر انجان ٹھٹکیں' بیٹے کا زندگی میں پہلی بار ایسا انداز ان کی ممتا کو بے چین کر گیا' علی کے ساتھ کوئی مسئلہ تھا یا پھر کوئی پریشانی وہ نہیں جانتی تھیں مگر علی نے اس دن بھی انہیں اپنی کھوئی صورت' بے چین طبیعت سوجی آنکھوں کی بابت رت جگہ بتایا سو آج بھی وہ متفکر سی ہوئیں۔

''کیا بات ہے علی......؟'' وہ اس کی طرف بڑھیں۔

''جی مما...... کچھ نہیں''۔ وہ اچانک پوچھنے پر سنبھل ہی نہ سکا البتہ خود کو کمپوز کرنے کی سعی میں نفی میں سر ہلایا۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے......؟ لگتا ہے آج رات بھی ٹھیک سے نہیں سوئے' کتنے بے سکون لگ رہے ہو''۔ وہ بیٹے کے اجاڑ ویران ہوتے چہرے اور معمول سے ہٹ کر سوجی آنکھوں کو دیکھنے لگیں علی نے فوراً نظریں چرائیں' کہ سامنے ماں کھڑی تھیں۔ وہ ماں جس نے اس کی پیدائش سے لے کر جوان ہونے تک اسے دل سے محسوس کیا' اس کا خود سے بڑھ کر خیال رکھا' اس کے لئے اپنی راتیں جاگ کر گزاریں' اپنے دن اپنے اکلوتے بیٹے کے گرد اس کی خوشیاں سمیٹنے میں گزارے' جنہیں وہ ہر بات بتاتا' اپنے جذبات احساسات

قریب پاتا' تو وہ بھی بیٹے کے لئے آگے رہتیں' اس کی خوشی خواہش کو مقدم رکھتیں' اس کی صحت' تندرستی' لمبی عمر اور سکون کی دعا مانگتیں' اس کی آنکھوں میں خوشیوں کے جگمگاتے دیئے دیکھنا چاہتیں اس کی مسکراہٹ میں زندگی کی جھلک محسوس کرتیں تو پھر آج وہ ماں کیونکر بیٹے کے دل کی کیفیت کو نہیں پڑھ سکتی تھی؟

علی آیان غم کے گہرے سمندر میں خود تو پھنسا ہی چکا تھا مگر اور کسی کو خود سے جڑے قریبی پیارے رشتے اور خصوصاً ماں کو اپنی ذات کے حوالے سے دکھ درد دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا' جبھی نظریں جھکائے اپنی اندرونی' قلبی تباہ حالی پر ظاہری بربادی چھپانے کی سعی کرنے لگا۔

''ارے مما! ایسی کوئی بات بھی نہیں ہے' بس نیند آج بھی پوری نہیں ہوئی' رات تین بجے تک مووی دیکھتا رہا سو دماغ ابھی تک فائٹنگ کے شور سے چکرایا ہوا ہے' اور پھر صبح بھی جلدی اٹھا ہوں جبھی آنکھیں آپ کو میری سوجی لگ رہی ہیں''۔ علی زبردستی کی مسکراہٹ کے ساتھ جھوٹ سے مزین وضاحت دی' تو ساجدہ بیگم نے سنتے ہی خفگی سے خفیف سا منہ بنایا' جانتی تھیں کہ فائٹنگ والی موویز اسے شروع سے پسند ہیں' جنہیں وہ رات گئے تک دیکھتا رہتا ہے' اور جس سے وہ خاصی خفگی کا اظہار کرتیں کہ کم از کم اسے رات کو اپنی نیند پوری کرنی چاہئے کہ ہر وقت کی بے آرامی چہرے کی شادابی ختم کر کے رکھ دیتی ہے۔

''ارے تو ضرورت کیا تھی مووی دیکھنے کی؟ کتنے الجھے ہوئے لگ رہے ہو' میں نوٹ کر رہی ہوں' پچھلے کئی دنوں سے اور خصوصاً یونیورسٹی کے بعد سے تم اپنا بالکل خیال نہیں رکھ رہے' اپنا خیال رکھا کرو''۔ اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔

''ایک ہی بیٹے ہو تم میرے' یوں لاپرواہ مت بنو' مجھے تم سوٹڈ بوٹڈ ہنستے مسکراتے چاہئے ہو سمجھے...... اپنا بہت سا خیال رکھا کرو ہمارے لئے' اور آئندہ ایسے ہی ویسے ہی میں نہیں سنوں گی''۔ وہ لاڈ و پیار مگر قدرے تحمل سے بولیں' علی دماغ سے فی الوقت تمام سوچیں جھٹک کر چہرے پر مسکراہٹ لایا۔

''اوکے مما جانی!''

''اور عمر کی طرف شام کو چلے جانا ابھی آرام کرو' نیند پوری کرو''۔ وہ بولیں۔

''نہیں مما! ابھی جانے دیں' رات کو آرام کروں گا''۔ وہ بولا کہ ابھی گھر سے باہر کہیں بھی شور و غل میں جانا چاہتا تھا کہ جہاں اس کا ذہن لوگوں کی باتوں' قہقہوں میں مستبشرہ کی یادوں سے چھٹکارہ پا سکے کہ محض اپنے کمرے میں بند رہ کر وہ اس کی یادوں سے اذیت کا شکار ہو کر تڑپتا رہتا ہے' کلستا رہتا ہے' مگر لاکھ چاہنے کے باوجود قرار نہیں سمیٹ سکتا۔

''چلو ٹھیک ہے چلے جاؤ مگر جلدی آنا''۔ انہوں نے اجازت دی' ساتھ ہی ہدایت بھی دی۔

''تھینک یو مما......'' تو وہ مسکراتا ہوا باہر نکل آیا۔ ماں کے سامنے خود کو کمپوز کرنا' ریلیکس ظاہر کرنا اس کے لئے کڑا امتحان تھا' وہ ساجدہ بیگم سے دل کی حالت چھپائے اب باہر نکل آیا اور ایک لمبی سانس خارج کرتے ہوئے ہونٹ بھینچ گیا کہ تمام عمل تکلیف دہ تھا۔

''کاش مستبشرہ! کاش تم میری زندگی میں نہ آئی ہوتیں' تم نے فریب نہ کیا ہوتا' تم خود تو حال میں رہ کر مستقبل کی سوچنے والی لڑکی ہو' مگر میری بدقسمتی کہ میرا حال میرا مستقبل تو محض تم ہو' تمہاری یادیں ہیں' جنہیں سلامت رکھنے کے لئے دیکھ لو میں نے جھوٹ بولا اور شاید آگے بھی بولوں''۔ علی آیان حسن گیلانی دل ہی دل میں اس سے مخاطب تھا یکدم آنکھوں میں درد' دل میں تڑپ ہلکورہ لے کر جا گی تھی۔

''کاش مستبشرہ! مجھے تم سے محبت نہ ہوئی ہوتی''۔ وہ بے بس ہونے لگا۔ محض چند دنوں میں اس کے وجود' ذات' جسم وروح پر بے بسی غالب آئی تھی' تڑپ' ہر وقت کی سلگتی آگ نے اسے اندر سے جیسے نچوڑ لیا تھا' ناچاہتے ہوئے بھی اس کا دل پچھتاوے کی دلدل میں دھنسنے لگا کہ گویا سارا قصور ہی دل کا ہو۔

عمر کی طرف جانے کے بجائے وہ شہر کی مصروف ترین مارکیٹ کی طرف چل نکلا تھا کہ مسلسل یاسیت و تاسف زدہ سوچیں اس کی روح تک کو بے قرار کر رہی تھیں جن سے تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی مگر وہ چھٹکارہ چاہتا تھا۔



مستبشرہ نے خود کو اسکول کے ماحول میں جلد ہی ایڈجسٹ کرلیا تھا' روز صبح نئے عزم لئے جذبے سے اٹھتی' تیاری کرتی اور اسکول چلی جاتی' محنت لگن' شوق وشوخی سے کلاس لیتی' خوشگوار موڈ میں بچے بچیوں سے گفتگو کرتی' ان کی زبانی ان کے قصے سنتی' ان کی شرارتوں سے لطف اندوز ہوتی اور فری پیریڈ میں اسٹاف روم چلی جاتی' شروع کے دو تین دنوں میں ہی اس نے اسکول میں کئی ٹیچر دوست بھی بنالیں تھیں' جن سے وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتی' ان کی سنتی' ہنستی مسکراتی اور ایسے میں رہ رہ کر اپنی تین دوستوں کو پل پل یاد کرتی جو اسے بہنوں سے زیادہ عزیز لگتی تھیں' روز فیصلہ کرتی کہ آج گھر جاکر باری باری درعدن' معطر اور مہ روش کو فون کرے گی مگر اسکول سے واپسی پر اتنی تھک جاتی کہ لنچ کے بعد فوراً کمرے کا رخ کرتی پھر شام کو نیند پوری کرکے تھکن اتار کر باہر آتی' اماں کے پاس بیٹھتی' بابا جان سے اپنے اسکول کی پروگریس کا پوچھتی تو دوستوں کو فون کرنے کی طرف دھیان ہی نہ جاتا' مگر آج اس نے تہیہ کرلیا تھا کہ جاتے ہی لنچ کے بعد کمرے میں سونے کے بجائے ان سے رابطہ کرے گی' سو شوخی وطمانیت سے چھٹی تک کا وقت گزارہ اور گھر کی راہ لی' زہرہ شاہ نے معمول کی طرح اس کی آمد سے قبل اس کی پسند کا کھانا ٹیبل پر سجایا ہوا تھا' سید جمال شاہ بھی اسی کے انتظار میں تھے اس نے دونوں کو سلام کیا پھر منہ ہاتھ دھوکر کھانا کھایا' پھر کھانے سے فراغت کے بعد اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کہاں جا رہی ہو بیٹا......؟''

''بابا جان! کمرے میں جا رہی ہوں''۔

''کچھ دیر ہمارے پاس بھی بیٹھو''۔ زہرہ شاہ نے پیار سے بیٹی کو دیکھا۔

''اماں! تھوڑی دیر میں آتی ہوں' آج بہت دل چاہ رہا ہے ماہی' عدن اور معطر سے بات کرنے کو' بس ان کے کانٹیکٹ نمبر لے کر آتی ہوں' وہ بھی کہتی ہوں گی ملتان آنے کے بعد میں نے ان سے رابطہ تک نہیں کیا اور اوپر سے ہمارا نمبر بھی چینج ہوگیا ہے وہ خود سے بھی بات نہیں کرسکتیں' ناراض ہو رہی ہوں گی ان سے بات کرلوں اور ویسے بھی آج سونے کا ارادہ نہیں ہے' پھر سب مل کر آپس میں باتیں کریں گے''۔ جواباً وہ خاصی تفصیل سے بولی۔

''چلو ٹھیک ہے''۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا' اور برتن سمیٹنے لگیں۔ مستبشرہ مسکراتی ہوئی کمرے میں چلی آئی' سب سے پہلے آئینے کے سامنے گئی اپنے کھلے بالوں میں کنگھی پھیری' پھر الماری کی طرف بڑھی' جہاں اسلام آباد سے واپسی کے بعد اس نے بیگ سے کپڑے وغیرہ نکال کر رکھنے کے بعد اسے دوبارہ مڑ کر دیکھا تک نہیں تھا' پرس سے نکال کر اسی بیگ میں اس نے تینوں دوستوں کے کانٹیکٹ نمبر بھی رکھے ہوئے تھے' بیگ الماری سے نکال کر وہ بیڈ پر آن بیٹھی' دونوں پاؤں بھی اوپر کھینچ لئے' ساتھ ہی زپ کھولی اور متلاشی نگاہ

دوڑائیں' ہاتھ بیگ کے اندر ڈال کر باہر نکالا تو ہاتھ میں کانٹیکٹ نمبر والے پیج کے بجائے لفافہ آیا' اس نے حیرت سے بھوئیں سکیڑ کر لفافے کو گھما پھرا کر دیکھا' مگر ذہن میں کوئی متعلقہ خیال نہ کوندا۔

''یہ کیا ہے......؟'' دل ہی دل میں خود سے پوچھا۔

اس وقت مستبشرہ جمال یقیناً بے دھیانی میں تھی کہ تلاش کانٹیکٹ نمبر والے صفحے کی تھی ایسے میں ذہن پر بالکل زور نہ دیا کہ یہ وہی لفافہ تھا جو اسلام آباد سے واپسی پر عمر نے اسے علی کی طرف سے دیا تھا' اسی سے صاف ظاہر تھا کہ اس میں واقعی میں ماضی کو بھلانے کی صلاحیت موجود تھی جو کتنے ہی دن گزرنے کے باوجود بھی ایک مرتبہ دانستہ یا بھولے سے بھی اس کا خیال علی کی طرف نہیں گیا تھا۔

اسلام آباد یونیورسٹی کے دوران بھی اور یہاں ملتان آنے کے بعد بھی وہ اپنے دعوئی پر قائم تھی کہ وہ کبھی بھی علی کے بارے میں سنجیدگی سے نہیں سوچے گی' نہ سوچ سکتی ہے' اس کے بابا کا مان' عزت واعتبار اس کی ذات پر سلامت رہ گیا تھا پھر پلٹ کر پیچھے دیکھنے اور سوچنے کا کیا فائدہ......؟

یا پھر یہ کہنا بالکل بھی غلط نہ تھا مستبشرہ جمال علی آیان حسن گیلانی کے معاملے میں بے حس ثابت ہوئی تھی۔ ایک بیٹی باپ کے لئے سینے میں دل' دل میں عزت' ان کے وعدے کا پاس رکھ کر اپنی نظروں میں سرخرو' اپنے ضمیر کی عدالت میں مطمئن وفخر سے سر اونچا کئے ایک ایسے شخص کے لئے پتھر سے بدتر ثابت ہوئی تھی جس نے اس کے دل سے پرستش کی' اسے دل میں بسایا' خود سے بڑھ کر چاہا' عزت دی اور جس نے بدلے میں اس شخص کو ایک وعدے کی نبھا کی خاطر ایسا تکلیف دہ فریب دیا کہ وہ بکھر کر پھر شاید تمام عمر سمٹ نہ سکے۔

اگلے ہی لمحے مستبشرہ جمال نے کندھے اچکا کر لفافہ پھر سے بیگ میں رکھا کہ نہ تو فی الوقت تجسس کو بڑھاوا دینا چاہتی تھی نہ فکر میں گرنا چاہتی تھی کہ ابھی دوستوں سے بات کی جلدی تھی' دو چار لمحوں بعد ہی اس کے ہاتھ مطلوبہ صفحہ لگا تو چہرے پر گہری مسکراہٹ پھیلی' بیڈ سے پاؤں نیچے سرکائے' چپل پہنے اور بغور نمبرز دیکھتی باہر کو نکلنے لگی مگر اس سے پہلے ہی کوئی اور دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا۔

''ہیلو مستبشرہ!'' یہ فلک شاہ تھی جس نے اپنے مخصوص بھرپور انداز میں اچانک کہتے ہوئے تقریباً اسے ڈرا ہی دیا تھا۔

''اوہ فلک کی بچی......! تم نے تو ہلا کر رکھ دیا ہے''۔ مستبشرہ اسے اتنے عرصے بعد سامنے پاکر خوشگوار موڈ میں اس کے گلے لگی ساتھ ہی کہا' جس پر وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

''مشارب سچ ہی کہتا ہے کہ تم کسی آندھی' طوفان' زلزلے سے کم نہیں ہو''۔ وہ فلک کو ہلکی سی چپت لگا کر بولی۔

''وہ پاگل ہر وقت میرے خلاف ہی لگا رہتا ہے' دوست نما دشمن ہے' میری ایسی تعریفیں ہر ایک کے سامنے کرنا فرض سمجھتا ہے اپنا''۔ فلک' مشارب شاہ کے لئے مصنوعی غصے سے بولی۔

مستبشرہ دھیرے سے مسکرائی' ساتھ ہی اسے لئے واپس بیڈ پر چلی آئی' اسی دوران ہاتھ میں پکڑا کاغذ واپس بیگ میں ڈال دیا کہ اب فلک کی موجودگی میں دوستوں سے بات مشکل تھی۔

''اچھا سناؤ کیسی ہو......؟'' پھر اس سے پوچھا۔

''میں ٹھیک تم کیسی ہو......؟''

''ایکدم پرفیکٹ مگر تم سے ناراض''۔ مستبشرہ کچھ یاد آنے پر روٹھے لہجے میں بولی۔

''ناراض وہ بھی مجھ سے...... کیوں......؟'' فلک حیران ہوئی۔

''یونیورسٹی سے آئے مجھے کتنے دن ہو گئے مگر تم آج اتنے دنوں بعد آ رہی ہو' کیسی بہن ہو؟ تمہیں ذرا بھی خوشی نہیں ہوئی اور نہ ہی فون پر بات کی' نہ جاب اور اسکول کی مبارک باد دی''۔ مستبشرہ نے موقع ملتے ہی شکوہ کیا۔ فلک نے بھوئیں اچکا کر ہونٹ دانتوں تلے دبائے۔

''اوہ سوری ویری سوری اینڈ ڈھیروں مبارک''۔ پھر خوش دل سے کہا۔

''اب کیا فائدہ......؟'' اس نے موڈ بنایا۔

''تم سے آنے کا وقت ہی نہیں ملا' جب سے فیل ہوئی ہوں امی نے تو مجھ پر اتنی بختی کی کہ نہ پوچھو' ہر وقت کام اور ان کے ساتھ کچن میں کھڑا ہونا' اچھی بھلی بے فکر زندگی گزار رہی تھی' ہاں کبھی کبھی بڑی مشکلوں سے کوئی بہانہ چل جائے تو جان چھوٹتی ہے البتہ مشارب نے مجھے تمہارا بتایا تھا' اسکول کے بارے میں بھی بتا تا رہتا ہے''۔ فلک نے حسب عادت اپنے آپ کو بچانے کے لئے وضاحت دینی شروع کی' باتونی جو تھی' آسانی سے قابو آنا اس کی فطرت میں تھا ہی نہیں۔

''خوب...... تم تو نام کی بہن ہو' تم سے تو مشارب ہی اچھا ہے' یہاں بھی چکر لگا تا رہتا ہے اور بابا جان کے پاس بھی باقاعدگی سے جاتا ہے''۔ مستبشرہ بھی اتنی جلدی نہیں ماننے والی تھی جبھی اسے ٹارگٹ کیا۔

''آئی ایم رئیلی سوری مستبشرہ...... تم پوچھ لینا عثمان اور تیمور سے کہ مشارب کی وجہ سے ہی میں امی کے ہاتھوں پھنسی ہوں' جبھی آنے جانے کا ٹائم ہی نہیں ملا اور اب تو پیپر بھی دینا ہے' لیکن تم سے ملنے کو اتنا دل چاہا کہ فوراً سے تائی امی کے ساتھ چلی آئی اور بائی دا وے مس مستبشرہ جمال صاحبہ! اگر میں نہیں آئی تمہاری خوشی میں شریک ہونے تو تم کون سا میرا غم بانٹنے آئی ہو؟ زیادہ ناراضگی تو میری بنتی ہے''۔ فلک شاہ عادتاً تیز بولتی آخر میں یاد آنے پر اترا کر کچھ دبنگ سے انداز میں بولی۔

''کیسا غم......؟'' وہ حیرت میں ڈوبی۔

''انگلش میں فیل اور نازک سی جند پر کام کا بوجھ کسی غم سے کم تو نہیں''۔ برجستہ جواب پیش کیا گیا' فلک کی بات پر مستبشرہ بے ساختہ مسکرائی' پھر بولی۔

''ہاں پر یہ تو تمہیں پہلے چاہئے تھا کہ اس متعلق بھی سوچتیں جب سب تمہارے ہاتھ میں تھا' اگر اچھے سے محنت اور تیاری کرتیں تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا نہ نازک سی جند کو غم سہنا پڑتا''۔ لہجے میں کھنکار تھی' فلک نے ہنستے ہوئے بھرپور اس کا ساتھ دیا۔

''اور اس مرتبہ پیپر تیاری سے دینا' اٹھو پہلے میں ممانی جان سے مل لوں پھر مزید باتیں کریں گے''۔ مستبشرہ نے مخلصانہ و دوستانہ مشورہ دیتے ہوئے کہا' پھر اسے لئے باہر چلی آئی' جہاں مشارب شاہ کی امی آصفہ شاہ' زہرہ شاہ کے ساتھ محو گفتگو تھیں' وہ پرجوش پر تپاک انداز میں بڑی ممانی جان سے ملی' کچھ دیر بیٹھی باتیں کیں' آصفہ بیگم خاص فلک کے ہمراہ مستبشرہ کی ملتان واپسی پر تمام گھر والوں کو رات کھانے پر دعوت دینے بھی آئی تھیں جو زہرہ بیگم نے خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہوئے شام ساتھ میں جانے کا ارادہ بنا لیا تھا۔

☆

مہ روش' مراد کے سنگ لاہور کی سب سے بڑی اور مصروف ترین مارکیٹ میں کھڑی تھی' ''بھی نے کہا تھا کہ مراد کے ساتھ جا کر رنگ اور ڈریس اپنی اور اس کی مشترکہ پسند سے لو' سو کچھ لاج شرم اور کچھ دل میں پھوٹے انبساط کے جگنو سمیٹتی وہ مراد منصور کے ساتھ قدم سے قدم ملائے چل رہی تھی' جبھی مراد نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا' ماہی نے ایک سرسری مگر حیران سی نظر مراد کو دیکھا جو اب سامنے دیکھ رہا تھا' البتہ ماہی نے اپنا ہاتھ اس کی استحقاق بھری گرفت سے چھڑانے کی سوچ بھی ذہن میں نہ لائی' چند دکانوں میں ڈریسز دیکھنے کے بعد بالآخر اس نے مراد کی پسند کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بوٹل گرین کلر کا سوٹ پسند کیا' جو نہایت خوبصورت تھا' اور مراد نے تو آگے جھک کر اپنی چلبلی سرگوشی سے اس کا رنگ رنگ مہکا دیا تھا کہ ماہی کی سرخ و سفید کھلتی رنگت پر یہ رنگ خوب سجے گا۔

''تمہیں اس سوٹ میں دیکھ کر کہیں میں اپنے ہوش ہی نہ کھو بیٹھوں۔ یہ میرا فیورٹ ہے' تم پر خوب جچے گا مائی لو''۔ جس پر وہ کانوں تک سرخ ہوئی تھی۔

پھر ماہی نے میچنگ سینڈلز اور جیولری خریدی' مراد نے اپنی پسند سے انگیجمنٹ رنگ لی' اس کے علاوہ بھی مراد نے ماہی کو ڈھیروں شاپنگ کروائی' ساتھ ہی ساتھ پیار بھری ڈھیروں باتیں اور مد بھری سرگوشیاں وقتاً فوقتاً اس کے کانوں میں انڈیلتا رہا' جسے وہ مسکراتی خاموشی کے ساتھ محض سنتی رہی۔

''تم بھی تو کچھ بولو''۔

''میں......؟''

''ہاں تم...... کب سے صرف میں ہی بولے جا رہا ہوں''۔

''میں کیا کروں......؟'' وہ زیر لب بڑبڑائی کہ واقعی فی الوقت سمجھ نہ آیا کہ کیا بولے۔

''اپنے دل کی بات''۔ مراد نے فوراً سے صلاح دی۔

''دل کی بات کہنا ضروری ہے؟'' بے ساختہ اس کے لب ہلے۔

''ہاں ضروری ہے...... کیونکہ میں تمہارے دل کی سننا چاہتا ہوں''۔ وہ شوخ سے لہجے میں بولا۔ دونوں دھیرے دھیرے چل رہے تھے۔

''تو کیا آپ کو نہیں پتہ میرے دل کی بات''۔ ماہی نے سوال کیا۔ نظریں البتہ جھکی ہوئی تھیں کہ شرم اس کا پیچھا چھوڑنے کو ہرگز بھی تیار نہیں تھی۔

''معلوم ہے مگر تمہاری زبان سے حرف حرف سننا اور محسوس کرنا چاہتا ہوں''۔ وہ جذب سے بولا مہ روش نے پرسوچ انداز اپنایا۔ مراد نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا' ساتھ ہی قریبی ریستوران کے اندر داخل ہوا' ماہی اس کے لب سیئے پیروی کر رہی تھی' کچھ ہی دیر میں دونوں کارنر ٹیبل پر نشست سنبھال چکے تھے۔

''بولو ناں......'' مراد نے بات جاری رکھنی چاہی۔

''جی......!'' وہ ہونق دکھی۔

''کچھ تو کہو ماہی! دل کی کہ میرے دل کو قرار ملے جہاں تم نے سکوت اختیار کی ہوئی ہے''۔ ویٹر کو آرڈر دینے کے بعد وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''میرے دل میں بھی آپ ہیں''۔ بالآخر چپ کے قفل ٹوٹے' مہ روش نے قدرے ہمت کرتے ہوئے شرم جھجک کو بڑی مشکلوں سے سائیڈ پر رکھا کہ شاید یہ وقت دوبارہ نہیں آنے والا اور ویسے بھی اپنا اس سے بننے والے رشتے کو دو دلوں میں پلتی محبت میں اسے یہ بات کہیں معیوب نہ لگی تھی۔

دونوں بیچ مقدس رشتہ استوار ہونے والا تھا' پھر اپنی پرائی دل کی باتیں کہنا اور سننا تو جائز تھا' اور وہ تو تھی

ہی پیار محبت وفا کی قائل' شروع سے سوچا تھا کہ اپنے تمام احساسات جذبات امانت کی طرح اپنے شریک سفر کے لئے سنبھال رکھے گی اور جب وہ چاہے گا مانگے گا تمام تر دیانت داری سے اس کے حوالے کرے گی' اور اب امانت کو دیانت داری سے پہنچانے کا وقت تھا پھر وہ خیانت کیونکر کرتی ...... جبھی دل نے بولنے پر اکسایا تو مبہم سے لہجے میں اقرار کیا' مراد منصور کے چہرے پر آسودہ سی مسکراہٹ تھی۔

''کب سے ......؟'' وہ دلچسپی سے استفسار کرتا گہرائی سے اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''جب سے جذبات کو محسوس کیا ہے''۔

''اچھا مہ روش! بتاؤ تم اس رشتے سے خوش ہو''۔ مراد نے سرشاری سے بات بدلی' اور قدرے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ہاں ......'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں بھی بہت خوش ہوں''۔ اس نے اپنی کہی پھر اضافہ کیا۔

''سب کی خوشی ایک طرف مگر میں نے تین سال اس دن کا شدت سے انتظار کیا جب تم میرے نام سے منسوب ہوگی ریئلی مہ روش آئی لو یو سوچ''۔ مراد نے ایک بار پھر مبہوت لہجے میں اقرار کیا وہ اندر تک سرشار ہوئی' دل انبساط سے جھوم اٹھا' کچھ ہی دیر میں ویٹر کھانا سرو کر کے گیا' دونوں نے ہلکی پھلکی خوشگوار باتوں میں کھانا کھایا' مراد کا ہر حرف' ہر انداز ماہی کے دل کے تار سریلے سروں میں چھیڑتا' اس کا تن من مطمئن تھا۔

اپنے ساتھ کے یہ حسین لمحات دونوں دل سے خوب انجوائے کرتے شام کے قریب گھر گئے' ماہی نے سب کو شاپنگ دکھائی' جو سبھی کو پسند آئی' انگیجمنٹ کا پروگرام کل کا تھا مگر سب نے اپنی اپنی تیاری ابھی سے شروع کر دی تھی' سعید صاحب کی دوسری بہن بھی اپنی اولاد سمیت آ گئی تھیں گھر میں خوب ہلہ گلہ مچا ہوا تھا' سب خوش تھے' ان غیر متوقع لمحات پر یقین کرتے' خوب انجوائے کرتے اپنی باتوں اور تیاریوں میں مگن تھے۔

''یو آر سو لکی مہ روش!'' شاہدہ پھپھو کی بیٹی عندلیب اس کے پاس آئی تھی مہ روش نے دلچسپی سے اسے سنا۔

''مراد بھائی جیسا پرفیکٹ شخص تمہارا لائف پارٹنر بننے جا رہا ہے' تم واقعی بہت خوش نصیب ہو' جو انہوں نے خود سے تمہارا انتخاب کیا''۔ عندلیب خاصی ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی۔

''یس آئی ایم ویری لکی''۔ جواباً وہ مسکراتے ہوئے بولی' لب و لہجہ انبساط سے کھنک رہا تھا' آواز گنگنا رہی تھی۔

''لیکن میں حیران بھی ہوں''۔ وہ مزید بولی۔

''کیوں ......؟'' مہ روش چونکی۔

''کیا مراد بھائی جیسے سیریس بندے کو بھی محبت ہو سکتی ہے''۔

''کیا مطلب ہو سکتی ہے ...... کیوں نہیں ہو سکتی ......؟'' ماہی نے قدرے حیران ہو کر الٹا اس سے سوال کیا۔

''ہاں ہو تو سکتی ہے بلکہ تم سے ہو بھی گئی ہے مگر انہیں دیکھ کر لگتا نہیں ہے ہر وقت سیریس سے رہتے ہیں' اپنی ذات میں مگن' محض اپنی بات کے قائل' شروع سے چپ' کسی پر اپنا آپ ظاہر نہ کرنے والے ...... اور انہیں دیکھ مجھے تو ہمیشہ سے ایسا ہی لگتا ہے جیسے وہ اپنے اندر بھید چھپائے اپنا آپ ظاہر کرنا یا منوانا چاہتے ہیں''۔ عندلیب نے اچھی خاصی تفصیل سے مراد منصور کی ذات کو ڈسکس کیا' بلکہ اپنا مشاہدہ اس کے گوش گزارہ۔

ماہی نے کچھ حیرانگی کچھ دلچسپی سے اسے سنا' کہ واقعی کچھ عرصے پہلے تک اس کے بھی مراد منصور کے بارے

میں ایسے ہی نادر خیالات و مشاہدات تھے مگر اب کچھ عرصے سے اس کا نیا روپ دیکھنے اور اس کو قریب سے جاننے کے موقع کے بعد اس نے اپنی رائے و سوچ بدلی تھی' مراد کی اپنے لئے محبت اس کے لئے بہت خاص تھی' مراد نے اس سے کچھ نہیں چھپایا تھا' نہ دل کا حال' نہ جذبات نہ محبت کا خوبصورت احساس ...... دل کا بھید بڑے خوبصورت لفظوں میں مہ روش پر منکشف کیا تھا' اپنی ذات اس پر عیاں کی تھی۔

مہ روش نے اس تھوڑے سے عرصے میں اپنے لئے اس کے بے لوث پیار کو محسوس کر کے مراد کو نئے سرے سے جانا تھا جبھی فوراً اس کے حق میں بولی۔

''وہ ایسے لگتے ہیں مگر ایسے ہیں نہیں' ان کی آنکھیں بولتی ہیں بے تحاشہ ...... وہ بہت لونگ اینڈ کیئرنگ ہیں''۔ لہجہ میں ادا تھی' عندلیب نے ستائشی و فہمائشی نظروں سے اسے دیکھا۔

''ہاں بھئی یہ تو تم سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا' میری دعا ہے کہ وہ ہمیشہ تمہیں بہت پیار بہت ناز سے رکھیں' ان کی سنگت میں تم ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہو''۔ ساتھ ہی خلوص دل سے کہا۔ اب کہ مہ روش نے مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔

''آمین''۔ جبکہ وہاں سے اتفاقاً گزرتے وقار نے صدق دل سے کہا تھا۔ کچھ دیر بعد عندلیب اٹھ کر چلی گئی کہ کل کے لئے اس نے بھی ابھی سے بھرپور تیاری کرنی تھی۔

☆

''ماشاء اللہ ...... اپنی فلک تو بہت سگھڑ ہو گئی ہے''۔ فلک شاہ کو نہایت ذمے داری سے کچن میں فہمیدہ و آصفہ بیگم کے ساتھ مصروف دیکھ کر مستبشرہ نے کہا تھا۔

''میں شروع سے ہی سگھڑ ہوں ڈیئر!'' جس پر وہ برجستہ بولی تھی' انداز ایسا تھا کہ کچن میں موجود سبھی مسکرائے۔

''اسے خوش فہمی کہوں یا تمہاری غلط فہمی سمجھوں؟'' جبھی اندر داخل ہوتے مشارب نے حسب عادت اسے چڑانے کے لیے سوالیہ مگر شرارت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''اپنی کم عقلی سمجھو!'' وہ حسب معمول تپ اٹھی۔

''کم عقلی کیوں؟'' مستبشرہ نے اسے دیکھا۔

''کیونکہ اس کی عقل شریف اس قابل ہے ہی نہیں کہ مابدولت کی خوبیاں جانچ سکے''۔ ادائے بے نیازی سے کہتے ہوئے فلک نے فرضی کالر جھاڑے۔

''واقعی''۔ جس پر مشارب نے فوراً اس کی تائید کی۔ فلک کو اس کے اعتراف پر حیرانگی ہوئی' اس نے بات جاری رکھی۔

''ٹھیک کہا فلک نے کہ میری عقل لاکھ کوشش و جدوجہد کے باوجود اس کی خوبیوں کو جانچ نہیں سکتی ...... پوچھو کیوں؟'' اور کھلے اعتراف سے آخر میں مستبشرہ سے استفسار کیا۔

''بتاؤ کیوں؟'' مستبشرہ نے سوالیہ پوچھا۔

''وہ اس لیے کہ فلک میں سرے سے سگھڑاپے والی کوئی خوبی ہے ہی نہیں پھر بھلا میری عقل خاک جانچے گی''۔ مشارب نے ڈرامائی انداز میں کہتے ہوئے حسب معمول ایسی بات کہی جو فلک کو پتنگے لگانے کیلئے کافی تھی۔

''جانچنے کیلئے بھی عقل چاہیے جس سے تم محروم ہو''۔ مگر وہ بھی کہاں کم تھی تڑ کی بہ تڑ کی بولی' ساتھ ہی کام سے ہاتھ کھینچ کر اس کی طرف مکمل توجہ سے مڑی۔

''فلک!'' جبھی فہمیدہ بیگم نے اسے گھورا کہ ان کے نزدیک فلک کا یہ روپ اور مشارب سے تو تڑاخ باتیں' بنا لحاظ رکھے نہایت بدتمیزانہ تھیں' یہ نہیں تھا کہ انہیں مشارب کی اس سے دوستی یا باتوں پر اعتراض تھا' نہ ہی گھر کا کوئی فرد دقیانوسی سوچ کا حامل لڑکے لڑکی کی دوستی کے خلاف تھا اور وہ دونوں بھلے کزنز کے علاوہ دوست بھی تھے مگر ان سب کے باوجود ایک حد بھی ضروری تھی جس کا فلک بالکل احساس نہ کرتی اور جس کا فہمیدہ بیگم اسے بار بار کہتیں' احساس دلانے کی کوشش کرتیں مگر وہ ہمیشہ یہی کہتی۔

''مشارب میرا دوست ہے اور دوستوں میں تمیز نہیں ہوتی''۔ انداز بے فکر' لاپرواہ سا ہوتا۔

''مگر کچھ تو خیال رکھو' بڑا ہے وہ تم سے اور دوسری بات خبردار جو اسے آئندہ تم کہا' آپ کہا کرو...... ذرا تمیز نہیں ہے تم میں''۔

''امی پلیز...... نو لیکچر!'' تو وہ اکتائے ہوئے انداز میں کہتی رفو چکر ہو جاتی' اب بھی ماں کو دیکھا اور یہی الفاظ دہرائے۔

''دیکھ لو اس کی حرکتیں''۔ فہمیدہ بیگم خائف سی بولیں۔

''یہ کبھی باز نہیں آئے گی''۔ عثمان نے گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے صدا لگائی۔

''تم تو اپنا منہ بند رکھو''۔ وہ لڑنے کو تیار ہوئی' گھور کر اسے دیکھا' کمر پر ہاتھ رکھ لیے۔

''میرا منہ بند رکھنے کے باوجود سب جانتے ہیں ڈیئر سسٹر!'' وہ چھیڑنے والے انداز میں بولا۔

''پھر تم بھاڑ میں جاؤ ڈیئر برادر!'' فلک تڑاخ سے بولی۔

''تم سب سے لڑتی ہی رہنا بس''۔ امی نے اسے ڈانٹا۔

''میں ہی نظر آتی ہوں آپ کو...... عثمان کے بچے کو کچھ مت کہیے گا''۔ وہ فوراً سے منہ بنا گئی۔

''ارے میرا بچہ...... کہاں ہے میرا بچہ؟'' جبھی عثمان نے اس کا جملہ پکڑتے ہوئے شرارت سے کھوجتی نگاہیں ادھر اُدھر دوڑائیں تو وہاں موجود سبھی مسکرائے۔

''اور خبردار جو میرے بچے کو اس کی دادی جان سے ڈانٹ پڑوائی تو''۔ ساتھ ہی مصنوعی غصے سے اس نے فلک کو کہتے ہوئے بات جاری رکھی۔

''دیکھ لیں اپنے لاڈلے بیٹے کو' کتنا بے شرم ہو گیا ہے''۔ فلک نے اسے نشانہ بنایا۔

''ارے میں کہاں سے بے شرم ہوا ہوں' الٹا تم میرے کیریکٹر پر کوئسچن مارک لگا رہی ہو' میرے بچے کہاں سے وارد ہو گئے' ابھی تو میں خالص کنوارہ ہوں' منگنی بھی نہیں ہوئی نہ بھاگ یا چھپ کر شادی کی ہے...... پچی''۔ عثمان نے گہری مگر مصنوعی سنجیدگی اختیار کی' سب محظوظ ہو رہے تھے۔ فہمیدہ بیگم نے بھی مسکراتے ہوئے بیٹے کو دھپ لگائی۔

''بہت جلدی ہے یار! شادی کی''۔ مشارب نے بھی اس کا کندھا سہلایا۔

''نہیں مجھے کہاں بس فلک کو پھپھو بننے کی جلدی ہے' جبھی میرے بچے کو آواز لگا رہی تھی''۔ وہ بھرپور مزے سے بولا۔

''خبردار جو میرے نام کا استعمال کیا تو''۔ وہ اسے آنکھیں نکالنے لگی۔

''تو تم بھی پھر میرے بچے کو بیچ میں مت لاؤ''۔ عثمان فل موڈ میں تھا۔ آصفہ بیگم نے پیار بھری نظروں سے اسے دیکھا' جبکہ فہمیدہ بیگم اپنے سامنے بے باک گفتگو پر دونوں بیٹے بیٹی کو گھورنے لگیں۔

''چلو فلک! تم سب باہر جا کر باتیں کرو' کام میں اور آپا کر لیں گے''۔ انہیں کہا۔

''سچی امی!'' فلک خوشی سے اچھلی کہ امی نے خود سے اُسے جانے کو کہا تھا' مطلب اس کی کام سے چھٹی۔ وہ فوراً باہر کو لپکی۔ عثمان بھی اس کے پیچھے نکل گیا۔

''لائیں ممانی جان میں آپ کی مدد کرتی ہوں''۔ جبھی مستبشرہ آگے بڑھی' مشارب شاہ نے مسکرا کر بغور اسے دیکھا۔

''ارے نہیں بیٹی! تم سب باتیں کرو' میں اور فہمیدہ کر لیں گے''۔ آصفہ بیگم نے لاڈ سے اس کے گال چھوئے اور منع کیا۔

''ہاں بھئی تم مہمان ہو' کام نہیں حکم کرو''۔ مشارب نے بھی میزبانی وخوش اخلاقی کا اعلیٰ مظاہرہ کیا۔

''ہرگز بھی نہیں' میں مہمان نہیں اس گھر کی فرد ہوں' مجھے خوشی ہو گی کام کر کے' بتایئے ممانی جان! میرے لائق کوئی خدمت ہو تو میں حاضرِ خدمت ہوں''۔ خلوص سے کہتی آخر میں وہ شاہی انداز میں بولی تو تینوں مسکرائے۔

''ارے نہیں بیٹی...... !تم نے پوچھا بس یہی کافی ہے''۔ آصفہ بیگم اس کے انداز پر نثار ہوئیں۔

''بس ذرا فلک کو سمجھاؤ''۔ ساتھ ہی فہمیدہ بیگم نے اپنی فکر پیش کی تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگی۔

''جی ضرور ممانی جان...... !ویسے بھی ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے' پیپر دے لے پھر کہہ رہی تھی کہ سب سیکھوں گی''۔ پھر کہہ کر انہیں مطمئن کرنا چاہا تو وہ ہنس دیں اور کام کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''کہہ تو دیا ہے اس نے اب دیکھتے ہیں عمل کرتی ہے کہ نہیں''۔ مشارب بولا کہ اسے ایسی کوئی امید نہیں تھی' ہمیشہ فلک کی ایسی باتیں اسے بہانہ لگتیں۔

''ضرور کرے گی''۔ البتہ مستبشرہ کو اس پر یقین تھا۔

''دیکھا جائے گا بٹ فی الحال چلئے مادام! باہر چلئے' جب تک کھانا تیار نہیں ہوتا باتوں کی محفل سجایئے فلک شاہ کے ہمراہ''۔ مشارب نے اسے چلنے کو کہا۔ مستبشرہ جمال نے قدم باہر کی طرف بڑھائے۔

☆

''مہ روش''۔ ابھی وہ کمرے میں داخل ہی ہوئی تھی جب وقار بھی موقع ملتے ہی اس کے پیچھے چلا آیا' آہستگی سے اسے پکارا۔ وہ مڑی' قدرے حیران بھی ہوئی البتہ ظاہر نہ کیا۔

''وقار بھائی آپ...... آئیں بیٹھیں''۔ اگلے ہی لمحے اس کو بیٹھنے کو کہا۔ وہ دھیرے سے چلتا ہوا سنگل صوفے پر جا بیٹھا۔ مہ روش نے بیڈ کا ایک کونہ سنبھالا' اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ سنجیدہ سا پُر سوچ انداز اپنائے ہوئے شاید ذہن میں الفاظ کے تانے بانے بننے میں مصروف تھا۔

''کوئی کام تھا بھائی؟'' توقف کے بعد اس نے خود ہی پوچھا۔ وقار نے لمحہ بھر کو نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ہاں!'' پھر اثبات میں سر ہلایا۔

''تو مجھے کہہ دیتے میں آپ کی طرف آ جاتی''۔

''نہیں اس کی ضرورت نہیں تھی' دراصل مجھے تم سے کچھ پوچھنا تھا''۔ وہ نفی میں سر ہلاتا پُر سوچ انداز میں

بولا۔

''جی!'' وہ منتظر ہوئی۔

''تمہارا بھائی ہونے کے ناطے مجھ سے کسی نے اس سلسلے میں بات نہیں کی' شاید اس لیے کہ اب مجھے کوئی اس قابل نہیں سمجھتا کہ بہت پہلے میں نے سب کے ارمانوں و اعتبار کو توڑا تھا مگر ایک بھائی ہونے کے ناطے میں تمہاری خوشیاں چاہتا ہوں' تمہاری فکر مجھے بھی ہے''۔ وہ اصل بات کی طرف آنے سے قبل تمہید باندھ رہا تھا۔

''میں جانتی ہوں بھائی!''

''ماہی! کیا تم اس رشتے سے خوش ہو؟'' وقار نے اٹک اٹک کر پوچھا۔ بہن سے یہ پوچھنے میں جھجک مانع تھی۔

''جی......؟'' سوال پر وہ حیران ہوئی' استعجابی نگاہ سے اُسے دیکھا۔

''تین سال بعد پھپھو کی اچانک آمد...... مراد کے رویئے میں بدلاؤ بہت خوش آئند ہے' یقیناً ابو بھی سب کچھ نارمل چاہتے ہیں مگر کیا تم سے رضامندی لی گئی ہے''۔ وہ خالص برادرانہ انداز میں پُرفکر انداز اپنائے اس سے استفسار کر رہا تھا۔ مہ روش کو اس کا فکرمند انداز بہت اچھا لگا مگر ''ہاہ'' افسوس سعید احمد اب اسے گھر کے کسی معاملے میں شریک نہیں کرتے تھے۔

''جی بھائی! سب نے پوچھا ہے مجھ سے' اس رشتے میں میری رضامندی شامل ہے''۔ اس نے آہستگی سے اعتراف کیا۔ وہ اپنے بھائی وقار سعید کو مطمئن کرنا چاہتی تھی تا کہ اس کے دل سے ندامت کا بوجھ ہٹے۔ وہ ریلیکس ہو نہ کہ یہ سمجھے کہ ابو نے سابقہ تعلق کو پھر سے استوار کرنے کیلئے رشتہ اپنی مرضی سے طے کیا ہے۔ البتہ وقار کے سامنے اس نے اپنی اور مراد کی محبت کا ذکر نہیں کیا تھا۔

مہ روش کی رضامندی کا سن کر وقار نے گہرا پرسکون سانس لیا تھا' ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بھی اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔

''مراد دل کا بہت اچھا ہے' پھپھو بھی تم سے بہت پیار کرتی ہیں' میری دعا ہے تم خوش رہو' آباد رہو''۔ وقار نے رک کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا' خلوص دل سے دعا دی۔ مہ روش نے محض مسکرانے پر اکتفا کیا' وہ مزید بولا۔

''اور مہ روش پلیز......! اگر ہو سکے تو ابو اور مراد کا دل میرے لیے صاف کرنے کی کوشش کرنا' میں ابو کی مزید ناراضگی نہیں چاہتا نہ ہی تم سے جڑے رشتوں کو خود سے متنفر دیکھنا چاہتا ہوں''۔ ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''جی بھائی! ضرور''۔ وہ پُرعزم بولی۔

''چلتا ہوں' اپنا خیال رکھنا''۔ کہتے ہی وقار آہستگی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ مہ روش نے اس کے جانے کے بعد آنکھیں میچیں۔

''میں اپنے تئیں پوری کوشش کروں گی وقار بھائی' سب ٹھیک ہو جائے گا' ابو آپ کو معاف کر دیں گے''۔ اور دل ہی دل میں اس سے مخاطب تھی۔



تمام افراد خوشگوار ماحول میں کھانا کھا رہے تھے۔ ینگ پارٹی کھانے کے ساتھ خوش گپیوں میں بھی مصروف تھی' لیکن ہر دو منٹ بعد خوش گپیوں میں فضا ناسازگار ہوتے ہوتے بچتی۔ فلک کو تیمور اور عثمان میں سے کوئی

ایک ایسی بات کہہ دیتا جو اُسے پتنگے لگانے کیلئے کافی ہوتی اور وہ فوراً سے پہلے بازو چڑھائے لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتی۔ ایسے میں مشارب بڑی مشکلوں سے اسے کول ڈاؤن کرنے کی کوشش کرتا جسے عثمان اور تیمور اپنی لکھی سے ناکام بنانے کی سعی کرتے' اس دوران مستبشرہ بڑی دلچسپ نظروں سے فلک اور مشارب کو دیکھ رہی تھی۔

''اب تم دونوں میں سے کوئی فلک کو کچھ نہ کہے' سمجھے''۔ اس مرتبہ فلک رو دینے کو ہوئی تو مشارب نے سختی سے اُن دونوں کو تنبیہہ کی۔

''جی سمجھ گئے اچھی طرح''۔ وہ دونوں کورس میں بولتے ہوئے ہنسے تو فلک نے خونخوار نظروں سے انہیں گھورا' ردعمل کے طور پر انہوں نے سر پلیٹ پر جھکا لئے۔

''اور تم بھی یار! غصے پر کنٹرول رکھو۔ بچی نہیں ہو جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر رونے لگو''۔ اب وہ فلک کی طرف مڑا' اسے سمجھانا چاہا یہ جانتے ہوئے کہ وہ قطعاً سمجھنے کی کوشش نہیں کرے گی۔

''اچھا اچھا''۔ چاول کی چمچ منہ کی طرف لے جاتے ہوئے وہ قدرے بےزاری سے اثبات میں سر ہلانے لگی۔ اتنی سکت اس میں کبھی بھی نہیں آئی تھی کہ اصلاحی بات سنتی یا سمجھنے کی کوشش کرتی' عمل کرنا تو بہت دور کی بات تھی۔

مستبشرہ نے فلک کو پیار بھری نظروں سے دیکھا' ساتھ ہی مسکرائی۔ سب کزنز میں سے اسے فلک شروع سے بہت پسند اور دل سے بہت قریب تھی جبھی اسے بہن بنایا کہ اس طرح بہن کی کمی کا احساس بھی نہیں ہوگا اور یہ پیاری سی لڑکی اسے بہنوں اور دوستوں والا پیار دے گی۔

تمام بزرگ حضرات کھانا کھا کر جا چکے تھے' تیمور اور عثمان بھی اٹھنے لگے' ساتھ ہی قدم باہر نکالنے سے پہلے ایک مرتبہ پھر فلک پر جملہ کسا جو ہنوز کھانے میں مصروف تھی اور فوراً سے پہلے باہر کو کھسکے کہ مبادا وہ پاس پڑا گلاس اٹھا نہ مارے۔

''بدتمیز...... بعد میں ملتی ہوں میں تم دونوں کو''۔ اُن کے جانے کے باوجود وہ حسب عادت چلائی اب کے مشارب نے دھیان نہ دیا۔

''شکر الحمدللہ!'' اور شکر کا کلمہ پڑھتے ہوئے نیپکن سے ہاتھ صاف کرنے لگا۔ مستبشرہ مسکراتے ہوئے کرسی کھینچ کر اٹھی' ساتھ ہی پھیلے برتن سمیٹنے لگی۔ مشارب شاہ کی دلچسپ و محو نظر اس پر پڑی اور اگلے ہی لمحے اسے ٹوک گیا۔

''ارے...... چھوڑو یہ سب!''

''کیوں؟'' وہ حیران ہوئی' چونک کر سوالیہ اسے دیکھا۔

''اس وقت تم مہمان ہو' خاص تمہارے لئے یہ سب اہتمام کیا گیا ہے' سو آج نہیں۔ فلک سمیٹ لے گی برتن''۔ وہ وضاحت سے بولا۔ اپنا نام سن کر فلک نے پلیٹ سے سر اٹھایا۔ خود سے تو اُس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا مگر من کے دیوتا نے کہا تھا سو احتجاج کے بجائے چپ ہی رہی۔

''یہ کیا بات ہوئی...... مہمان ہونے کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ آؤ' کھاؤ اور جاؤ''۔ مستبشرہ اس کی بات پر حیرت سے بولی' ساتھ ہی کام جاری رکھا۔

''زیادہ تر یہی مطلب ہوتا ہے اور پلیز چھوڑو' مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگے گا کہ تم یہ سب کرو' دوسرا میں نہیں چاہتا کہ بعد میں تم کہو کہ جناب آپ لوگوں میں اخلاق نام کی کوئی چیز نہیں' دعوت پر بلایا اور پھر آخر میں

کام بھی کروایا''۔ سنجیدگی سے کہتا آخر میں وہ ہنسا' مستبشرہ نے اُسے آنکھیں دکھائیں۔

''سوسیڈ مشارب! تم مجھے ایسا سمجھتے ہو' مجھے ہرگز بھی یہ اندازہ نہیں تھا''۔ ساتھ ہی خفگی سے بولی۔

''ایسا بالکل بھی نہیں سمجھتا بس تم چھوڑو یہ سب''۔ مشارب نے اس کی گھورتی آنکھوں کا اثر لیے بنا کہتے ہوئے اس کے ہاتھ سے پلیٹ لے کر رکھی جبھی تھوڑی بہت شرم فلک کو بھی آئی۔

''بالکل جناب! تم یہ چھوڑو سب' مجھے بالکل اچھا نہیں لگے کہ مشارب کے ہوتے ہوئے میں یا تم کام کریں''۔ مگر فلک شاہ تو فلک شاہ تھی' آرام و مزے سے بولی اور شرم کا اثر لیا بھی تو ایسے کہ جہاں بے ساختہ مستبشرہ کا قہقہہ چھوٹا تھا وہیں مشارب دنگ رہ گیا' اس وقت کم از کم اسے اس بات کی بالکل توقع نہ تھی۔

''فلک!'' سو اُسے تنبیہی نظروں سے گھورا۔ مستبشرہ مسکراتی نظروں سے دونوں کو دیکھنے لگی۔

''کیا ہے...... اب مذاق بھی نہ کروں''۔ وہ الٹا اوپر سے ہوئی۔

''تم کبھی نہیں سدھر سکتیں''۔ جس پر مشارب شاہ نے ہزار بار کا کہا جملہ پھر سے دہرایا۔ اس نے ہنستے ہوئے سر جھکا کر اعتراف بخشا۔

''تم جاؤ مشارب! میں اور فلک کام سمیٹ کر آتے ہیں''۔ مستبشرہ نے اسے کہا۔

''نہیں مستبشرہ! تم دونوں باہر جاؤ' آج میں سارا کچن سنبھالوں گی ویسے بھی بہت سے لوگ میری فراغت سے جیلس مجھے نہ سدھرنے کا طعنہ دیتے ہیں''۔ فلک نے اسے منع کرتے ہوئے آخر میں مشارب پر شریر سا طنز کیا۔ مستبشرہ محظوظ ہوئی' ساتھ ہی ہاتھ صاف کیے۔ جانتی تھی وہ دونوں اسے اب کام کو ہاتھ تک نہیں لگانے دیں گے۔

''پاگل''۔ مشارب نے اسے کہا۔

''ہاں ہوں تو...... تم جاؤ باہر''۔ فلک نے اسے چلتا کرنا چاہا۔

''کیوں جاؤں؟'' مشارب موڈ میں تھا' اسے تنگ کرنے کی غرض سے جرح کی۔

''تو نہیں جانا......؟'' تڑخ کر پوچھا۔

''نہیں''۔ زور دے کر بولا۔

''پھر برتن سمیٹو...... فارغ بندے کی کچن میں اجازت نہیں' سمجھے''۔ وہ سیدھی سپاٹ بولی۔

''میرے خیال میں مجھے چلے جانا چاہیے مس مصروف''۔ وہ مسکرا کر کہتا جانے لگا مگر جانے سے قبل اضافہ کیا۔

''تمہیں پتہ ہے مستبشرہ! فلک بہت اچھی چائے بناتی ہے بلکہ یہ واحد کام ہے جو اسے ٹھیک سے آتا ہے تو کیوں نہ موقع بھی ہے تو ہو جائے فلک کے ہاتھ کی بنی چائے''۔ اپنی تعریف پر فلک کے لب مسکرائے۔

یہ بات ہے تو میں ضرور اس موقع کا فائدہ اٹھاؤں گی''۔ مستبشرہ نے حامی بھری۔

''ویری گڈ...... فلک! یہ سب سمیٹ کر تین کپ چائے بنا کر چھت پر آ جانا' میں اور مستبشرہ وہیں جا رہے ہیں''۔ مشارب نے فرمائش کے ساتھ تاکید کی۔

''اوکے جناب!'' اس نے بنا چہرے پر شکن لائے اثبات میں سر ہلایا کہ جب سے مشارب نے اس کی تعریف کی تھی کہ وہ چائے اچھی بناتی ہے تب سے جب بھی وہ کہتا فوراً اُسے بنا کر اُسے دیتی اور ہمیشہ داد وصول کرتی' دل کو قرار سا ملتا۔

''فلک بہت انٹرسٹنگ ہے...... ہے نا؟'' زینے چڑھتے ہوئے مستبشرہ بولی۔ ساتھ ہی اپنے کھلے خوبصورت بالوں کو جوڑے کی شکل دی۔ زہرہ شاہ نے اسے سختی سے منع کیا تھا کہ رات کے وقت خصوصاً جب بھی چھت پر جائے اس وقت کم از کم بال باندھے رکھے' جنہیں معمول میں باندھنا اسے کبھی پسند نہیں تھا' سو فوراً سے ذہن میں بات آتے ہی اماں کے حکم پر عمل کیا۔

''ہاں بہت زیادہ...... فلک کی موجودگی میں کوئی بور نہیں ہوتا' تینوں بہن بھائیوں کی نوک جھونک' چچی جان کی باتوں پر فلک کا چڑنا' کام سے بھاگنا' میری امی سے لاڈ اٹھوانا اور مجھ سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہونا' لڑنا جھگڑنا...... سارا دن یہی کرتی ہے۔ بٹ ہمیں بہت مزا آتا ہے' اُسی سے گھر میں رونق آباد ہے''۔ مشارب کھنکتے لب و لہجے میں تفصیلاً بتانے لگا۔ اس دوران مستبشرہ نے بغور اس کے چہرے' اس کی آنکھوں کو دیکھا تھا جہاں فلک کے ذکر سے الوہی چمک تھی' ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ دونوں کے متعلق کچھ سوچ کر بھینچے لبوں سے مسکرائی' دونوں زینے عبور کر کے چھت کے ایک کونے میں جا کھڑے ہوئے تھے۔

''اچھا مستبشرہ! تم سے ایک بات پوچھوں؟'' جبھی اس نے بات بدلی۔

''ہاں پوچھو!'' اجازت دی۔

''تم نے اپنا فیوچر پلان کیا ہے؟'' وہ سنجیدہ ہوا۔

''ہاں بالکل پلان کیا ہے''۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیا پلان کیا ہے؟'' نارمل سے لہجے میں پوچھا۔ وہ بالکل بھی حیران نہ ہوئی' دونوں کزنز ہونے کے علاوہ دوست بھی تھے۔

مشارب سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا جبکہ وہ رات کی تاریکی میں ڈوبے گرد و نواح کو مصنوعی روشنی سے اندھیرے میں روشن ہوتے غیر سنجیدگی سے دیکھ رہی تھی۔

''اپنی سی پوری کوشش کر کے اپنے اسکول کو آگے سے آگے لے کر جانا' اپنی محنت لگن سے اپنی تعلیم کو دوسروں تک پہنچانا تاکہ ہمارا ملک خصوصاً ملتان ترقی کرے' آگے بڑھے۔ زندگی کی دوڑ میں یہاں کے بچے ہر لحاظ سے شامل ہو سکیں' بس میں سید جمال شاہ کی بیٹی مستبشرہ جمال اپنے بابا اور ملک و قوم کا نام روشن کرنا چاہتی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ لوگ مجھے میرے نام' میرے مقام سے جانیں' میں اپنی فیلڈ میں بہت کچھ خاص کرنا چاہتی ہوں''۔ مستبشرہ اپنی خواہش' ارادہ' فیوچر پلان اسے بتانے لگی۔ مشارب جو اس بات کی توقع نہیں کر رہا تھا ہولے سے مسکرایا اور اسے سراہا۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے مگر میں اِس پلان کی بات نہیں کر رہا''۔ ساتھ ہی کہا۔

''پھر......؟'' وہ سوالیہ اسے دیکھنے لگی۔

''پھر یہ کہ میں تمہاری پرسنل لائف مطلب شادی کی بات کر رہا ہوں''۔ وہ اصل بات کی طرف آیا۔ اب کے مستبشرہ نے قدرے حیرانگی سے اسے دیکھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا' اس کی حیرت کو بھانپتے ہی جلدی سے بولا۔

''میں سوچ رہا تھا کہ انشاء اللہ بہت جلد تمہارا اسکول اسٹارٹ ہو جائے گا اور اگر ایسے میں تمہاری شادی وغیرہ ہو گئی تو کیا کرو گی......؟ اس متعلق تم نے کیا پلان کیا ہے؟'' اس سے سنجیدگی بھرا استفسار کرنے لگا' یکدم مستبشرہ کا قہقہہ چھوٹا۔

جاری ہے

فرزانہ عمر دراز

افسانہ

نیا سال مبارک ہو

''دیکھئے میں آپ سے کہہ رہی ہوں کہ مجھے آج ہر حال میں اپنی کزنز کے پاس جانا ہے' کل نئے سال کا آغاز ہو رہا ہے اور اس بار مجھے نیا سال اپنی کزنز کے ساتھ انجوائے کرنا ہے' یہاں آپ اور وہاں میرے میکے میں



میرے بھائی ہیں جو مجھے کہیں بھی جانے نہیں دیتے۔ بس اس بار میں نے پکا جانا ہے تو جانا ہے''۔ ثمر اتنی دیر سے احمد سے بول رہی تھی مگر جب احمد نے کوئی جواب نہیں دیا تو احمد کا رخ اپنی طرف کر کے اپنی بات دہرانے لگی۔

''میں آپ سے بات کر رہی ہوں احمد صاحب!'' ثمر نے تپ کر کہا کیونکہ وہ ثمر کی بات کی طرف دھیان ہی نہیں دے رہے تھے' اپنی تیاری میں مصروف تھے۔

''ٹھیک ہے یار! چلی جانا''۔ احمد نے اپنی تیاری مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن کل کا دن ختم ہونے سے پہلے واپس آ جانا''۔ احمد نے کہا تو ثمر نے یکدم کہا۔

''کیوں؟''

''کیوں کا کیا مطلب بھئی؟ ہمارا بھی تو حق ہے اپنی پیاری سی مسز کے ساتھ نئے سال کو انجوائے کرنے کا''۔ احمد نے شوخی سے کہا تو ثمر ہنسنے لگی۔

''اور ایک بات مسز احمد''۔ احمد نے ثمر کو ہنستے ہوئے دیکھ کر کہا۔

''اب کیا ہے مسٹر احمد صاحب؟''

''مجھے اپنی شامت نہیں بلوانی تمہیں روک کر' تمہاری کزنز مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گی اگر اُن کو پتہ چل گیا کہ ان کی پیاری کزن کو میں نے جانے سے منع کیا ہے''۔ احمد کہتے ہوئے ہنسے۔



''اب ایسی بھی نہیں ہیں میری کزنز''۔ ثمر' احمد سے کہنے لگی۔

''چلو جیسی بھی ہیں تم مجھے ناشتہ دو بنا کر تا کہ میں آفس جا سکوں''۔

''اوہ میرے اللہ...... سوری احمد! میں تو بھول ہی گئی تھی ابھی بناتی ہوں''۔ یہ کہہ کر ثمر' احمد کے لیے ناشتہ بنانے چلی گئی۔

☆

''فلک! اٹھ کر دیکھو تمہارے سیل پر کس کی کال آ رہی ہے''۔ نصرت بیگم نے کہتے ہوئے فلک کو اٹھایا جو نا چاہتے ہوئے بھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''کیا ہے امی! ایک دن تو ملتا ہے نیند پوری کرنے کا''۔ فلک نے غصے سے کہا۔ کیونکہ اسے بالکل پسند نہیں تھا کہ سوتے ہوئے اسے کوئی اٹھائے۔

''پہلے دیکھ لو کون ہے پھر سو جانا' دیکھو شاید تمہاری کزن میں سے کوئی ہو''۔ نصرت بیگم نے کہا تو فلک نے سیل فون آن کرتے ہوئے کان سے لگایا تو فون کی بجتی ہوئی ٹون ایکدم خاموش ہو گئی۔

''ایک بات تو طے ہے کہ تم جیسا ڈھیٹ میں نے آج تک اپنی زندگی میں کوئی نہیں دیکھا''۔ زیرلب مسکراتے ہوئے فلک نے کہا۔ فون کرنے والی عروج تھی اس کا غصہ تقریباً ہائی لیول پر پہنچ چکا تھا۔

''اینی ویز' کہو فون کیوں کر رہی تھیں؟''

''تمہیں معلوم ہے کہ کل نیو ایئر کا پہلا دن ہے اور ہم ہر سال ثمر کے گھر جا کر نیو ایئر کو سیلیبریٹ کرتے ہیں''۔

''ہاں پتا ہے تو؟'' فلک بولی۔

''اس بار ایسا نہیں ہوگا''۔ عروج نے کہا۔

''کیوں نہیں ہوگا؟'' فک نے سوال کیا۔

''کیونکہ ثمر اس بار ہمارے پاس آ کر نئے سال کو سیلیبریٹ کرے گی''۔ اس نے خوشخبری سنائی۔

''سچ''۔

''بالکل سچ ڈیئر''۔ عروج نے فوراً جواب دیا' اسے معلوم تھا کہ یہ خبر سن کر فلک لازماً خوش ہو جائے گی۔

''ثمر کی کال آئی تھی میرے پاس' وہ آج دوپہر تک تمہارے گھر آ جائے گی''۔ عروج نے فلک کو پوری بات بتاتے ہوئے کہا۔

''یہ تو بہت بڑی خوشخبری ہے۔ چلو یار! اب صفائی وغیرہ کر لوں تا کہ جب تم لوگ آؤ تو آرام سے کل کے سیلیبریشن کیلئے کچھ سوچ سکیں''۔ فلک بہت ایکسائیٹڈ تھی۔

''ٹھیک ہے اللہ حافظ''۔ یہ کہہ کر عروج نے فون بند کر دیا۔ وہ بھی صفائی میں لگ گئی تا کہ دوپہر کو سب آرام سے بات کر سکیں۔

☆

''السلام وعلیکم ڈیئر! کیسی ہو تم؟'' ثمر نے گھر میں داخل ہو کر تینوں کو سلام کرتے ہوئے پوچھا۔

''وعلیکم السلام! الحمدللہ بالکل ٹھیک''۔ تینوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''ثمر! تم اکیلی آئی ہو' احمد بھائی نہیں آئے؟'' فلک نے اس سے پوچھا۔

''نہیں یار! تم جانتی ہو انہیں آفس میں بہت کام ہوتا ہے اگر ایک دن کی بھی چھٹی کر لیں تو باس ناراض ہوتے ہیں لیکن انہوں نے کل آنے کا وعدہ کیا ہے''۔ اس نے پوری بات بتاتے ہوئے کہا۔

''چلو یار! کوئی بات نہیں' کل آ جائیں گے تم کیوں اداس ہوتی ہو''۔ رمشا نے اسے چھیڑا۔ ثمر اس کی شرارت سمجھ کر ہنسنے لگی۔

''تم نے کچھ سوچا کل کیا کرنا ہے؟'' ثمر نے پوچھا۔

''نہیں یار! اس بارے میں کیا سوچنا' تمہیں معلوم ہے ہم ہر سال کس طرح کرتے ہیں' اب بھی ویسے ہی کریں گے''۔ فلک نے کہا۔

''تم لوگ بیٹھو میں ابھی چائے بنا کر لاتی ہوں' میں نے بھی نہیں پی' سوچا تم لوگ آ جاؤ تو ساتھ مل کر پئیں گے''۔ فلک کہتے ہوئے چائے بنانے چلی گئی۔

☆

''اٹھو فلک' عروج' رمشا......'' ثمر نے اپنے دائیں بائیں سوتی ہوئی تینوں کو اٹھاتے ہوئے کہا۔

''دیکھو صرف دس منٹ ہیں نیو ایئر شروع ہونے میں''۔ ثمر نے کہا تو تینوں نے جلدی جلدی اٹھنے میں ہی عافیت جانی اور واش روم کی راہ لی۔

''دیکھو میں نے سب سامان بھی سیٹ کر لیا ہے ڈائننگ ٹیبل پر' جلدی آؤ ورنہ کولڈ ڈرنک گرم ہو جائے گی پھر مزہ نہیں آئے گا''۔ ثمر نے تینوں کو آواز دیتے ہوئے کہا۔ تینوں جلدی جلدی آ کر ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گئیں۔

''میں ابھی آئی صرف دو منٹ میں''۔ فلک کہتے ہوئے کمرے کی طرف چلی گئی اور تھوڑی ہی دیر میں تین پیک کیے ہوئے گفٹ لے کر آ گئی اور تینوں کو باری باری دے کر کہنے لگی۔

''یہ لو میری طرف سے نیو ایئر کا گفٹ تم تینوں کیلئے''۔

''تم یہ کب لے کر آئیں' تم نے ہمیں تو بتایا نہیں''۔ عروج نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔

''کیا بتانا ضروری ہے' بس لے آئی''۔ فلک نے کہا۔

''اب دیکھ بھی لو تم تینوں کو پسند بھی آیا ہے کہ نہیں لیکن کھولنے سے پہلے میری بات سن لو''۔ فلک نے کہا۔

''سناؤ''۔ تینوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

''کیوں...... الگ الگ کھولنے میں کیا ہے؟'' ثمر نے سوال کیا۔

''ویسے ہی یار! اب کھول بھی لو''۔ یہ کہتے ہوئے فلک ہنسنے لگی۔

پھر تینوں نے ایک ساتھ گفٹ کھولے تو تینوں کی مشترکہ چیخ برآمد ہوئی' تینوں کو چیختے دیکھ کر فلک نے سیڑھیوں کی راہ لی تا کہ ان سے اپنے آپ کو بچا سکے لیکن ایسا ممکن نہیں تھا۔ پہلے تو تینوں کو کچھ سمجھ نہیں آیا لیکن جب آیا تو تینوں نے فلک کو ڈھونڈتے ہوئے اِدھر اُدھر نگاہ کی تو فلک میڈم سیڑھیوں پر نظر آ ہی گئیں۔ اب فلک کی چیخیں تھیں اور تینوں کے ہاتھ' فلک اُف اُف کرنے لگی۔

''میں نے تو بس مذاق کے طور پر کیا تھا' اب مجھے کیا معلوم تھا کہ تم لوگ اتنا ڈر جاؤ گی''۔ فلک کہتے ہوئے اپنے بازوؤں کو سہلانے لگی۔

''تمہارے لیے مذاق ہوگا' ہماری تو جان ہی نکل گئی تھی گفٹ کے بجائے کاکروچ کو ڈبے میں دیکھ کر''۔ عروج نے کہتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھا۔

''سوری یار! ویسے یہ سال ہمیشہ یاد رہے گا' کیوں میں نے ٹھیک کہا ناں؟'' یہ کہتے ہوئے فلک ہنسنے لگی۔

''یاد تو رہے گا''۔ رمشا نے کہا۔

''لیکن اس کے بدلے تمہیں بھی اب کچھ کرنا ہوگا''۔ ثمر نے کہا۔

''کیا؟'' فلک نے فوراً کہا۔

''آج شام کو تم ہم تینوں کو اپنی پاکٹ منی سے آئسکریم کھلاؤ گی''۔ ثمر یہ کہتے ہوئے رمشا اور عروج کو دیکھنے لگی جو فلک کی حالت پر ہنس رہی تھیں۔

''چلو کیا یاد کرو گی' آج شام کو آئسکریم پکی''۔

''ایک منٹ''۔

''اب کیا ہے''۔ فلک کے ایک منٹ کہنے پر تینوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

''رُکو تو......'' فلک نے ٹیبل کے نیچے سے تین خوبصورت کارڈز نکالے۔

''آنے والا ہر پل تیرے لئے خوشیوں کی نوید ہو
غم ہیں اگر محوِ سفر' اللہ کرے بھول جائیں راہ
زندگی کو اپنی تم یوں پاؤ تتلی جیسے پھول پر
مبارک' مبارک ہو نیا سال تم کو خوش رہو سدا''

تینوں کو کارڈز دیئے' تینوں کے کارڈز پر مشترکہ شعر لکھے ہوئے تھے جسے پڑھ کر تینوں نے اسے بہت پیار بھری نظروں سے دیکھا۔

''واقعی میری کزنز جیسا اس دنیا میں کوئی اور نہیں ہو سکتا''۔ ثمر سوچتے ہوئے ہنسنے لگی۔

پھر باری باری چاروں نے ایک دوسرے کو نئے سال کی مبارکباد دی۔

کھڑکی سے جھانکتا ہوا چاند بھی ان کی خوشیوں کی دعائیں مانگتے ہوئے مسکرانے لگا۔

☆

سباس گل

قسط نمبر 8

سلسلے وار ناول

اعتبارِ عشق

رات کے دس بج رہے تھے نفیس کو آفس سے دیر ہوگئی تھی۔ عینی ابھی تک "عظیم ہاؤس" ہی میں تھی۔ نفیس نے فون کر کے دیر سے آنے کی اطلاع کر دی تھی۔



ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو عینی نے یہی سمجھا کہ نفیس کا فون ہے اس نے دوسری بیل بجتے ہی ریسیور اٹھالیا۔

''ہیلو''۔

''سوئیں نہیں ابھی تک؟'' دوسری جانب کنول بول رہی تھیں، عینی نے ان کی آواز پہچان لی تھی۔

''میں تو بہت سکون کی نیند سوتی ہوں مگر آپ کی نیندیں کیوں اُڑی ہوئی ہیں؟''

''لندن میں اس وقت سب جاگ رہے ہیں''۔ کنول بولیں۔

''وہ تو صبح اور دوپہر کو بھی جاگ رہے تھے ناں''۔ عینی نے طنز سے کہا۔

''بکومت''۔ وہ غصے سے بولیں تو اس نے کہا۔

''آپ کے ہوتے ہوئے میری یہ مجال کہاں''۔

''تمہارے ایک ایک لفظ کا میں ایسا جواب دوں گی کہ تم یاد کروگی''۔ کنول نے غصے سے کہا۔

''آپ کو جو کہنا اور کرنا ہے یہاں آکر کریں اور کہیں، وہاں بیٹھ کر مجھے چیک کرنے کی چالاکی سے باز آئیں، آئندہ یہاں فون کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے جو ارشادات فرمانے ہیں میرے اور اپنے سسرال میں فرمائیں، یہاں فون کرکے آپ یہ معلوم کرنا چاہ رہی ہیں کہ کہیں آپ کا شوہر آپ کے ہاتھوں سے نکل تو نہیں گیا، اتنی ہی بے اعتباری تھی شوہر پر تو اسے چھوڑ کر لندن کیوں جا بیٹھیں؟''

''میں نے تمہاری بکواس سننے کیلئے فون نہیں کیا''۔ وہ غصیلے لہجے میں گرجیں۔

''مجھے معلوم ہے کہ آپ نے یہاں کیوں فون کیا ہے، مقصد پورا ہوگیا آپ کا اب بند کیجیے فون اور دوبارہ یہاں فون کرنے کی حماقت مت کیجیے گا، گڈ نائٹ''۔ عینی نے سخت لہجے میں کہا اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ ثوبیہ بھابی اور ردا اسے دیکھ رہی تھیں، وہ نظریں چرا گئی۔ اسے محسوس ہورہا تھا کہ ثوبیہ بھابی سے یہ بات چھپائی نہیں جاسکتی سو اس نے انہیں اعتماد میں لینا ہی مناسب سمجھا اور انہیں مختصر کنول کے فون کرنے کی وجہ بتادی۔ انہیں کنول کے رویے اور عینی کی برداشت پر حیرت ہوئی۔

''بھابی! اگر میری غیر موجودگی میں ان کا فون آئے تو انہیں یہی تاثر دیجیے گا کہ میں میکے میں ہی رہ رہی ہوں، باقی اُن کے آنے پر دیکھا جائے گا۔ نفیس خود ہی بات کلیئر کردیں گے''۔ عینی نے دھیمی آواز میں ان سے کہا تو وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولیں۔

''ٹھیک ہے مگر کنول سے ہمیں ایسے رویے کی توقع نہیں تھی، آخر ماں کا اثر اور خون تو ظاہر ہونا ہی تھا۔ اللہ تمہیں ثابت قدم اور بلند حوصلہ رکھے''۔

''آمین ثم آمین''۔ ردا نے کہا، اسی وقت نفیس کی گاڑی کا ہارن بجا۔

''موڈ ٹھیک کرلو نفیس بھائی آگئے ہیں''۔ ثوبیہ بھابی نے اس کا گال چھو کر نرمی سے کہا۔

''السلام وعلیکم!'' نفیس نے اندر آتے ہی کہا۔

''وعلیکم السلام بیٹا! اتنی دیر کردی''۔ سمیرہ بیگم نے محبت سے انہیں دیکھا۔

''بس پھپھو جان! کام بہت ہے آج کل، سردی کا سیزن ہے، مال کی سپلائی بڑھ گئی ہے''۔

''بیماری سے اٹھتے ہی پھر دن رات کام میں لگ گئے، اپنے آرام کا، کھانے پینے کا بھی خیال رکھا کرو''۔ سمیرہ بیگم نے ممتا بھرے انداز میں انہیں ڈانٹا۔

''اس کام کیلئے تو عینی موجود ہے، یہ میرا بہت زیادہ خیال رکھتی ہے''۔ نفیس نے عینی کی طرف دیکھتے ہوئے

مسکراتے ہوئے کہا، وہ بھی مسکرادی اور پھر بولی۔

''اب آیئے کھانا کھالیجیے، آپ کے انتظار میں سب بھوکے بیٹھے ہیں''۔

''او مائی گاڈ! یار شرمندہ تو نہ کرو، میرا کیا ہے میں بعد میں کھالیتا، آپ سب تو کھانا کھالیتے''۔ نفیس نے شرمندہ ہوکر کہا۔

''اب اس بحث میں گیارہ بجا دینا، چلو کھانا ٹھنڈا ہوجائے گا''۔ سمیرہ بیگم نے کہا اور سب لوگ کھانے کیلئے ٹیبل کے گرد جمع ہوگئے۔ عینی کا دل بہت برا ہورہا تھا، کنول کی باتیں اسے اندر ہی اندر پریشان کررہی تھیں، اس نے ٹھیک سے کھانا بھی نہیں کھایا۔ نفیس نے اس کی اس کیفیت کو بہت نوٹ کیا تھا۔

''نفیس بیٹا! رات بہت ہوگئی ہے آج تم یہیں رک جاؤ، صبح چلے جانا''۔ سمیرہ بیگم نے ان سے کہا تو انہوں نے عینی کی طرف دیکھا وہ مسلسل خاموش تھی۔

''نہیں پھپھو! صبح مجھے آفس بھی جانا ہے تو تیاری میں پرابلم ہوگی، عینی اگر رکنا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے''۔ نفیس نے نرم اور مہذب لہجے میں جواب دیا۔

''لو اگر جانا ہی ہے تو تم اکیلے کیوں جاؤ گے عینی کو بھی ساتھ لے جاؤ، صبح کو ناشتے کیلئے تو پریشان نہیں ہونا پڑے گا تمہیں''۔ سمیرہ بیگم نے کہا تو وہ ہنس کر بولے۔

''پھپھو جان! میں نے عینی سے ناشتے اور کھانے پکانے کیلئے تھوڑی شادی کی ہے''۔

''معلوم ہے مجھے کیوں شادی کی ہے تم نے عینی سے، چلو اب اللہ کا نام لے کر گھر کی راہ لو''۔ سمیرہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔



عینی کا ذہن تھکا تھکا اور دل بجھا بجھا سا تھا، وہ سونا چاہتی تھی لیکن نیند نہیں آرہی تھی۔ نفیس چینج کرکے آئے تو اس نے آنکھیں بند کرلیں، وہ اس وقت ان سے بھی بات کرنے کی سکت نہیں پارہی تھی خود میں، نفیس نے ٹیبل لیمپ جلا کر لائٹ آف کردی اور بستر پر اپنی جگہ پر آکر لیٹ گئے۔ پھر نفیس نے کروٹ بدل کر عینی کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''عینی! جاگ رہی ہو ناں؟''

''آپ کو کیا الہام ہوجاتا ہے جو میرے ہر موڈ کا پتا لگالیتے ہیں؟'' عینی نے آنکھیں کھول کر کہا۔

''آنکھیں، دل، دماغ اور ذہن رکھتا ہوں انہی کو کام میں لاکر محسوس کرتے ہوئے اندازہ لگاتا ہوں اور نتیجہ اخذ کرتا ہوں''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''فیکٹریوں میں کام کیسا چل رہا ہے؟'' عینی نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

''اللہ کا کرم ہے بہت اچھا رسپانس مل رہا ہے لیکن تمہارا موڈ کیوں آف ہے، میرے دیر سے آنے پر ناراض ہو؟'' نفیس نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں بس یونہی! آپ تھک گئے ہوں گے سوجایئے صبح پھر فیکٹری جانا ہوگا''۔

''جانا تو ہے لیکن یونہی تو تمہارا موڈ آف نہیں ہوتا، کیا ہوا ہے؟''

''کچھ نہیں''۔ وہ ان کی بلا کی گہری نظروں سے نروس ہوتے ہوئے بولی اور کروٹ بدل کر رخ ہی پھیر لیا۔ نفیس چند سیکنڈ اس کے بولنے کا انتظار کرتے رہے پھر خود بھی سیدھے ہوکر لیٹ گئے۔

''کوئی بات ہے ضرور ورنہ عینی مجھ سے اس طرح رخ پھیر کر نہ لیٹتی''۔ نفیس نے دل میں سوچا۔ نفیس کو تھکن کے باعث تھوڑی دیر میں نیند آگئی۔ عینی کی آنکھ بھی ذرا دیر کو لگی تھی مگر اسے خواب میں بھی کنول اور سلمیٰ بیگم اپنی طرف خطرناک

انداز میں بڑھتی دکھائی دیں تو خوف سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے سہمی ہوئی نظروں اور بے ترتیب سانسوں میں الجھتے ہوئے نفیس کو دیکھا وہ سو رہے تھے' اس نے انہیں جگانا چاہا لیکن پھر ان کے آرام کے خیال سے رک گئی' اس کا سر درد سے بوجھل ہو رہا تھا' اس نے بستر سے اتر کر دراز کھولی اور ڈسپرین کی گولی نکال کر پانی کے ساتھ کھالی۔

''میں وقت سے پہلے ہی خود کو پریشان کر کے بیمار ہو جاؤں گی اور شاید کنول آپا ایسا ہی چاہتی ہیں' میرا سکون برباد کرنا چاہتی ہیں۔ یا اللہ! مجھے ہمت دے' سمجھ اور حوصلہ دے''۔ عینی دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو دباتے ہوئے دل میں بولی۔

''پریشانی اور تکلیف میں اللہ سے رجوع کرو' اسے سجدہ کرو گی تو وہ تمہیں سکون قلب اور اطمینان بخشے گا' تمہاری پریشانی دور کر دے گا''۔ سمیرہ بیگم کی بہت پہلے کہی ہوئی بات اس کے کانوں میں گونجی تو اس نے ایک لمحے کو انہیں تصور میں لا کر ان کا شکریہ ادا کیا اور پھر اٹھ کر واش روم میں چلی گئی۔ وضو کر کے آئی' جائے نماز بچھا کر رب کریم کے حضور حاضر ہو گئی۔ نماز حاجات ادا کرنے کے بعد خشوع و خضوع سے دعا مانگی' تسبیح سے فارغ ہو کر بھی وہ وہیں جائے نماز پر گھٹنوں پر بازو اور چہرہ رکھ کر بیٹھی رہی۔ دل میں درود شریف کا ورد کرتی رہی' لب خاموش تھے اور دل حمد و ثنا میں مصروف' کتنی دیر گزر گئی تھی وہ ساکت بیٹھی تھی کہ اسے اپنے شانے پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا مگر وہ آنکھیں بند کیے اسی طرح بیٹھی رہی۔

''عینی...... عینی!'' یہ نفیس تھے جو نجانے کب سے اسے اسی حالت میں دیکھ رہے تھے اور اب جب صبر اور ضبط نہ کر سکے اسے مسلسل ایک ہی پوزیشن میں بیٹھے دیکھ کر پریشان ہو کر اٹھ آئے تھے۔ وہ ان کے دوسری بار پکارنے اور شانہ ہلانے پر جیسے گہری نیند سے جاگی تھی' چونک کر آنکھیں کھولیں اور حیرانگی سے انہیں دیکھا۔ یکدم ہی اس کی آنکھوں میں خوف' دکھ' بے بسی اور اپنی محبت کے چھن جانے کا خدشہ پوری شدت سے در آیا' نفیس کو اس کا اس طرح دیکھنا بے چین کرنے لگا' ان کا دل تڑپنے لگا تھا۔

''عینی! کیا ہوا ہے کچھ بولو تو پلیز''۔ نفیس نے اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

''نفیس''۔ اس نے بہت مدھم آواز میں انہیں مخاطب کیا۔

''نفیس کی زندگی! میرا دل ڈوب رہا ہے' مجھے بتاؤ تو سہی ایسا کیا ہوا ہے جو تم اس قدر گم صم' افسردہ اور پریشان ہو' میں چار پانچ دن سے نوٹ کر رہا ہوں تم پریشان ہو' لیکن مجھے کچھ بتا بھی نہیں رہیں' تم مجھے اتنی بے بسی اور حسرت سے کیوں دیکھنے لگی ہو عینی! کیا ہوا ہے پلیز مجھے بتاؤ' کیا تمہیں کسی نے کچھ کہا ہے؟'' نفیس نے اسے پکڑ کر اٹھایا اور بیڈ پر بٹھاتے ہوئے پوچھا اور خود بھی اس کے قریب بیٹھ گئے' تو اس نے اُن کے سوال کے جواب میں اثبات میں سر ہلایا۔ نفیس نے اسے اپنے بازو کے حلقے میں لے کر بہت محبت اور نرمی سے پوچھا۔

''کس نے کہا ہے اور کیا کہا ہے جو تمہاری یہ حالت ہو رہی ہے؟''

''آپ...... یقین نہیں کریں گے''۔ اس نے کانپتی آواز میں جواب دیا۔

''عینی! کیا کہہ رہی ہو جان...... میں یقین نہیں کروں گا' تمہاری یہ حالت دیکھ کر بھی یقین نہیں کروں گا۔ کم آن بے بی! میں تمہیں پریشان نہیں دیکھ سکتا پلیز ٹیل می''۔

''میں آپ کو...... صرف یہ یقین سے بتا سکتی ہوں کہ میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں''۔

''مجھے اس خوبصورت حقیقت کا پہلے سے علم بھی ہے اور اس کا یقین بھی ہے' تمہیں یہ بات دہرانے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی عینی! میں تو تمہاری آنکھوں اور لہجے کے رنگوں سے محسوس کر لیتا ہوں کہ تم مجھ سے کتنا پیار کرتی ہو''۔ وہ اس کی پیشانی پر اپنی محبت کی مہر ثبت کر کے بولے۔

''کاش...... نہ کرتی''۔ عینی نے بھرائی آواز میں کہا تو وہ حیران ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگے۔

''عینی! میرا دل توڑنے والی بات تو نہ کرو''۔

''نفیس! میں مر جاؤں گی آپ کے بغیر' میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں ہمیشہ زندگی کی آخری سانس تک مجھے آپ کا ساتھ چاہیے' مجھے اپنی زندگی سے باہر مت نکالئے گا ورنہ میرا دم نکل جائے گا نفیس!'' وہ ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے روتے ہوئے بولی۔

''عینی! دم تو تم میرا نکالے دے رہی ہو' کس نے کہہ دیا تم سے کہ میں تمہیں اپنی زندگی سے نکال دوں گا' ایسا کہنے والے کو میں اپنی زندگی سے ضرور نکال باہر کروں گا''۔

''آپ...... ایسا نہیں کر سکیں گے''۔ عینی نے ان کے سینے میں چہرہ چھپاتے ہوئے روتے ہوئے کہا۔

''عینی! تم بتاؤ مجھے کون ہے وہ جو تمہیں پریشان اور خوفزدہ کر رہا ہے؟'' وہ اس کے بالوں کو چوم کر بولے۔

''نہیں''۔ وہ روتے ہوئے بولی تو انہوں نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام کر دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھ پر اعتبار نہیں ہے تمہیں''۔

''آپ پر تو اعتبار ہے لیکن وہ......'' اتنا کہتے ہی اس کی ہچکی بندھ گئی۔

''عینی! میں تمہارا اعتبار کروں گا مجھے بتاؤ وہ کون ظالم ہے جو ہمارے گھر میں دکھ بونا چاہتا ہے''۔ نفیس نے اس کا چہرہ صاف کرتے ہوئے نرمی سے کہا مگر وہ کچھ نہ بول سکی۔

''عینی! نجانے تم کس مصلحت کے تحت اس کا نام چھپا رہی ہو' مگر میرا یقین کرو میں تم سے کبھی بدگمان نہیں ہوں گا اور نہ ہی تمہیں اپنی زندگی سے باہر نکالوں گا۔ پگلی! مجھے تو ایسا کہتے ہوئے بھی اپنی سانسیں رکتی ہوئی محسوس ہو رہی ہیں' عمل تو بہت دور کی بات ہے' میرا دل تمہاری جدائی سہنے کا حوصلہ نہیں رکھتا اور نہ ہی مجھ سے یہ بات کبھی برداشت ہو پائے گی کہ تم سے کسی قسم کی زیادتی یا ناانصافی ہو اس گھر میں یا کہیں بھی۔ تم تو میرے دل میں کھلنے والا پھول ہو اور میں اس پھول کو مرجھانے نہیں دوں گا بلکہ میں تو اس کی خوشبو میں اپنی ساری سانسوں کو مہکتا ہوا دیکھنا اور محسوس کرنا چاہتا ہوں۔ آئی لو یو سویٹ ہارٹ' آئی لو یو ویری مچ''۔ نفیس نے اس کے آنسو صاف کرتے اسے پیار کرتے ہوئے بہت محبت سے اپنائیت سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ جیسے پھول کی طرح ہلکی پھلکی ہو گئی' اس نے گہرا سانس لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

''کیا ہوا؟'' نفیس نے محبت سے پوچھا تو وہ آنکھیں کھول کر انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

''اب کچھ نہیں ہو گا' آپ کی باتوں نے مجھے بہت حوصلہ دیا ہے' آپ کا اعتبار اور یقین مجھے حاصل رہے گا تو مجھے کچھ نہیں ہو گا' میں آپ کے اعتبار اور یقین کے سہارے ہی زندہ رہ سکوں گی''۔

''تمہیں ہر حال میں زندہ رہنا ہے خواہ کوئی تمہاری چاہ کرے نہ کرے' تمہیں جینا ہے میری خاطر...... اور پلیز عینی! اب میرا حوصلہ مت آزماؤ' مت کرو اس قسم کی باتیں جو مجھے بھی خوفزدہ کر دیں' رونا بند کرو پہلے ہی تمہارے سر میں درد ہو رہا ہے' رو رو کر مزید حالت خراب کر لو گی''۔ نفیس نے اس کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''آپ......'' وہ اتنا ہی کہہ سکی' وہ اس کی بات سمجھ گئے تھے نرم لہجے میں بولے۔

''تم بے چین تھیں تو بھلا مجھے کیسے سکون سے نیند آ سکتی تھی' تم بیڈ سے اتری تھیں تب ہی سے میں جاگ رہا ہوں۔ چلو اب ہر خوف اور خدشہ اپنے دل سے نکال دو اور سو جاؤ''۔

''نفیس! آئی لو یو''۔ عینی نے بے اختیار اور بے خود ہو کر ان کے رخسار پر اپنا ہاتھ رکھ کر دل سے کہا۔

"لگتا ہے تم مجھے آج رات سونے نہیں دوگی' ویسے جس کسی نے بھی تمہیں آج اتنا رُلایا ہے ناں میں اس کا ممنون بھی ہوں ایک طرح سے کہ اس کی وجہ سے آج تم نے پہلی بار اتنے بے اختیار اور دیوانہ وار انداز میں مجھ سے اپنی محبت کا اظہار اور اقرار کیا ہے۔ تم میری خوشی کا اندازہ نہیں لگا سکتیں"۔ نفیس نے اسے اپنی محبت بھری پناہوں میں لے کر مسکراتے لہجے میں کہا۔

"اور آپ بھی اندازہ نہیں لگا سکتے"۔

"کس چیز کا؟" انہوں نے پوچھا۔

"میری محبت کا"۔ عینی نے شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے کہا تو نفیس کو ایسا لگا جیسے انہیں دو جہاں کی دولت اور خوشی مل گئی ہو'ان کے جسم و روح کا ذرہ ذرہ جھوم اٹھا۔

☆

صبح بہت دیر سے عینی کی آنکھ کھلی وہ واش روم سے فارغ ہو کر واپس آئی' بالوں میں برش کیا' ہیئر بینڈ باندھتے ہوئے جو اس کی نظر سامنے دیوار پر لگے وال کلاک پر پڑی تو حیرت اور فکر سے اس کی سٹی گم ہو گئی۔

"او گاڈ! ساڑھے دس بج رہے ہیں' میں اتنی دیر سوتی رہی اور میں سمجھی تھی کہ روز کی طرح وہ اخبار گیٹ باکس سے لینے گئے ہوں گے' وہ تو آفس چلے گئے ہوں گے' میں اکیلی یہاں' نفیس نفیس......" وہ پریشانی سے بولتی کمرے کے دروازے کو کھول کر باہر نکلنے لگی تو نفیس سے ٹکراتے ٹکراتے بچی' وہ ٹرالی پر اپنا اور اس کا ناشتہ بنا کر سجا کر لا رہے تھے' انہیں دیکھ کر عینی کی جان میں جان آئی۔

"شکر ہے آپ گھر پر ہیں"۔

"تم کیا سمجھیں تھیں میں آفس جا چکا ہوں"۔ وہ ٹرالی گھسیٹتے ہوئے اندر آتے بولے تو اس نے کہا۔

"جی"۔

"میری عزیز از جان اہلیہ! میں اتنا لاپرواہ شوہر نہیں ہوں' رات جو آپ کی حالت ہو رہی تھی اس کو مد نظر رکھتے ہوئے میں آفس کیسے جا سکتا تھا۔ آیئے ناشتہ کیجئے آپ بھی کیا یاد کریں گی' شوہر کے ہاتھ سے بنا ناشتہ آپ کی ساری سستی دور کر دے گا"۔ نفیس نے ٹرالی بیڈ کے قریب روک کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

"آپ نے مجھے جگا دیا ہوتا' میں ناشتہ بنا لیتی"۔ وہ قدرے شرمندہ سی ہو کر بولی۔

"روز تم ہی ناشتہ بناتی ہو آج اگر میں نے بنا دیا تو کیا برا کیا' تم رات بھر فکر اور سر درد کی وجہ سے سو نہیں سکی تھیں اس لئے میں نے تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا اور میں خود بھی گھنٹہ پہلے ہی بیدار ہوا تھا"۔ نفیس نے عینی کو اپنے ہاتھ سے ناشتہ کروایا۔ بہت ہی خوشگوار ماحول میں انہوں نے ناشتہ ختم کیا۔

اس روز نفیس نے سارا دن گھر پر ہی گزارا' عینی نے ان کیلئے پیزا بنایا جو انہوں نے بہت مزے لے لے کر کھایا اور خوب تعریف کی۔

"دل کافی نہیں تھا قبضہ جمانے کیلئے جو میرے معدے کو بھی اپنے لذت بھرے کھانوں سے اسیر کر لیا ہے"۔ نفیس نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ خوشدلی سے ہنس پڑی۔

"میری ساری محبت تم ہی سمیٹے جا رہی ہو' کنول اور بچوں کیلئے بھی گنجائش رہنے دو"۔ نفیس نے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ مسکراتے مسکراتے کنول کے ذکر پر ان کی دھمکی آمیز گفتگو یاد کر کے ایکدم سنجیدہ ہو گئی اور نفیس سمجھے کہ شاید اسے کنول کا ذکر برا لگا۔

"کنول کا ذکر برا لگا تمہیں؟" نفیس نے کہہ ہی دیا۔

"برا کیوں لگے گا بھلا؟" وہ مسکراتے ہوئے بولی تو انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

"تمہارے ہونٹوں کی خوبصورت مسکراہٹ جو کنول کا نام آتے ہی غائب ہو گئی تھی"۔

"میرے ہونٹوں کی مسکراہٹ کنول کی وجہ سے غائب ہو گی"۔ اس نے معنی خیز بات کہی' چند لمحے خاموشی سے گزر گئے پھر وہ چائے کے کپ میں چمچ چلاتے ہوئے بولی۔

"آپ میری طرف سے اپنے دل میں بدگمانی کو جگہ مت دیجئے گا' مجھے کنول آپا سے کسی قسم کی شکایت ہے نہ جیلسی اور نہ کبھی میں اُن کی جگہ لینے یا انہیں ڈی گریڈ کرنے کی کوشش کر سکتی ہوں' مجھے ان سے کوئی مقابلہ بھی نہیں کرنا نہ میں کبھی یہ چاہوں گی کہ آپ ان سے پہلے جیسا برتاؤ ترک کر دیں' میری وجہ سے انہیں کسی بھی قسم کی کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے"۔

"عینی ڈیئر! تمہیں اس ساری وضاحت کی قطعاً ضرورت نہیں ہے' میں تمہیں بھی جانتا ہوں اور کنول کو بھی۔ مجھے یقین ہے کہ تم دونوں آپس میں بہت محبت اور اتفاق سے رہو گی"۔ نفیس نے اس کا ہاتھ تھام کر دھیمے اور نرم لہجے میں کہا۔

"بعض اوقات انسان کے دعوے اور اندازے غلط بھی ثابت ہو جاتے ہیں"۔ عینی نے کہا۔

"تمہاری بات درست ہے لیکن تم اور کنول میری زندگی کی ساتھی ہو' میں تمہیں عشق کی حد تک چاہتا ہوں اور تم دونوں بھی مجھ سے محبت کرتی ہو پھر کسی بدمزگی یا بدگمانی کا کیا سوال ہے؟ آئندہ مجھے ایسی وضاحت مت دینا' مجھے تم پر بہت بھروسہ ہے' اعتبار ہے"۔ نفیس نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔

☆

"ہیلو...... ہاں کنول! کیسی ہو؟ تم تو جا کر ہی رہ گئیں' مہینہ ہو گیا ہے' بچوں کی تعلیم کا بہت حرج ہو رہا ہے' ان کی پرنسپل صاحبہ بھی دو تین بار فون کر کے پوچھ چکی ہیں' نام خارج ہو جائے گا بچوں کا اور دیکھو مجھے تم تینوں بہت یاد آ رہے ہو اب واپسی کی تیاری کرو بہت سیر ہو گئی لندن کی' کچھ ادھر کا بھی خیال کرو۔ ہاں کامران کی شادی ہو گئی کیا؟ کب اچھا او کے اپنا اور بچوں کا خیال رکھنا اور بچوں کو میری طرف سے پیار کرنا۔ ہاں میں ٹھیک ہوں بس تم لوگ آ جاؤ اور سنو میں چند دن کیلئے اسلام آباد جا رہا ہوں' تم مجھے میرے موبائل پر ہی کانٹیکٹ کرنا۔ او کے اللہ حافظ"۔ نفیس نے بات ختم کرتے ہوئے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

"آپ اسلام آباد جا رہے ہیں؟" عینی جو اُن کے پاس ہی بیٹھی تھی ان کے جانے کا سن کر اداس ہو کر بولی تو انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہم دونوں اسلام آباد جا رہے ہیں"۔

"کس لئے؟" اس نے پوچھا تو وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"ہنی مون کیلئے"۔

"اس کی کیا ضرورت ہے؟" عینی نے شرمگیں لہجے میں کہا تو وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔

"ضرورت ہے' میں تمہارے ساتھ اپنے وطن کی خوبصورت جگہوں کی سیر کرنا چاہتا ہوں اور تم جو پانچ دن سے پریشان ہو میں تمہاری پریشانی دور کرنا چاہتا ہوں' کہتے ہیں کہ خوشگوار ماحول اور پیار کرنے والا ساتھی ساتھ ہو تو انسان ہر دکھ' تکلیف اور پریشانی بھول جاتا ہے اور میں بھی یہی چاہتا ہوں' اس لیے ہم پرسوں کی فلائٹ سے اسلام آباد جا رہے ہیں' شکر پڑیاں' مری اور بھوربن کی سیر کریں گے' تم پیکنگ کر لینا وہاں تو برف پڑ رہی ہو گی۔ مری کا

موسم کراچی کے موسم سے بالکل مختلف ہے‘ کراچی کا تو موسم ہی عجیب ہے رات کو کمبل اوڑھ کر سوؤ تو صبح لان کے کپڑے پہننے کی نوبت آجاتی ہے‘ کبھی بارش کبھی تیز دھوپ۔ تم اپنے گرم کپڑے رکھ لینا یاد سے“۔

”جی بہتر“۔ عینی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

☆

وہ عظیم ہاؤس میں سب سے مل کر اسلام آباد روانہ ہو گئے۔ شکر پڑیاں دیکھتے‘ بھوربن میں تین دن قیام کرنے کے بعد وہ مری چلے آئے۔ مری کا موسم بہت ٹھنڈا تھا۔ سرِ شام ہی اندھیرا ہو جاتا‘ برفباری کبھی ہلکی ہلکی ہونے لگتی تو کبھی تیز ہو جاتی۔ بہت سے نئے شادی شدہ جوڑے وہاں سیر کیلئے آئے ہوئے تھے۔ نفیس اور عینی نے خوب انجوائے کیا۔ نفیس نے عینی کی ڈھیروں تصاویر کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کر لیں۔

”نفیس!“ وہ دونوں صبح سے سیر کر رہے تھے‘ چلتے چلتے اچانک عینی کو چکر آ گیا اس نے نفیس کا بازو پکڑ لیا‘ انہوں نے گھبرا کر اسے دیکھا۔

”کیا ہوا؟“

”چکر لگا لگا کر میرا سر چکرا گیا ہے‘ اب واپس گھر چلیں“۔ اس نے رک کر کہا۔

”تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے ہم دو منٹ میں گھر پہنچ جائیں گے۔ جانِ! اس وقت تو ہم ہوٹل واپس جا سکتے ہیں“۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تو چلیں واپس ورنہ میں چلتے چلتے فریز ہو جاؤں گی‘ برف بن جاؤں گی“۔

”پلیز یہ غضب مت کرنا‘ پہلے ہی بڑی محبت سے یہ برف پگھلی ہے“۔ نفیس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر مسکراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا تو وہ بڑی ادا سے مسکراتے ہوئے بولی۔

”شکر کیجیے کہ ہمیں آپ پر رحم آ گیا ورنہ آپ اکیلے کنول آپا اور بچوں کے بغیر دیوانے ہو جاتے“۔

”دیوانے تو ہم اب بھی ہو گئے ہیں آپ کے“۔ نفیس نے ہنس کر اس کے چہرے کو دیکھا۔

”اچھا جی“۔ وہ شرارت سے ہنسی۔

”ہاں جی اگر تم اس روز نہ آتیں تو کیا پتا میں بیمار ہی بھوکا پیاسا دنیا سے سدھار جاتا“۔

”پلیز“۔ عینی نے ان کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ نفیس نے دیکھا اس کا چہرہ دکھ اور خوف سے زرد ہو رہا تھا‘ انہیں اپنے جملے کی سنگینی کا شدت سے احساس ہوا۔

”آئی ایم سوری...... چلو واپس چلیں“۔ نفیس نے اس کا ہاتھ گرمجوشی سے دباتے ہوئے کہا اور اسے لے کر ہوٹل چلے آئے۔ وہ اپنے کمرے میں آتے ہی جوتے اتار کر بیڈ پر لیٹ گئی۔

”مجھے بھوک لگ رہی ہے“۔ عینی نے لیٹے لیٹے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

”مجھے بھی“۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولے۔

”تو کھانا منگوائیے‘ لنچ کا وقت تو ہو گیا ہے“۔

”اوکے“۔ نفیس نے انٹر کام پر کھانے کا آرڈر دیا اور واش روم میں چلے گئے۔ دس منٹ بعد ویٹر ان دونوں کے لیے کھانا لے آیا۔

”عینی! اٹھو کھانا کھا لو‘ کیا بہت تھک گئی ہو؟“ نفیس تولیے سے اپنا دھلا ہوا چہرہ صاف کرتے ہوئے بولے تو اٹھ کر بیٹھ گئی اور اپنا سر پکڑ کر بولی۔

”پتا نہیں بہت عجیب سی تھکن ہے‘ دل چاہ رہا ہے بس سو جاؤں“۔

”سو جانا پہلے کھانا کھا لو“۔ نفیس نے میز بیڈ کے قریب ہی کھسکا لی اور خود بھی اس کے برابر بیڈ پر بیٹھ گئے اور کھانا شروع کر دیا۔ عینی نے دو چار نوالے کھا کر ہاتھ روک لیا‘ حالانکہ کھانا اس کی پسند کا تھا۔

”تم کھانا کیوں نہیں کھا رہیں؟“ نفیس نے حیران ہو کر پوچھا۔

”دل نہیں چاہ رہا“۔

”خیریت یہ تمہارے دل کو اچانک کیا ہو گیا؟ ابھی تو تمہیں بھوک لگ رہی تھی“۔

”اب نہیں لگ رہی“۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟“ نفیس نے فکر مند ہو کر پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”بخار تو نہیں ہے؟“ نفیس کھانا چھوڑ کر اس کی پیشانی اور رخسار چھو کر بولے۔

”نہیں“۔ وہ بولی تو انہوں نے فکر مندی سے پوچھا۔

”ڈاکٹر کے پاس لے چلوں“۔

”جی“۔ اس نے جواب دیا تو ان کی فکر مزید بڑھ گئی۔

”اس کا مطلب ہے کہ تمہاری طبیعت کافی خراب ہے ورنہ تم اتنی آسانی سے ڈاکٹر کے پاس جانے کیلئے تیار نہیں ہوتیں‘ چلو اٹھو میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلوں“۔

”پہلے آپ کھانا تو کھا لیں“۔ اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا وہ کھڑے جو ہو گئے تھے۔

”کھانا بعد میں آ کر کھا لوں گا“۔

”نہیں پہلے آپ کھانا کھائیں گے اس کے بعد مجھے ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے“۔

”یار! بہت ضدی ہو تم“۔

”ضدی ہوں ناں تو بیٹھ جائیے اور کھانا کھائیے“۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے تم بھی میرے ساتھ کھاؤ نہیں تو میں بھی نہیں کھاؤں گا“۔ وہ بیٹھتے ہوئے بولے تو اس نے پلیٹ ان کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔

”بہت ضدی ہیں آپ“۔

”تمہاری صحبت کا اثر ہے“۔ وہ ہنس کر بولے اور کھانا کھانے لگے۔

کھانے سے فارغ ہوتے ہی وہ اسے لیڈی ڈاکٹر فوزیہ کے پاس لے گئے۔ عینی کا چیک اپ کرنے کے بعد وہ اسے اپنے دفتر میں لے آئیں جہاں نفیس بے چینی کے عالم میں ٹہل رہے تھے۔ عینی نے شرمیلی مسکان لبوں پر سجا کر انہیں دیکھا‘ وہ پریشانی میں مسکرا بھی نہ سکے۔

”ڈاکٹر صاحبہ! کیا ہوا ہے عینی کو؟ کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے؟“

”جی نہیں ندیم صاحب! بات پریشانی کی نہیں خوشی کی ہے‘ عینی امید سے ہے“۔

”کیا عینی امید سے ہے؟ یہ کیا چکر ہے؟“ نفیس حیرت اور مسرت سے عینی کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولے تو اس نے شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے کہا۔

”یہی تو اصل چکر ہے“۔

”اچھا تھینکس گاڈ...... یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے احسان ہے‘ میں تو ڈر ہی گیا تھا کہ نجانے میری سوئٹ عینی کو کیا

"ہوگیا ہے"۔ نفیس نے عینی کے شانوں کے گرد اپنا بازو حمائل کر کے کہا' وہ یہ خبر سن کر بہت خوش اور پرسکون ہوگئے تھے۔

"ندیم صاحب! آپ نے دوسری شادی کب کی ہے؟" ڈاکٹر فوزیہ نے پوچھا۔

"تقریباً ڈھائی ماہ پہلے عینی میری شریکِ زندگی بنی ہیں لیکن آپ کی غلط فہمی میں ضرور دور کرنا چاہوں گا' وہ یہ کہ میں ندیم نہیں نفیس احمد ہوں' بزنس مین ہوں اور حال ہی میں کینیڈا سے کراچی شفٹ ہوا ہوں۔ فلم اسٹار ندیم سے میری شکل ضرور ملتی ہے لیکن میں ندیم ہوں نہیں"۔ نفیس نے بہت مہذب انداز میں بتایا تو وہ حیرانگی سے ان کی صورت تکتے ہوئے بولیں۔

"او گاڈ! ایک ہی شکل کے دو انسان میں نے پہلی بار دیکھے ہیں"۔

"دو نہیں' ندیم صاحب کی شکل آپ کو دو چار اور آدمیوں میں بھی نظر آسکتی ہے جو کہ میری نظروں سے گزر چکے ہیں"۔ نفیس نے ہنس کر کہا۔

"آپ کو فلم میں کبھی کام کرنے کا خیال نہیں آیا؟"

"نہیں...... اللہ نے جس کی روزی جہاں لکھی ہوتی ہے وہ وہاں اپنے ہنر آزماتا ہے۔ الحمدللہ میں بزنس کے ذریعے اپنی روزی روٹی کما رہا ہوں اور بہت خوش اور مطمئن ہوں"۔ نفیس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"آپ بہت ینگ ہیں' ندیم کی فلم مہربانی کے ندیم لگ رہے ہیں"۔ ڈاکٹر فوزیہ نے ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ہنس کر بولے۔

"مہربانی تو بہت پرانی فلم ہے اور میں ابھی 39 کا ہوں اس لئے ینگ نظر آتا ہوں' کچھ اپنے پیاروں کی محبتیں مجھے جوان رکھتی ہیں"۔

"ماشاء اللہ...... آپ کی مسز بہت پیاری ہیں بالکل گڑیا جیسی' بہت اچھا کپل ہے آپ کا"۔ ڈاکٹر فوزیہ نے دل سے کہا تو عینی نے حیا آلود مسکان لبوں پر سجائے انہیں دیکھا وہ بھی مسکرا رہے تھے۔

"بہت شکریہ...... اب ہمیں اجازت دیجئے"۔ نفیس نے مسکراتے ہوئے کہا اور انہیں خدا حافظ کہہ کر عینی کا ہاتھ تھامے کلینک سے باہر آگئے۔ ہوٹل کی جانب وہ پیدل ہی چل رہے تھے اور دونوں مسلسل خاموش تھے۔ عینی کو نفیس کی یہ خاموشی پریشان کر رہی تھی بالآخر پوچھ ہی بیٹھی۔

"نفیس! آپ خاموش کیوں ہیں؟"

"تم نے خبر ہی ایسی سنائی ہے"۔ وہ بے حد سنجیدہ لہجے میں بولے تو وہ گھبرا گئی۔

"آپ کو خوشی نہیں ہوئی اس خبر سے؟" عینی نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

"کون سی انوکھی خبر سنائی ہے تمہاری ڈاکٹر نے مجھے' میں تو پہلے ہی دو بچوں کا باپ ہوں' میرے لئے یہ کوئی انوکھی اور خوشی کی خبر نہیں ہے ہاں البتہ تم پہلی بار ماں بن رہی ہو تمہارے لئے یہ خبر انوکھی اور خوشی کی ضرور ہوگی"۔ نفیس نے ہوٹل کے احاطے میں داخل ہوتے ہوئے بہت سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا تو عینی کو اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا' اس کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی' سانسیں اکھڑنے لگیں' اسے سب کچھ گھومتا ہوا نظر آیا' وہ بمشکل یہ الفاظ ادا کر سکی۔

"آ...... آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟"

"اور کیسی باتیں کروں؟ مجھے بچے کی خواہش نہیں ہے میرے ماشاء اللہ دو بچے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں صحت مند اور سلامت رکھے' میں مزید بچے نہیں چاہتا"۔ وہ اسی لہجے میں بولتے کمرے کی چابی کاؤنٹر سے لے کر آگے بڑھ گئے۔ عینی سے تو چلنا محال ہو رہا تھا۔

"تو کیا ضرورت تھی مجھ سے اس قدر چاہت کا اظہار کرنے کی جس کا نتیجہ اب آپ کو قبول نہیں ہے"۔ عینی نے اپنی تمام تر قوت اور طاقت جمع کر کے ان کے سامنے آکر غصیلے لہجے میں کہا تو انہوں نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے میں لے آئے۔ اس نے غصے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا' وہ اسی لہجے میں بولے۔

"اب کہو جو کہنا ہے' باہر سب کے سامنے تماشا بنانا تھا اپنا اور میرا"۔

"میرے بولنے اور کہنے سے تماشا بن جاتا اور جو آپ ارشاد فرما رہے تھے وہ کچھ نہیں تھا۔ میری ایک بات یاد رکھئے نفیس احمد صاحب! اگر آپ نے مجھے چیٹ کیا تو میں سچ مچ آپ کا تماشا بنا دوں گی' میں اگر محبت میں جان دینے کی حد تک آپ کو چاہ سکتی ہوں تو بے وفائی اور دھوکا دہی میں جان لینے کی حد تک بھی جا سکتی ہوں' مجھے اپنا وقار آپ کے پیار سے زیادہ عزیز ہے"۔ عینی نے نجانے کیسے خود کو سنبھال کر بہت ہی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"تو ٹھیک ہے اب اپنے ہونے والے بچے کو اپنے وقار اور پیار میں پروان چڑھانا' کہاں تو مجھ سے دور رہنے کا تصور ہی تمہارے لئے موت تھا اور اب ایک ہی جملے نے تمہاری حقیقت واضح کر دی"۔ وہ طنزیہ لہجے میں بولے۔

"ٹھیک کہا آپ نے' ایک ہی جملے نے ساری حقیقت واضح کر دی۔ ہم لڑکیاں ہوتی ہی بیوقوف ہیں جو آپ مردوں کی باتوں پر ایمان لے آتی ہیں"۔

"اسی لئے تو تم لڑکیاں ہم مردوں کو پیاری لگتی ہو"۔ نفیس نے اس کی ٹھوڑی چھوتے ہوئے کہا' عینی نے غصے سے ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"بری بات میں شوہر ہوں تمہارا"۔ نفیس یکدم اپنے اسی پرانے محبت بھرے انداز سے بولے تو عینی کا دل بہت بری طرح دھڑکا اور وہ بے ہوش ہو کر نیچے جا پڑی۔

"عینی!" نفیس نے اسے زمین پر گرنے سے پہلے جھک کر تھام لیا' اب بے ہوش ہونے کی باری نفیس کی تھی۔ عینی کی زرد ہوتی رنگت' ٹھنڈے پڑتے ہاتھ ان کے ہاتھ پاؤں پھلائے دے رہے تھے۔ انہوں نے اسے اٹھا کر بیڈ پر لٹایا اور ہوٹل کے منیجر کو فون کر کے ڈاکٹر بھیجنے کو کہا تھا۔ ہوٹل ہر سہولت سے آراستہ اور جدید تھا۔ پانچ سات منٹ میں ڈاکٹر ان کے کمرے میں موجود تھا۔ نفیس پریشانی کے عالم میں عینی کے سرہانے کھڑے اس کے ہوش میں آنے کی دعا مانگ رہے تھے' انہوں نے تو اسے ستانے کیلئے مذاق کیا تھا اور انہیں اپنا یہ مذاق بہت مہنگا پڑ رہا تھا۔ انہیں اب شدت سے اپنی غلطی کا' اپنے لفظوں اور لہجے کی سنجیدگی کا احساس ہو رہا تھا' ظاہر ہے کہ عینی نے ان کی باتوں کو سچ سمجھا تھا ورنہ اس کی یہ حالت نہ ہوتی۔

"ان کا بی پی لو ہے' کوئی شاک پہنچا ہے انہیں' ازشی پریگنینٹ؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"جی ڈاکٹر صاحب"۔ نفیس نے بتایا تو ڈاکٹر نے نسخہ لکھ کر ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"پھر تو یہ اچھا سائن نہیں ہے ان کا بلڈ پریشر نارمل رہنا چاہیے' انہیں خوشی کی ضرورت ہے' آپ یہ دوا منگوا لیں انہیں تھوڑی دیر تک ہوش آجائے گا' انہیں گرم بستر میں ہی لیٹا رہنے دیں یہ ضروری ہے' بوائل انڈے اور سوپ وغیرہ دیں انہیں"۔

"تھینک یو ڈاکٹر صاحب"۔ نفیس نے ڈاکٹر کے جاتے ہی ہوٹل کے ملازم کے ہاتھ دوا منگوالی۔ عینی کیلئے سوپ اور بوائل انڈوں کا آرڈر دیا اور خود اس کے پاس آکر بیٹھ گئے' کمبل اس کی گردن تک ڈھک دیا۔

"یا اللہ! مجھے معاف کر دے آئندہ میں ایسا فضول مذاق کبھی نہیں کروں گا' میری عینی کو صحت یاب کر دے"۔ نفیس نے ہاتھ پھیلا کر پُرنم لہجے میں دعا مانگی۔

”امی......ا......می“۔ عینی کو ہوش آ رہا تھا اور وہ امی کو پکار رہی تھی۔

”عینی......! عینی میری جان‘ آنکھیں کھولو پلیز...... مجھے معاف کر دو‘ میں نے تو مذاق کیا تھا‘ مجھے تمہارے ماں بننے کی بہت خوشی ہے۔ پلیز عینی...... آئی ایم سوری“۔ نفیس اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بے قراری سے بھیگے لہجے میں بولے۔

”مت...... چھوئیں مجھے“۔ عینی نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھتے ہی کہا۔

”مت کہو ایسے...... شوہر ہوں میں تمہارا‘ تمہارے بچے کا باپ ہوں“۔

”آپ کے تو دو ہی بچے ہیں ناں“۔ وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ وہ اس کے شانوں کو تھام کر ندامت آمیز لہجے میں بولے۔

”عینی! میں شرمندہ ہوں اپنے مذاق پر‘ تم جانتی ہو کہ میں تمہیں دکھ دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا‘ نجانے کیسے میں نے اتنا سنجیدہ مذاق کر ڈالا‘ آئی ایم سوری عینی“۔

”یہ...... مذاق تھا؟ آپ کا مذاق میری موت پر ختم ہوتا تو آپ کو پتا لگتا‘ کیوں کیا آپ نے مجھ سے ایسا مذاق کیوں کیا؟“ عینی نے ان کا گریبان پکڑ کر روتے ہوئے ان کے سینے پر مکے مارتے ہوئے کہا۔

”کیونکہ میں چیک کرنا چاہ رہا تھا کہ تم کتنی بہادر ہو“۔ انہوں نے اس کے برستے مکوں کی پرواہ کیے بغیر نرمی سے کہا تو وہ ان کے سینے سے لگی روتے ہوئے بولی۔

”نہیں ہوں میں بہادر‘ مجھے آزمائش میں مت ڈالئے گا‘ مجھے اس طرح سے مت آزمائیں نفیس......! میری سانسیں اکھڑنے...... لگتی ہیں“۔

”نہیں جانو! تمہاری سانسیں نہیں اکھڑ سکتیں‘ تم بہادر ہو‘ تم ہر آزمائش کا مقابلہ کر سکتی ہو‘ تم میرے بغیر بھی رہ سکتی ہو“۔ وہ اس کے بالوں کو چوم کر بولے۔

”لیکن میں آپ کے بغیر رہنا نہیں چاہتی“۔

”تو میں کب تمہارے بغیر رہنا چاہتا ہوں میری جان...... میری عینی آئی لو یو سوئٹ ہارٹ۔ میں تم سے عشق کی حد تک پیار کرتا ہوں‘ میرے پیار کے اس انمول تحفے کی آمد کی خبر میرے لئے بہت خوشگوار ہے‘ میں تو دل سے اس خبر کا منتظر تھا اور اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے ایک بار پھر میری محبت کا انعام دینے کا اہتمام کیا ہے اور وہ بھی میری جان عینی کے ساتھ‘ میں بہت بہت خوش ہوں عینی‘ یقین کرو میرا“۔ نفیس نے بہت محبت بھرے لہجے میں کہا‘ ان کا انداز‘ ان کا لہجہ اور الفاظ ان کی دلی کیفیت کی بھرپور عکاسی کر رہے تھے تو بھلا وہ کیسے یقین نہ کرتی؟ اس نے پرسکون ہو کر اپنے آنسوؤں پر بند باندھنا شروع کر دیا۔ نفیس کی پناہوں کا لمس‘ ان کے پیار کا حصار‘ ان کی باتوں کا خمار اسے لمحے بھر میں شانت اور شاداں کر گیا۔

”عینی! ناراض تو نہیں ہو مجھ سے؟“ رات کو جب وہ سونے کیلئے بستر پر آئے تو انہوں نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا‘ ان چند گھنٹوں میں وہ بیسیوں دفعہ اس سے یہ بات پوچھ چکے تھے‘ معذرت کر چکے تھے‘ عینی شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

”آپ بار بار کیوں کر رہے ہیں یہ سوال؟“ عینی نے ان کے چہرے کو محبت سے دیکھا۔

”میں نے حماقت ہی ایسی کی ہے کہ جب بھی مجھے یاد آئے گی مجھے تم سے ندامت محسوس ہو گی اور اپنے آپ پر غصہ آئے گا“۔ وہ اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر نظریں نیچی کیے بولے۔

”نفیس! آپ نے ایسا کچھ نہیں کیا‘ چکر تو مجھے پہلے سے ہی آ رہے تھے‘ طبیعت تو میری صبح سے کافی خراب تھی پھر سارا دن باہر برفیلی ہوا میں چکر لگانے اور ٹھنڈ لگ جانے سے بھی میری حالت خراب ہو گئی‘ اس پر آپ نے جو کچھ جس لہجے اور انداز میں کہا وہ میں ایسی حالت میں کیسے برداشت کر سکتی تھی سو بے ہوش ہو گئی۔ مجھے آپ سے توقع جو نہیں تھی اس رویے کی‘ میرا دل بہت کمزور ہے۔ بہت حساس ہے‘ آپ کی زبان سے ایسی کوئی بات ادا ہوتے نہیں سن سکتی جو میرے پیار اور اعتبار پر شک کے معنوں میں ہو“۔ عینی نے سنجیدگی سے کہا۔

”یہی تو میں سوچ سوچ کر شرمندہ ہو رہا ہوں کہ میں جانتا بھی تھا تمہارا دل بہت نازک ہے‘ اپنے لئے تمہارے جذبات سے بھی آگاہ تھا پھر بھی میں نے وہ فضول بکواس کرنے سے خود کو باز نہیں رکھا۔ رئیلی عینی! میں تو صرف تمہیں ذرا دیر کو مذاق میں ستانا چاہ رہا تھا‘ میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا“۔

”آپ کتنی بار یہ وضاحت کریں گے اب تو مجھے شرمندگی ہو رہی ہے‘ پلیز بھول جائیے یہ باتیں‘ کوئی اور بات کریں“۔ عینی نے محبت بھری نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔ انہیں شرمندہ دیکھنا اس کے لئے کوئی خوشگوار احساس نہیں تھا۔

”ہوں...... بات تو وہی ہو گی‘ عینی! کیا تم خوش ہو؟“

”کس بات سے؟“ عینی نے ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا‘ وہ واقعی ان کی بات کا مطلب نہیں سمجھی تھی‘ تو وہ مطلب سمجھاتے ہوئے بولے۔

”جس بات پر میں نے تمہیں پیار کرنے کی بجائے رلایا ہے‘ ستایا ہے‘ دکھ پہنچایا ہے“۔

”پھر وہی بات نفیس! اب میں خفا ہو جاؤں گی آپ سے اور بات بھی نہیں کروں گی“۔ عینی نے پیار بھری خفگی سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں نہیں یہ مت کرنا سوری اب نہیں کروں گا وہ بات۔ ہاں چلو بتاؤ کیا تم خوش ہو اس خبر سے؟“ نفیس نے اسے اپنے بازوؤں کے حلقے میں لے کر پیار سے پوچھا۔

”بہت زیادہ“۔ عینی نے شرمگیں لہجے میں کہا۔

”میں بھی بہت خوش ہوں‘ اب تمہیں اپنا بہت زیادہ خیال رکھنا ہے‘ میں تمہیں اب کوئی کام نہیں کرنے دوں گا‘ گھر پہنچتے ہی ملازم کو بلا لیا جائے گا‘ آپ بس ہمارا خیال رکھیں گی اور اپنا“۔ نفیس نے خوش ہو کر کہا۔

”واپس کب جانا ہے؟ یہاں تو بہت سردی ہے‘ دو کمبل اوڑھنے سے بھی کم نہیں ہو رہی“۔ عینی نے مسکرا کر کہا۔

”تو میری جان! یہ تیسرا کمبل حاضر ہے‘ اسے اوڑھ لیجیے مجھے یقین ہے کہ آپ کو باقی کے دو کمبل کی ضرورت نہیں رہے گی‘ کیا خیال ہے؟“ نفیس نے بہت شریر اور معنی خیز لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا تو وہ شرم سے تپ کر لال ہو گئی۔

”بہت رومینٹک خیال ہے‘ پرے ہٹیں مجھے گرمی لگ رہی ہے“۔ عینی نے شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے ان کی بانہوں سے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے اور پھر اسے اپنے اندر سمیٹتے ہوئے بولے۔

”تمہیں اس گرمی کی اشد ضرورت ہے مائی سوئٹ ہارٹ“۔ اور عینی سارے دن کی تھکن‘ تکلیف‘ اذیت‘ پریشانی اور آنسوؤں کی برسات بھول کر ان کی محبت بھری پناہوں میں پرسکون ہو کر سو گئی۔



دس دن کے ہنی مون ٹرپ کے بعد وہ واپس کراچی آ گئے۔ پہلا دن تو انہوں نے خوب مزے کی نیند اور آرام کی نذر کیا‘ اگلے دن نفیس اور عینی مٹھائی لے کر ”عظیم ہاؤس“ چلے آئے۔ دونوں کو اچانک سامنے دیکھ کر سب بے حد خوش ہوئے۔

”پھپھو جان! لیں منہ میٹھا کریں‘ یہ مٹھائی ہم مری سے ساتھ لائے ہیں“۔ نفیس نے مٹھائی کا بڑا سا ڈبہ کھول کر ان کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

''بھائی جان! پھر تو یہ مٹھائی برف جتنی ٹھنڈی ہوگی''۔ ردا نے کہا تو وہ ہنس پڑے۔

''لیکن یہ مٹھائی ہے کس خوشی میں؟'' سمیرہ بیگم نے برفی کی ڈلی منہ میں رکھ کر پوچھا۔

''آپ کی عینی کے ''ماں'' بننے کی خوشی میں''۔ نفیس نے عینی کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ شرم سے مسکراتے ہوئے سمیرہ بیگم کے بازو سے لگ گئی۔

''ہرے...... مبارک ہو آپی! قدم جمانے کا اہتمام ہو ہی گیا ناں''۔ ردا نے شوخی سے کہا۔

''چپ شریر''۔ عینی نے اسے گھور کر کہا۔

''جیتی رہو اللہ تمہیں نیک اور صحت مند اولاد عطا فرمائے اور اس کی خوشیاں نفیس میاں کے ساتھ دیکھنا نصیب فرمائے''۔ سمیرہ بیگم نے اس کی پیشانی چوم کر دعا دی تو سب نے با آواز بلند ''آمین'' کہا۔

''نفیس بیٹا! تم تو خوش ہوناں؟'' سمیرہ بیگم نے نفیس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''ارے پھپھو! ایسا ویسا' مجھے تو اس دن کا بڑی شدت سے انتظار ہے جب عینی بے بی کی گود میں اس کا اپنا بے بی ہو گا۔ سچ میں وہ منظر دیکھنے کیلئے بہت بے تاب ہوں' اللہ خیریت سے وہ دن لائے''۔ نفیس نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

''آمین''۔ سمیرہ بیگم نے دل سے کہا۔ عینی کی شرمیلی صورت نفیس کو بہت لطف دے رہی تھی' وہ مسلسل شریر نظروں سے اسے دیکھے جا رہے تھے تو وہ اٹھ کر ردا کے کمرے میں بھاگ گئی تو نفیس نے پیچھے سے آواز لگائی۔

''بیگم صاحبہ! اتنی بھاگ دوڑ اچھی نہیں ہے آپ کیلئے' خیال رکھنا''۔

''توبہ نفیس کو بھی چین نہیں ہے' سب کے سامنے بھی باز نہیں آتے''۔ عینی نے شرمیلی ہنسی ہنستے ہوئے خود کلامی کی۔ اُسی وقت ردا کمرے میں داخل ہوئی اور مسکراتے ہوئے بولی۔

''بہت نکھر گئی ہو آپی! آخر ہنی مون میں ایسا کون سا جادو ہوتا ہے جو مرجھائے چہروں کو کھلا کھلا بنا دیتا ہے اور کھلے کھلے چہروں کو اور بھی تر و تازہ اور شاداب بنا دیتا ہے''۔

''جب تم اپنے شوہر کے ساتھ ہنی مون منانے جاؤ گی تب سب کچھ سمجھ آ جائے گی''۔ عینی نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے شوخی سے کہا۔

''ہائے اللہ آپی! ایسی باتیں نہ کریں مجھے شرم آتی ہے''۔ ردا نے بہت ادا سے کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

☆

گھر آ کر نفیس نے لندن کنول سے بات کرنے کیلئے فون کیا تو فون شان نے ریسیو کیا۔ اس کی آواز سنتے ہی نفیس بہت خوش ہوئے۔ شان سے نفیس کو پتا چلا کہ پرسوں کی فلائٹ سے یہ لوگ آ رہے ہیں لیکن کنول سرپرائز دینا چاہتی ہیں۔

فون بند کر کے عینی سے مخاطب ہوئے اور کنول اور بچوں کی آمد کے بارے میں بتایا۔

''بچے تمہیں بہت پیار کرتے ہیں''۔ نفیس نے اس کے بالوں کو چھیڑتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہماری شخصیت ہی ایسی ہے جناب''۔ عینی نے مسکراتے ہوئے بہت ادا سے کہا۔

''آہا کیا کہنے آپ کی شخصیت کے' کہاں جا رہی ہو؟'' وہ نفیس کے شرارت بھرے لہجے سے ان کے ارادے بھانپ چکی تھی اس لیے اٹھ کر جانے لگی مگر انہوں نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

''سونے جا رہی ہوں''۔ اس نے مسکراتے حجاب آمیز لہجے میں کہا۔

نفیس نے اسے بہت محبت اور نرمی سے اپنی طرف گھسیٹ لیا' وہ ان کی مضبوط بانہوں میں سمٹ گئی اور انہوں نے

اسے اپنے پیار کی چادر میں چھپا لیا۔

جب سے عینی نے کنول اور بچوں کی واپسی کا سنا تھا اس کا دل خوفزدہ سا پریشان سا ہو گیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کنول کو اس حالت میں کیسے فیس کرے گی۔ وہ تو اس پر الزام لگائیں گی کہ وہ ان کے جانے کی منتظر تھی اور ان کے جاتے ہی میدان خالی دیکھ کر نفیس کے پاس چلی آئی۔

''کن سوچوں میں گم بیٹھی ہو' اتنی اچھی کیوں لگتی ہو؟'' نفیس آفس جانے کیلئے تیار ہو رہے تھے تو اسے بھی اپنی نظروں کے حصار میں رکھتے ہوئے بولے تھے۔ اسے یوں گم صم دیکھ کر گنگناتے ہوئے اس کے قریب چلے آئے۔ وہ مسکرادی اور پھر اپنائیت بھرے لہجے میں بولی۔

''نفیس! ایک بات مانیں گے''۔

''آپ کی ہم ہر بات مانیں گے آپ کہہ کر تو دیکھئے''۔ وہ بہت محبت سے بولے۔

''آپ مجھے کنول آپا کے آنے سے پہلے امی کے ہاں چھوڑ آئیں' میں چند دن کیلئے امی کے ہاں رہنا چاہتی ہوں''۔

''کیوں؟'' وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئے' انہیں وہ بہت الجھی الجھی لگ رہی تھی۔

''کنول آپا نجانے کیا سمجھیں کہ میں ان کی موجودگی میں تو میکے چلی گئی تھی اب ان کی غیر موجودگی میں آپ کے پاس آ گئی تو...... بس مجھے نہیں پتا میں انہیں فیس نہیں کر سکوں گی اور جب انہیں پتا چلے گا کہ میں......''

''بات ادھوری کیوں چھوڑ دی؟'' وہ شرارت اور شوخی سے بولے۔

''آپ میری ادھوری بات کا مطلب سمجھ گئے ہیں''۔ وہ شرمیلی مسکان لبوں پر سجا کر بولی۔

''سمجھ تو گئے ہیں لیکن جانو! اس میں پریشان ہونے کی کون سی بات ہے' تم میرے پاس پہلے آ جاتیں یا بعد میں آ گئیں کیا فرق پڑتا ہے' آخر تم میری بیوی ہو اور ہماری محبت اور قربت اگر اس آنگن میں ایک پھول کھلانے کا باعث بن رہی ہے تو اس میں کون سی بری بات ہے' یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔ تمہیں کنول سے شرمندہ ہونے اور خود کو کسی بھی قسم کا دوش دینے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ کنول میری بیوی ہے تو تم بھی میری بیوی ہو' جو حق کنول کا ہے وہی تمہارا بھی مجھ پر ہے پھر بھلا اس میں پریشان ہونے' پشیمان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ کم آن میں تمہیں کسی حالت میں بھی اداس اور پریشان نہیں رکھنا چاہتا۔ مسکراؤ عینی''۔ نفیس نے اس کے گرد اپنا بازو حمائل کر کے بہت پیار سے سمجھایا تو اسے تسلی ہوئی اور وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''پھر بھی مجھے چند دن کیلئے امی کے ہاں رہنے دیں''۔

''صبح سے شام تک کافی نہیں ہے''۔ وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولے۔

''پلیز......'' عینی نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر بہت لاڈ سے کہا تو انہیں اس پر بے اختیار پیار آیا۔

''اچھا ٹھیک ہے مجھے تمہاری خوشی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے' تم سامان پیک کر لینا اپنا''۔

''تھینک یو نفیس! آپ بہت اچھے ہیں''۔ وہ خوش ہو کر بولی۔

''اسی لئے چھوڑ کر جا رہی ہو''۔ وہ پیار سے اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

''اللہ نہ کرے میں کبھی آپ کو چھوڑ کر جاؤں' مر ہی جاؤں گی میں تو آپ کے بغیر۔ میں تو صرف چند دن کیلئے امی کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔ آپ صبح شام مجھ سے ملنے بھی آئیں گے اور مجھے فون بھی کریں گے' پرامس کیجئے''۔ اس نے ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا تو انہیں تین چار سالہ عینی یاد آ گئی' وہ اسی طرح ان سے اپنی بات منوایا کرتی تھی اور وہ اس کی پیشانی چوم کر وعدہ کر لیا کرتے تھے۔

(جاری ہے)

صائمہ خان

افسانہ

تیری چاہ میں

''آج بہت زیادہ گرمی پڑ رہی ہے نا......؟'' منشا نے دوپٹے کے پلو سے چہرے پر آئے پسینے کو صاف کرتے ہوئے کہا ساتھ میں نادیہ سے تائید بھی چاہی۔

''روز ہی ایسی گرمی ہوتی ہے''۔ نادیہ نے بے زاری سے جواب دیا' گرمی نے اسے بھی بے حال کیا ہوا تھا۔

''نہیں یار! مجھے لگتا ہے آج کچھ زیادہ ہی ہے' یقیناً چالیس سینٹی گریڈ تو ہوگا ہی''۔ منشا بولی' دھوپ کی شدت سے اس کی گوری رنگت سرخ ہو رہی تھی۔

''ایک تو ہماری قسمت ہی نا...... باقی لڑکیوں کو کالج سے نکلتے ہی بس مل جاتی ہے اور ہمیں اپنی مطلوبہ بس کے لئے اتنا لمبا چکر کاٹنا پڑتا ہے''۔ نادیہ جھنجلا گئی۔

''میں تو سوچ رہی ہوں کالج سے چند دن کی چھٹی لے لوں''۔ منشا نے خیال ظاہر کیا۔

''تمہارا کیا خیال ہے چند دن میں گرمی ختم ہو جائے گی''۔

''کوئی بات نہیں کچھ روز تو اس چلچلاتی دھوپ اور ٹریفک کے بے ہنگم شور سے نجات مل جائے گی''۔ منشا روڈ پار کرتے ہوئے کہنے لگی' تب ہی اس کی نگاہ ایک سائیڈ پر کھڑے نوجوان پر پڑی' وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''نادیہ! دیکھو تو...... وہ لڑکا آج پھر کھڑا ہے''۔ منشا نے اس کو کہنی مارتے ہوئے بتایا۔ کئی دنوں سے وہ دونوں دیکھ رہی تھیں کہ یہ لڑکا یہاں کھڑا ہو کر انہیں تکتا رہتا ہے' البتہ آج تک اس نے کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کی تھی' شکل سے وہ سلجھا ہوا اور شریف نظر آتا تھا۔

''زہر لگتے ہیں مجھے ایسے چیپ اور چھچھورے لڑکے...... جانے کیا ملتا ہے انہیں یہ سب کر کے''۔ نادیہ نے ناگواری سے کہا۔

''نہیں یار! دیکھنے میں تو اچھا خاصا مہذب نظر آرہا ہے''۔ منشا نے ایک نظر اس پر ڈالی جو اپنی بائیک کے پاس کھڑا بلیک جینز اور لائٹ بلیو شرٹ میں ملبوس دونوں ہاتھ جینز کی جیبوں میں دیئے بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔

''ہاں...... اس طرح سر راہ کھڑے ہو کر لڑکیوں کو گھورنا تو مہذب لوگوں کا کام ہے''۔ نادیہ نے اس پر طنز کیا۔

''پھر بھی...... اس نے آج تک کوئی غلط حرکت تو نہیں کی نا''۔ جانے کیوں منشا اس کی حمایت کر رہی تھی۔

''خیریت تو ہے' اس کی بہت سائیڈ لے رہی ہو......؟'' نادیہ نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ منشا جھینپ گئی۔

''میں تو ایک عام سی بات کر رہی تھی''۔

''دیکھنے میں تو وہ واقعی میں ہیرو لگتا ہے کہیں تم اس سے زیادہ ہی امپریس تو نہیں ہو گئیں''۔ نادیہ نے پرسوچ لہجے میں کہا۔

''تم بھی نا اول فول ہی بکتی رہنا' بھلا میں کیوں راہ چلتے کسی سے امپریس ہونے لگی''۔ منشا نے خفگی سے اسے گھورا۔

اس نے نادیہ کو تو جھٹلا دیا مگر اسے خود پر حیرت تھی' وہ بھی نادیہ کی طرح تھی' جہاں میں کسی کو اپنی جانب دیکھتے ہوئے پایا اس کا غصہ سے برا حال ہو جاتا تھا' مگر اب کے بار ایسا نہیں ہوا' وہ نوجوان کئی روز سے بس اسٹاپ پر کھڑا ہو کر اسے دیکھتا رہتا اور منشا کو کبھی غصہ نہیں آیا بلکہ اب تو ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اس کی نظروں کی عادی ہو گئی ہو' جس کا یقین بھی اسے جلد ہی ہو گیا' اس روز وہ اسے نظر نہیں آیا تب اس کی بے چین نگاہیں بڑی بے قراری سے اسے ڈھونڈنے لگیں۔ روز یہاں موجود رہنے والا آخر آج کیوں نہیں آیا؟ دل میں طرح طرح کے وسوسے سر ابھارنے لگے' اس کی بے چینی کو نادیہ نے فوراً ہی نوٹ کر لیا۔

''کیا ہوا منشا...... کیا دیکھ رہی ہو......؟''

''کچھ نہیں...... بس ایسے ہی''۔ وہ کچھ گھبرا سی گئی پھر کچھ توقف کے بعد بولی۔

''آج وہ لڑکا نظر نہیں آرہا''۔

''ہوں...... تو یہ بات ہے''۔ نادیہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

''کوئی بات نہیں ہے' تم نے تو ہر بات کو غلط رنگ ہی دینا ہے''۔ منشا نے ناراضگی سے کہا وہ اب دل کی بات ماننے کو تیار نہ تھی۔



''چلو' جلد ہی دیکھ لیں گے''۔ نادیہ نے شوخ لہجے میں کہا' جواباً وہ اسے گھور کر رہ گئی۔ اس روز منشا بے حد مضطرب اور بے چین رہی' اگلے دن اسے اپنی جگہ پر موجود دیکھ کر اسے اطمینان نصیب ہوا۔

دن گزرتے گئے وہ بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ وہاں کھڑا ہو کر اسے تکتا رہتا' منشا کبھی تو بالکل انجان بن کر گزر جاتی' تو کبھی ایک آدھ نظر اس پر ڈال دیتی' یوں لگتا تھا جیسے وہ اس ایک نظر کے لئے ہی خود کو اس تپتی دھوپ میں ہلکان کیا کرتا تھا۔

☆

اس روز منشا کالج آئی تو کھوئی کھوئی اور قدرے پریشان سی تھی' یہ بات نادیہ نے بھی محسوس کی۔

''کیا ہوا منشا! تم کچھ پریشان سی لگ رہی ہو''۔ آخر کار نادیہ نے پوچھ ہی لیا۔ منشا نے ایک گہری سانس لی اور بتایا۔

''امی' ابو میرا رشتہ طے کرنا چاہتے ہیں''۔

''ارے واہ...... یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے' پھر تم اداس کیوں ہو......؟'' نادیہ ایکسائیٹڈ ہو گئی۔

''کیونکہ میں فی الحال منگنی نہیں کرنا چاہتی''۔ اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

''لیکن کیوں......؟'' نادیہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

''لڑکا کیسا ہے...... کوئی خرابی ہے اس میں......؟''

''میں نے اسے نہیں دیکھا' البتہ سب گھر والے اس کی بہت تعریف کر رہے تھے''۔ وہ بتانے لگی۔

''تو پھر تمہیں کس بات کا اعتراض ہے جب اچھا خاصا رشتہ مل رہا ہے تو پھر ناشکری کرنے کی کیا ضرورت ہے اور بنا دیکھے تم اسے ری جیکٹ کیسے کر سکتی ہو''۔ نادیہ متفکر ہوئی۔

''بس یار! میں ابھی منگنی کرنا ہی نہیں چاہتی''۔ اس نے لاپروائی سے کہا۔

''مگر کیوں......؟'' نادیہ کی حیرانی کسی طور پر کم نہیں ہو رہی تھی۔

''مجھے نہیں پتا''۔ اس نے جان چھڑانی چاہی۔

''پتا تو تمہیں بہت اچھی طرح ہو گا اور بتائے بغیر میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں' اس لئے شرافت سے بتا دو کہ وجہ کیا ہے''۔ نادیہ بھی سچ سننا چاہتی تھی۔ منشا چند لمحے اسے دیکھتی رہی جیسے سوچ رہی ہو کہ اسے بتائے یا نہیں' لیکن وہ جانتی تھی کہ اتنی آسانی سے نادیہ اس کی جان بخشنے والی نہیں ہے' اسے بتاتے ہوئے بھی ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں نادیہ مذاق نہ اڑائے۔

''نادیہ! وہ بس اسٹاپ پر جو لڑکا کھڑا ہوتا ہے نا...... پتا نہیں کیوں دل نہ چاہتے ہوئے بھی اسی کے بارے میں سوچنے لگا ہے''۔ بالآخر اس نے ڈرتے ڈرتے اعتراف کر ہی لیا۔

''کیا......؟'' مارے حیرت کے نادیہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا' وہ شرمندہ شرمندہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی' اسے ایسے ہی ری ایکشن کی امید تھی۔

''تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو......؟ اس آوارہ لڑکے کے لئے تم اتنا اچھا رشتہ گنوا رہی ہو''۔ نادیہ نے اس کی عقل پر ماتم کرتے ہوئے کہا۔

''آوارہ تو مت کہو اسے......'' اس نے برا منایا۔

''کیوں نہ کہوں...... میں ایسے سڑک چھاپ لڑکوں کو اچھی طرح جانتی ہوں اور تم...... تم تو بہت ڈینگیں مارتی تھیں اب کیا ہوا جو اس کے عشق میں مبتلا ہو گئی ہو''۔ نادیہ نے اسے اچھی طرح جھاڑ پلائی۔

''میں کسی سے عشق وشق نہیں کرتی' میں نے صرف اتنا کہا ہے کہ شاید میں اسے پسند کرنے لگی ہوں''۔ اسے اب بھی اپنے دل کی حالت کا ٹھیک طرح سے اندازہ نہیں تھا۔

''کس بات پر تم اسے پسند کرتی ہو' اس لئے کہ وہ ہینڈسم ہے گڈ لکنگ ہے مگر اچھی صورت ہی سب کچھ نہیں ہوتی اور ضروری نہیں کہ وہ تمہارے لئے سیریس بھی ہو' ویسے بھی آج تک تو اس نے تم سے کوئی بات کرنے کی کوشش تو کبھی کی ہی نہیں''۔ نادیہ کی بات سن کر وہ لاجواب سی ہو گئی پھر بے بسی سے بولی۔

''تم میری فیلنگ کو سمجھ نہیں رہی ہو''۔

''میں تمہارے احمقانہ فیلنگ کو اچھی طرح سمجھ رہی ہوں' دیکھو منشا! اگر تمہیں وہ رشتہ پسند نہیں تو بے شک انکار کر دو لیکن اگر تم محض اس انجان شخص کے لئے انکار کر رہی ہو جسے تم جانتی بھی نہیں' جس سے تمہاری کبھی بات تک نہیں ہوئی تو یہ سراسر بے وقوفی ہو گی''۔ نادیہ نے سمجھایا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگی اس کے پاس واقعی کہنے کے لئے کچھ نہیں تھا کوئی دلیل نہیں تھی۔

☆

گھر والوں کے بھرپور دباؤ اور نادیہ کے سمجھانے کا اس پر خاطر خواہ اثر ہوا اور وہ رضامند ہو گئی لڑکے والوں کو شادی کی جلدی تھی چونکہ اس کے فائنل ایگزام قریب تھے اس لئے شادی ایگزام کے بعد طے پائی' اتوار کو وہ لوگ آئے اور اسے صائم کے نام کی انگوٹھی پہنا دی' گھر میں سب ہی صائم کی تعریفیں کرتے نہ تھکتے' خاص طور پر آپی...... وہ تو صائم سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہو گئی تھیں' ہر وقت اس کے قصیدے پڑھتی رہتیں اور اسے چھیڑتیں مگر منشا ان سب باتوں سے لاتعلق سی بن گئی تھی۔

☆

''ایک منٹ رکیے...... مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے''۔ اس روز منشا اور نادیہ کالج سے آ رہے تھے جب اسی نوجوان نے پہلی بار ان کا راستہ روک کر بے حد شائستہ لہجے میں کہا۔ پل بھر کو منشا دنگ رہ گئی اور بے اختیار اسے دیکھنے لگی' جس کے بولنے کا اس نے اتنا انتظار کیا اس نے چپ توڑی بھی تو کب...... جب اس کے نام کے ساتھ کسی کا نام جڑ گیا' جب وہ کسی اور کی ہونے جا رہی تھی' اس وقت منشا کو اس پر بے پناہ غصہ آیا' اس نے سخت لہجہ اپناتے ہوئے کہا۔

''ہمیں آپ سے کوئی بات نہیں کرنی''۔

''بہت دیر کی مہرباں آتے آتے''۔ نادیہ ہولے سے بڑبڑائی مگر منشا نے اس کی بات سن لی اور اسے خشمگیں نظروں سے گھورا۔

''پلیز تھوڑی سی بات کر لیں''۔ اپنی خوبصورت ساحرانہ آنکھوں میں امید لئے اس نے بڑی بے چارگی سے ریکویسٹ کی۔

''آپ پلیز...... ہمارا راستہ چھوڑیں''۔ اس نے بڑی بے رخی سے کہا اور نادیہ کا ہاتھ پکڑ کر تیزی کے ساتھ وہاں سے جانے لگی۔ منشا نے کسی حد تک دل کو سمجھا لیا تھا' مگر اس نوجوان نے آج پھر اسے بے چین کر دیا تھا وہ اس کے بارے میں ہی سوچے جا رہی تھی۔

''اچھا ہی ہوتا اگر وہ آج بھی بات نہ کرتا' کم از کم دل میں یہ کسک تو نہ اٹھتی''۔ اس نے اداسی سے سوچا' وہ چاہ کر بھی اس کا خیال ذہن سے نکال ہی نہیں پا رہی تھی' آنکھوں میں بار بار آنسو امڈتے چلے آ رہے تھے' جنہیں وہ بڑی بے دردی سے اپنے ہاتھوں سے صاف کر دیتی' کالج سے آنے کے بعد اس نے کچھ کھایا بھی نہیں اور اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔

شام کو آپی کے بار بار آوازیں دینے پر اس نے دروازہ کھولا' منیب بھائی آفس کے کسی کام سے دو تین دن کے لئے اسلام آباد گئے ہوئے تھے' اس لئے آپی یہاں رہنے کے لئے آ گئی تھیں' منشا خود کو نارمل ظاہر کرتے ہوئے نیچے آ گئی' آپی کچن میں تھی' وہ بھی وہیں پر آ کر فریج سے پانی کی بوتل نکال کر پانی پینے لگی۔

''منشا! تمہارے سر کا درد کیسا ہے......؟'' آپی نے پوچھا۔

''میرے سر کا درد......'' وہ چونکی پھر یاد آیا کہ اس نے دوپہر میں اپنے موڈ کی خرابی کی یہی وجہ بتائی تھی۔

''اب ٹھیک ہے''۔ اس نے جلدی سے کہا۔

''تم نے تو دوپہر میں کچھ کھایا بھی نہیں' تم بیٹھو میں تمہارے لئے کھانا گرم کرتی ہوں''۔

''نہیں آپی! مجھے کوئی خاص بھوک نہیں' میں چائے کے ساتھ کچھ لے لوں گی''۔ اس نے منع کر دیا اس پل

بیل بج اٹھی، منشا نے پانی کی بوتل میز پر رکھی اور دروازہ کھولنے کے لئے اٹھی۔

دروازہ کھول کر سامنے نگاہ پڑتے ہی بے اختیار اس کے منہ سے چیخ نما آواز نکلی۔

''تم......'' اس کے ردعمل پر وہ ٹپٹا گئی۔

''و......وہ......میں......'' مارے بوکھلاہٹ کے وہ کچھ کہہ ہی نہیں پایا۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے گھر آنے کی''۔ منشا کا تو یہ سوچ کر ہی غصے سے برا حال ہو رہا تھا' یا تو آج تک بات نہیں کر رہا تھا اور اب گھر بھی پہنچ گیا' اس سے پہلے کہ وہ اسے خوب کھری کھری سناتی اسے اپنی پشت پر سے آپی کی آواز سنائی دی۔

''ارے صائم! تم......'' یہ سنتے ہی وہ ششدر رہ گئی' یہ کیا کہہ رہی تھیں آپی......؟ کیا یہ واقعی صائم تھا' وہی صائم جس سے اس کی منگنی ہوئی تھی' آنکھوں میں بے پناہ حیرت لئے اس نے صائم کی جانب دیکھا' اس کے چہرے پر دھیمی سی مسکان پھیلی ہوئی تھی آپی کو دیکھ کر ہی اس نے اطمینان کی سانس لی تھی ورنہ اسے تو ایسا ہی لگ رہا تھا کہ منشا آج اسے باہر سے ہی چلتا کر دے گی۔

''منشا! صائم کو اندر آنے دو''۔ آپی نے اسے گھر کا' وہ چونکی اور جلدی سے سامنے سے ہٹ گئی۔

''صائم! تم بیٹھ کر منشا سے باتیں کرو' میں امی کو بلا کر لاتی ہوں''۔ آپی کہہ کر وہاں سے چلی گئیں۔

چند لمحوں تک وہ دونوں ہی خاموش رہے پھر صائم نے اس خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔

''آپ شاید اس لئے ناراض ہیں کہ میں نے صبح آپ کا راستہ روکا' اس کے لئے میں آپ سے سوری کرتا ہوں''۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں''۔ اس نے جلدی سے کہا۔

''تو پھر......؟'' صائم نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا جو سر جھکائے لب بھینچے بہت مضطرب دکھائی دے رہی تھی۔

''کہیں اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ میں نے آپ سے پوچھے بغیر رشتہ بھیج دیا''۔ وہ خود سے اندازہ لگاتے ہوئے بولا۔

''میں نے کہا نا...... ایسی کوئی بات نہیں ہے' وہ تو بس مجھے رستے میں کھڑے ہو کر باتیں کرنا پسند نہیں اس لئے......'' اس نے شرمندہ لہجے میں بہانہ گھڑا۔ بھلا وہ اسے کیسے بتاتی اگر اس کی تصویر دیکھ لیتی تو اتنے دنوں تک مفت کی ٹینشن سر پر سوار نہ ہوتی' آپی نے منگنی سے پہلے ہی اسے صائم کی تصویر دے دی تھی' جسے اس نے غصے سے بنا دیکھے ہی دراز میں ڈال دی تھی۔

''آپ اس رشتے سے خوش تو ہیں نا......؟'' اس کی من موہنی صورت کو والہانہ انداز میں تکتے ہوئے صائم نے پوچھا' یہ سن کر اس نے پلکیں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا' وہ بڑی بے تابی کے ساتھ پر امید نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا' اس کی نگاہیں حیاء کے بوجھ سے خود بخود جھک گئیں' چہرے پر جیسے قوس قزح کے رنگ بکھر گئے' اس نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ صائم جیسے کھل اٹھا۔

''تھینکس گاڈ...... میں تو ڈر ہی گیا تھا' وہ لڑکی جس کے لئے میں آفس میں سارا دن لنچ کا انتظار کیا کرتا کہ جیسے ہی لنچ بریک ہو' میں اس کی ایک جھلک کے لئے دیوانہ وار دوڑ پڑوں' اور اگر وہ ہی مجھے رجیکٹ کر دیتی تو...... میرے لئے تو یہ سوچ ہی سوہان روح تھی''۔ وہ اپنی ہی دھن میں بولتا جا رہا تھا خوشی جیسے اسکے انگ انگ سے چھلک رہی تھی۔

دوسری جانب منشا کا حال بھی مختلف نہیں تھا' صائم کی باتیں سن کر اس کی روح تک سرشار ہو گئی تھی' اس کے چہار سو گویا خوشیوں کے رنگ بکھر گئے' زندگی میں اتفاقات ہوتے رہتے ہیں مگر اتنے حسین اور خوبصورت اتفاق بھی ہوتے ہیں یہ آج اس نے پہلی بار جانا تھا۔

☆



اے چشم تر آہستہ آہستہ

اے چشم تر آہستہ آہستہ
اے عمرِ رواں تو ٹھہر ذرا
کس ہجر کے موسم کی بات کروں
وہ خواب جو ہجر کے موسم میں
بیت گئے
ہر سال نیا شجرِ جاں کے موسم میں
کچھ دے کر گیا کچھ لے کر گیا
اے چشمِ تر آہستہ آہستہ
اے عمرِ رواں اوراق پلٹ
وہ ساری پرانی یادوں کے
اوراق پلٹ
وہ لمحے وہ سارے موسم
جو بیت گئے پلکوں کے انبار تلے
اے عمر رواں اب ٹھہر ذرا
پھر ذکر ہے پرانی باتوں کا
کچھ راز ہے میرے خوابوں کے
تنہائی میں تجھ سے کچھ کہنا ہے
وہ صدیاں جو بیت گئیں
وہ لمحے جو ہم سے روٹھ گئے
اے عمرِ رواں حساب تو رکھ
کیوں ذات ادھوری لگتی ہے
کیوں خواب سارے بچھڑ گئے
تو چشم تر سے کہہ تو سہی
سبز سنہرے پھولوں پر
کیوں تتلی پلٹ کر آئی نہیں
کس دیس نکل گئے لوگ میرے
جو رگِ جاں سے قریب تھے
اے عمرِ رواں یہ سال بھی بیت گیا
شجرِ جاں کو تو آباد کرے گا
یا کسی ابرِ وصال کی بارش میں
بھیگے ہوئے کسی خنک موسم میں
تو ہاتھ پکڑ کر ڈھونڈے گا
وہ لوگ جو ہم سے بچھڑ گئے
کیا ان کی خبر تو لائے گا
اے عمرِ رواں اک بار ذرا
میرے قرب میں آباد کسی لمحے کو
لکھ تو سہی
قریہ جاں کے موسم میں پھر کتنے دکھ ملیں گے
اے عمرِ رواں لوٹ کر پھر آنا
کوئی خبر' کوئی گیت نیا میرے شہر میں تم لانا
سنگ موسم کی دید نظر کا کوئی لمحہ لوٹا دینا
اے عمرِ رواں ٹھہر ذرا
اے چشمِ تر آہستہ آہستہ
پھر دیکھ پلٹ کر
جنوری لوٹ آئی ہے

صالحہ محمود

استقبالِ سالِ نو

اے سالِ نو
تیرا خیر مقدم
کرنے سے پہلے
پلٹ کر ذرا دیکھ لوں
ذرا سوچ لوں کہ
الوداع کہتا سال شب و روز سمیٹے
زندگی کی ہتھیلی پر رکھتا جا رہا ہے
وہی اَن گنت سوال
جن کے جواب پچھلے برس بھی
ڈھونڈتے' ڈھونڈتے
دسمبر کی آخرِ شب میں
خواب آزردہ ہی رہے
روح کی گہرائیوں میں
درد اترتے رہے
دلِ شکستہ آس و امید کی بانہیں تھامے
سسکتا ہی رہا
ہتھیلی پر بکھرے سوال سر پٹختے رہے
اور آنکھیں پُر ملال
اس برس بھی
بند کتابوں میں کلیاں چیختی رہیں
کئی چاند چڑھے مگر
چاندنی پُر سوگ رہی
ستاروں کے جھرمٹ دھند میں گم رہے
کوئی ہمدم' کوئی مہربان
کسی ہم نشیں کی تلاش میں
رہے دربدر
آبلہ پا' خستہ حال
اس برس بھی ظلمتوں کی تیرگی میں
لمحوں کی سینہ کوبی
ہر سو چیخ و پکار رہی
طوفانِ گھن گرج
ماتم کدہ آشیاں پر
بربریت کی گھٹاؤں میں
امن کا سورج کب طلوع ہوگا......؟
سوال تھا کہ خواب و خیال
ہاں' مگر
اس جاتے برس سے یہ وعدہ ہے
یقین و گماں کے درمیاں
ہچکولے بھرتی امیدیں
ڈوبنے نہ دیں گے
اے گلے ملتے نئے سال
میری چشم تر کا تو نہ کر ملال
صبح نور میں ہوگا
تیرا پُر عزم استقبال
ہم امیدوں کو دیں گے نیا اُجال
تیرے شب و روز میں
پھولوں کے کنج سجائیں گے
سکھ نہ ہوں گے محال
اے سالِ نو!
تو نے بھی بس زندگی کی ہتھیلی پر
بکھیرنے ہیں گلال
نہ رکھنا کوئی سوال
تیری آمد' خوش آمدید
مگر
نہ پوچھنا کوئی سوال
نہ رکھنا کوئی سوال

نائلہ طارق

نیا سال مبارک

میں نے چاہا اس دن پہ ایسا تحفہ تیری نظر کروں
جسے تو عمر بھر یاد رکھے
پھر ایک لمحے کی سوچ نے میرے ہاتھ بلند کیے
کچھ لفظوں کے پھول' دعاؤں کے پنچھی
دل کی گہرائیوں سے آزاد کیے کہ!
آنے والے موسموں میں غم کی گھٹائیں
کبھی تیرے قریب نہ آئیں
تیری آنکھوں کے جگنو سدا چمکیں
خدا تیرا دامن ہمیشہ مسرتوں سے ہمکنار کرے
کبھی جو تو! زندگی کی کڑی دھوپ میں
ڈھلتی عمر کی شام میں پلٹ کر دیکھے
تو بہت سی خوش رنگ یادیں
گلاب لمحوں کی دلفریب باتیں
بیتے لمحوں کی چاندنی تیرے دل کو بہار کر دے
تو ہر گزرتے لمحے سے پیار کرے
اور خدائے لم یزل
تیری عمر دراز کرے......

ناصر عباس

نئے سال کی "دعا"

اگر میرے حقیر لفظ
کسی کی زندگی کو تاباں کر سکتے ہیں
اگر میرا معمولی سا گیت
کسی کا بوجھ ہلکا کر سکتا ہے
تو خدا کرے ہوا وہ میرا گیت اڑا کر
کسی ایسی وادی میں لے جائے
جہاں وہ ہر وقت گونجتا رہے
اگر میری طرف سے ہلکی سی مسکان
پیار بھرے الفاظ کا اظہار
کسی کی زندگی میں مٹھاس بھر سکتا ہے
اگر میری تھوڑی سی توجہ
کسی دوست کے غم کا مداوا بن سکتی ہے
تو اے میرے رَب کریم
اے میرے خدا
مجھے محبت بخش دے (آمین)

فرزانہ شوکت

اب کے برس کچھ ایسا کرنا

اب کے برس کچھ ایسا کرنا......
اپنے گزرے بارہ ماہ کے دکھ سکھ کا اندازہ کرنا
بسری یادیں تازہ کرنا
سادہ سا ایک کاغذ لے کر بھولے بسرے پل لکھ لینا
اپنے سارے کل لکھ لینا
پھر اس بیتے ایک ایک پل کا
اپنے گزرے ایک ایک کل کا
ایک ایک موڑ احاطہ کرنا
سارے دوست اکٹھے کرنا
ساری صبح حاضر کرنا' ساری شامیں واپس بلانا
سارے موسم دھیان میں رکھنا پھر محتاط قیاس لگانا
اگر جو خوشیاں بڑھ جاتی ہیں
تو تم کو میری طرف سے آنے والا سال مبارک!
اور اگر غم بڑھ جائیں تو مت بے کار تکلف کرنا
دیکھو پھر تم ایسا کرنا
میری خوشیاں تم لے لینا
مجھ کو اپنے دکھ دے دینا
اب کے برس کچھ ایسا کرنا
اب کے برس کچھ ایسا کرنا......

افشاں علی

صدف سعد

ردا کی ڈائری

حمیرا علی کی ڈائری سے

آصف بشیر انجم کی نظم

نئے سال کا پہلا دن

نئے سال کی چوکھٹ پر
ایک نوعمر گڑیا
اپنی نوعمر خواہشات
نوجوان جذبوں
اور تند اُمنگوں کے ساتھ
ہوا کے رُخ پر
ہتھیلی پہ چراغ رکھے منتظر ہے
گڑیا کے ہاتھ نیلے پڑ چکے ہیں
لیکن وہ منتظر ہے
جنوری کی سرد ہواؤں نے
اس کے ہونٹ برف کر دیے ہیں
مگر پھر بھی وہ ہونٹ وا ہیں
خوش آمدید کہنے کے لیے
اُن خوشیوں کو
جن کی امید
نئے سال کے پہلے دن سے شروع ہو کر
گزرے سال کے آخری دن تک
رہے گی۔۔۔

بشریٰ طارق کی ڈائری سے

اختر ملک کی نظم

اب کے سال کچھ ایسا کرنا

اب کے سال کچھ ایسا کرنا
اپنے پچھلے بارہ ماہ کے
دکھ سکھ کا اندازہ کرنا
بسری یادیں تازہ کرنا
سادہ سا اک کاغذ لے کر
بھولے بسرے پل لکھ لینا
اپنے سارے کل لکھ لینا
پھر اس بیتے اک اک پل کا
اپنے گزرے اک اک کل کا
اک اک موڑ کا احاطہ کرنا
سارے دوست اکٹھے کرنا
ساری صبحیں حاضر رکھنا
ساری شامیں پاس بلانا
اور علاوہ ان کے دیکھو
سارے موسم دھیان میں رکھنا
اک اک یاد گمان میں رکھنا
پھر محتاط قیاس لگانا
گر تو خوشیاں بڑھ جاتی ہیں
تو پھر تم کو میری طرف سے
آنے والا سال مبارک
اور اگر غم بڑھ جائیں تو
مت بیکار تکلف کرنا
دیکھو پھر تم ایسا کرنا
میری خوشیاں تم لے لینا
مجھ کو اپنے غم دے دینا
اب کے سال کچھ ایسا کرنا

سعدیہ عابد کی ڈائری سے

ارشد ملک کی نظم

کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں
جو دور افق پر رہتے ہیں
وہ لوگ جو میرے اپنے تھے
کیوں ہنستے ہنستے روٹھ گئے
تڑپاتے ہیں مسکاتے ہیں
کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں
اک روز میں یونہی شام ڈھلے
بس تنہا تنہا بیٹھا تھا
تب چاند مجھے الجھا سا لگا
مجھ سے آخر یہ کہنے لگا
معلوم ہے کچھ تم کو ارشد
وہ لوگ جو میرے اپنے تھے
کیوں مجھ سے آخر روٹھ گئے
میں ہر شب ڈھونڈتا رہتا ہوں
پر مشکل ہے تڑپاتے ہیں، مسکاتے ہیں
کچھ لوگ بہت یاد آتے ہیں

زینیا چوہدری کی ڈائری سے

نامعلوم شاعر کی نظم

نیا سال

نیا سال آیا ہے
ویران صبحوں کی نیلی تہوں سے اُبھرتا
خیابان و دشت جبل کی ٹھٹھرتی خموشی میں برفیلی
سیٹی بجاتا دبے پاؤں
یخ آلود شاموں کی خاموشیاں
اس کے قدموں کی آہٹ سمیٹے
گزرگاہوں پر سائبانوں میں نوحہ کناں
در آتی ہے شب کی دریچوں درزوں
پُرشور جھونکوں کی بے مہر ٹھنڈک
برودت زدہ پانیوں پر پرندے
کناروں پر ایستادہ پیڑوں کی نمناک شاخوں کی
جانب اڑے جا رہے ہیں
مکین آنگنوں میں، چھتوں پر
دھڑکتے دلوں میں ہزاروں
خیالوں کی شمعیں جلائے
دبے پاؤں آتے ہوئے
سالوں کو دیکھتے ہیں

☆☆☆☆

اشعار

صنوبر خرم .... کمالیہ

سالِ نو میں گلاب ڈھیروں کھلانے ہیں
روٹھے ہوئے دوست سارے منانے ہیں
بند آنکھوں میں جو چبھ رہے ہیں ریت کی طرح
پلکوں کو کھول کر آنسو سارے گرانے ہیں

سیدہ امبر اختر .... چنڈی پور

جانے کیسے جیتے ہیں لوگ یادوں کے سہارے محسنؔ
میں تو کئی بار مرتا ہوں اک یاد آنے پر

دھنک ناز .... کراچی

یہ سال بھی اداس رہا روٹھ کر گزر گیا
انہیں ملے بغیر دسمبر گزر گیا

روشنی فاطمہ .... کراچی

کچھ اجنبی سے لوگ تھے' کچھ اجنبی سے ہم
دنیا میں ہو نہ پائے شناسا کسی سے ہم
رہتی ہے انجم اک زمانے سے گفتگو
کرتے نہیں کلام بظاہر کسی سے ہم

سباس گل .... رحیم یار خان

ساری دنیا کو بھول سکتی ہوں
میں میری جان اک تیری خاطر

ثمن خان .... سکھر

اے کاش یہ نیا سال خوشیوں کی نوید لائے
اس ملک کے ہر شہری کو یہ سال راس آئے
نہ سانحہ کوئی' اب نہ اجڑے کوئی گھر
نئے سال کا ہر لمحہ پیغامِ امن لائے

فرزانہ شوکت .... کراچی

فراق یار کے لمحے گزر ہی جائیں گے
چڑھے ہوئے ہیں جو دریا اتر ہی جائیں گے
تو میرے حال پریشان کا کچھ خیال نہ کر
جو زخم تو نے لگائے ہیں بھر ہی جائیں گے

ثنا خان صنعا .... ملتان

وہ نئے سال میں ملا بھی تو سرسری اب کے
اداس کر گئی پہلی ہی جنوری اب کے

مسز ریما نور رضوان .... کراچی

انگلیاں ٹوٹ گئیں پتھر تراشتے تراشتے فرازؔ
اور جب بن گئی صورتِ یار تو خریدار آ گئے

سیدہ امبر ہاشمی .... کراچی

زندگی سے یہی گلہ ہے مجھے
تو بہت دیر سے ملا ہے مجھے
تو محبت سے کوئی چال نہ چل
ہار جانے کا حوصلہ ہے مجھے

زویا خان .... اشرف نگر

لوگ تو مجبور ہیں پتھر تو ماریں گے ضرور
کیوں نہ شیشوں سے کہا جائے کہ ٹوٹا نہ کرو

طوبیٰ رضا .... بہاولپور

ہمیں تو عمر کرنی ہے بسر رنج و ملال میں
خدا کرے وہ خوش آباد رہے نئے سال میں

سعدیہ عابد .... کراچی

وہ مجھ سے مانگنے آیا تھا ماہ و سال میرے
چھلک پڑیں میری آنکھیں سوال ایسا تھا

اس ماہ میں

اس ماہ کا اقتباس

کافی:

سچ عرض کرتا ہوں کہ میں کافی کی تندہی اور تیزی سے نہیں گھبراتا۔ بچپن ہی سے یونانی دواؤں کا عادی رہا ہوں' اور قوت برداشت اتنی بڑھ گئی ہے کہ کڑوی سے کڑوی گولیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا لیکن کڑواہٹ اور مٹھاس کی آمیزش سے جو معتدل قوام بنتا ہے وہ میری برداشت سے باہر ہے۔ میری انتہا پسند طبیعت اس میٹھے زہر کی تاب نہیں لا سکتی لیکن وقت یہ آن پڑتی ہے کہ میں میزبان کے اصرار کو عداوت اور وہ میرے انکار کو تکلف پر محمول کرتے ہیں لہٰذا جب وہ میرے کپ میں شکر ڈالتے وقت اخلاقاً پوچھتے ہیں۔

"ایک چمچ یا دو؟"

تو مجبوراً ہی گزارش کرتا ہوں کہ میرے لیے شکر دان میں کافی کے دو چمچ ڈال دیجیے۔

مشتاق احمد یوسفی کی "چراغ تلے" سے

انتخاب: سیما...... ملتان

اس ماہ کی کرنیں

☆ علم کی سب سے اہم اور خوبصورت بات یہ ہے کہ کوئی اسے تم سے چھین نہیں سکتا۔

☆ وہ شخص جو پوچھنے سے گھبراتا ہے اس کی تعلیم ناقص رہ جاتی ہے۔

☆ مشکلات کو مجبور کرنے کا سب سے بہترین طریقہ ٹیم ورک ہے۔

☆ دوست تو سردیوں کی دھوپ کی طرح ہوتے ہیں۔ جتنی پرانی دوستی اتنی تیز دھوپ۔

☆ تم سنجیدہ بنو لیکن تلخ مزاج نہ بنو۔

☆ زندگی ایک خوبصورت تتلی کی مانند ہے' جس کو پکڑنے سے سارے رنگ ہاتھوں کو لگ جاتے ہیں۔

☆ بے وقوف دوست سے عقلمند دشمن بہت بہتر ہے۔

☆ شرافت سے زیادہ دنیا میں کوئی طاقتور شے نہیں۔

☆ عبادت میں اگر خلوص نیت نہ ہو تو وہ تجارت بن جاتی ہے۔

☆ ندامت کا اظہار محض لفظوں کا محتاج نہیں' یہ رویوں سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔

رابعہ فاطمہ...... لاہور

اس ماہ کی غزل

کچھ تو گزر رہا تھا خزاں کے عذاب سے
کچھ دشمنی ہوا کو تھی میرے گلاب سے
کیا کیا رفاقتیں ہیں جو لپٹی ہیں ذہن سے
چہرے ہیں کتنے جاگتی آنکھوں میں خواب سے

وہ جس سے رابطہ بڑا مضبوط تھا مرا
سچ ہے وہ شخص کم تو نہیں تھا سراب سے
یہ اعتراف ہے کہ محبت بھی اُس سے تھی
میں جس کو دیکھتی تھی اَنا کے نقاب سے
افشاں ہر اک آنکھ کا کھلنا نہیں نصیب
پائے ہیں تو نے رتجگے اُس کی جناب سے

ناصر عباس...... کراچی

اس ماہ کی نظم

''وشنگ کارڈ''

میرے پاس چند کارڈ ہیں
''وشنگ کارڈ''
علیحدہ علیحدہ موقعوں پر ملنے والے
علیحدہ علیحدہ لوگوں سے ملنے والے
کسی متاع کی طرح
میں نے سنبھال رکھے ہیں
انہی میں جیسے میرے
ماہ وسال رکھے ہیں
بہت سے دوست جنہیں یاد بھی نہیں ہوگا
نہ میرا نام' نہ چہرہ' نہ میرے گھر کا پتا

حمیرا علی...... کراچی

اس ماہ کا شعر

ہم جو افلاک پہ پہنچے بھی' تو کیا ہاتھ آیا
ہاں مگر خاک جو چھانی تو خدا ہاتھ آیا

شاعر: احمد ندیم قاسمی

انتخاب: نائلہ اسحاق...... لاہور

اس ماہ کا افسانچہ

جب میری نظر اس پر پڑی تو میں حیران پریشان چند ثانیوں تک اسے دیکھتا رہ گیا کیونکہ وہ بڑی محبت و چاہت سے آنکھوں میں ہزاروں امیدیں' ہزاروں ارمان لیے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا ''کیا اسے الہام ہو چکا ہے کہ اب یہ تھوڑی ہی دیر میں میری ہوجائے گی جو اتنی چاہت سے مجھے دیکھ رہی ہے''۔ بہرکیف میں نے ایک سرسری سی نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے اس کے ساتھ کھڑے شخص کی طرف دیکھا تو وہ بولا ''یہ لو اب یہ تمہاری ہوئی' اس کا خیال رکھنا''۔ پھر وہ شخص اسے میرے حوالے کرکے واپس چلا گیا تو میں نے سوچا ''اب تو مجھے اس کا خیال رکھنا ہی ہے کیونکہ اسی گدھی کے اوپر اب میری ساری زندگی کا دارومدار ہے''۔

انجم خان...... ہری پور ہزارہ

اس ماہ کی بات

زندگی کا مقصد خوش رہنا نہیں بلکہ دوسروں کے کام آنا ہے' دوسروں کے ساتھ اخلاق کے ساتھ پیش آنا ہے اور ان کے دکھ درد کو محسوس کرنا ہے۔ اگر آپ ایسا نہیں کر رہے تو پھر آپ کی خوشی مصنوعی ہے۔

دھنک ناز...... کراچی

اس ماہ کا لطیفہ

بچہ کافی دیر سے رو رہا تھا' شوہر نے بیوی سے کہا: ''تم اسے لوری دے کر سلا کیوں نہیں دیتیں؟''

بیوی بولی ''لوری دے کر سلانے لگی کہ پڑوس سے آواز آئی...... بہتر ہے کہ بچے کو ہی رونے دو''۔

سیدہ امبر ہاشمی...... کراچی

☆☆☆☆☆

خوشبو

ارشادِ ربانی

''اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ ان کو گروہ گروہ بنا کر جنت کی طرف لے جائیں گے' یہاں تک کہ جب اُن کے پاس پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ جنت کے دربان ان کو خوش آمدید کہیں گے اور انہیں سلام کریں گے۔ اور ان سے کہیں گے کہ اب اس جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے داخل ہوجاؤ''۔

(سورہ الزمر: آیت 73 پارہ نمبر 24)

راحیلہ سمیع...... اسلام آباد

موتی مالا

☆ پاؤں پھسل جائے تو کوئی بات نہیں مگر زبان کو کبھی پھسلنے نہ دو۔

☆ دوستی میں تین چیزیں مدنظر رکھو۔ سچائی' ایمانداری اور بے غرضی

☆ جس بات سے دوسروں کو روکتے ہو خود بھی نہ کرو۔

☆ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ والدین کی نافرمانی ہے۔

☆ ہمیشہ سچ بولو تاکہ قسم کھانے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔

☆ جو دل محبت سے جیتا جائے وہ دل بغاوت نہیں کرتا۔

☆ دولت اللہ تعالیٰ نے فرعون کو دی اور علم پیغمبروں کو۔

☆ ہر مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ضرور ہوتا ہے اور اسی حل کی موجودگی کے احساس کا نام امید ہے۔

☆ زندگی بہت خوبصورت ہوتی ہے لیکن بعض اوقات انسان خود اسے اپنے ہاتھوں سے انتہائی بدصورت بنا دیتا ہے۔

☆ جب دل کسی فیصلے پر مطمئن نہ ہو تو دماغ کا مشورہ ضروری ہوتا ہے۔

فرزانہ شوکت...... کراچی

کون ہو تم......؟

بیوی شرابی شوہر کو ٹھیک کرنے کیلئے کالا لباس پہن کر کھڑی ہوگئی۔

شوہر جھومتے ہوئے:
''کون ہو تم......؟''

بیوی:
''چڑیل''

شوہر:
''ہاتھ ملا میں تیری بیوی کا شوہر ہوں''۔

منزہ ریما نور رضوان ...... کراچی

خوشبو بھری بات

اگر راستہ خوبصورت ہے
تو
پتہ کرو کہ کس
منزل کو جاتا ہے
لیکن
اگر
منزل خوبصورت ہے ......
تو راستے کی پرواہ مت کرو ......

نوشی ...... وہاڑی

قسمت

خوش قسمتی اور بدقسمتی میں معمولی سا فرق ہے۔ خوش قسمتی آپ کے دروازے پر ایک بار دستک دیتی ہے جبکہ بدقسمتی اس وقت تک دستک دیتی ہے جب تک دروازہ کھل نہ جائے۔

کام

اگر تم محبت کے ساتھ نہیں بلکہ ناپسندیدگی کے ساتھ کام کرتے ہو تو بہتر ہے کہ تم اپنا کام چھوڑ دو اور مندر کے دروازے پر بیٹھ کر ان لوگوں سے خیرات لو جو مسرت کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ (خلیل جبران)

سیدہ امبر ہاشمی ...... کراچی

نیلام گھر

ملیر کالونی کراچی نزد جناح اسکوائر شاہراہ لیاقت مارکیٹ پر واقع نیلام گھر پر ایک شخص سید محمد کوثر علی ترمذی نے دکان پر طوطوں کی فروخت کا بورڈ لگا دیکھا۔ سید محمد کوثر علی ترمذی نیلام گھر میں داخل ہوا اور ایک طوطے کی بولی لگائی' بولی بڑھتی گئی۔ سید محمد کوثر علی ترمذی کو طوطا اتنا اچھا لگا کہ اسے کسی قیمت پر چھوڑنا نہیں چاہتا تھا اس لئے وہ بولی بڑھاتا گیا۔ آخر بولی اس کے نام پر ختم ہوئی۔ جب سید محمد کوثر علی ترمذی قیمت ادا کر کے طوطے کا پنجرہ تھامے باہر آنے لگا تو اچانک سے خیال آیا اور اس نے دکاندار سید شاہد حسین نقوی سے پوچھا: "بھئی تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ یہ طوطا بولتا بھی ہے یا نہیں؟"

دکاندار کی بجائے طوطا بولا: "بے وقوف! اتنی دیر سے تمہارے مقابلے میں بولی میں ہی تو لگا رہا تھا"۔

پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی ...... کراچی

ماں کے بارے میں چند الفاظ ......!

☆ جو ماں کو ستاتا ہے وہ دنیا کا ذلیل ترین انسان ہے۔

☆ جیسے مچھلی پانی کے بغیر نہیں رہ سکتی آنکھ سے آنسو کا رشتہ کیسے جدا کر سکتے ہیں ریت کا محل بھلا کیسے کوئی تعمیر کر سکتا ہے پانی پر لکیر نہیں کھینچی جا سکتی اسی طرح ہم ماں کے بغیر نہیں رہ سکتے۔

☆ میری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور میری ماں ہے۔

☆ ماں کی آہ عرش کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔

☆ دنیا کی اصل حکمران صرف ماں ہے۔

☆ ماں کے بغیر بھی بھلا انسان کی کیا زندگی ہے۔

☆ ماں کیلئے سب کو تو چھوڑا جا سکتا ہے مگر سب کیلئے ماں کو کبھی نہ چھوڑنا۔

☆ اگر کبھی ماں کی آنکھوں میں موتی جیسے چمکتے آنسو دیکھو تو سمجھ لینا کہ فرشتے بھی زار و زار رو رہے ہیں۔

☆ جہاں جہاں سے ماں گزرے' وہاں وہاں دنیا بھر کے پھول بچھا دیئے جائیں۔

☆ ماں کی دعا رحمت بن کر میرے سر پر سایہ کرتی ہے۔

☆ ماں' خوشبو' خوشیوں کی صورت ہر وقت میرے گرد رقصاں رہتی ہے۔

☆ ماں کا غصہ تو بس پیار کا حصہ ہوتا ہے۔

☆ ہنستا برستا ساون تو بس ماں کا دامن ہوتا ہے۔

☆ دھوپ میں جو بادل بنتا ہے وہ تو ماں کا آنچل ہوتا ہے۔

☆ میری مسکراہٹ میری خوشی' میری کامیابی' میری نیکی' میری زندگی' میری وفا میری ماں ہے۔

☆ جب اندھیرے میں' میں ڈر جاتا ہوں' کہیں لڑکھڑا جاتا ہوں' بے چین ہوتا ہوں تو صرف ماں کی یاد ہی سکون دیتی ہے۔

☆ ماں تو درحقیقت جنت ہی کا ایک خطہ ہے۔

☆ دنیا کے بھی رشتے یہاں دوبارہ مل جاتے ہیں' نہیں ملتی تو صرف ماں نہیں ملتی۔

ایس امتیاز احمد ...... کراچی

کلین بولڈ

یہ ہے وہ پینٹنگ' جسے شروع کرتے وقت مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ یہ کیا چیز بن جائے گی۔ مصور نے فخر سے اپنی ایک پینٹنگ مہمانوں کو دکھاتے ہوئے کہا۔

"تو کیا اسے ختم کرنے کے بعد آپ کو پتا چل گیا ہے کہ یہ کیا چیز ہے؟" ایک مہمان نے معصومیت سے پوچھا۔

فرزانہ عمر دراز ...... کراچی

دسمبر

مہینوں کی پرانی شال اوڑھے
جھیل کے پرانے کنارے پر کھٹ
سیٹی بجا کر چاند کو نیچے بلا رہا ہے
جنوری کے بدن پر
ماتمی تنہائیاں پینٹ کر رہی ہیں
اور نچلے پہاڑی گاؤں میں
نئے برس کا جشن تھا!

سیدہ امبر بخاری ...... چندی پور

اقوال زریں

☆ اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنے والا کبھی ناکام نہیں ہوتا۔

☆ کسی کا راز تلاش نہ کرو اور اگر معلوم ہو جائے تو اسے فاش نہ کرو۔

☆ کوئی بھی مصیبت پڑنے پر موت کی تمنا نہ کرو۔

☆ انسان کا سب سے بڑا دشمن اس کا برا دوست ہے۔

☆ کسی کو اپنا اچھا دوست بنانا اللہ کا تحفہ ہے۔

☆ کسی کو خوش کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔

☆ کسی کے برے وقت میں کام آؤ تو بھول جاؤ۔

فرزانہ عمر دراز ...... کراچی

☆☆☆☆☆☆

کچھ ایسا

غزل

سنبھلو سنبھلو کہ کوچۂ دل ہے
ٹوٹ جائے نہ رشتۂ دل ہے
ہے رگ و جاں پہ ایک نشتر سا
نیم و جاں نیم جاں سائل ہے
انبساط گل حیات نہ پوچھ
جب سے غم بھی خوشی میں شامل ہے
اٹھ گیا ہے کوئی صف دل سے
منتشر منتشر سی محفل ہے
موج طوفان غرق کر دینا
اب کنارہ نہ کوئی ساحل ہے
یاد رکھیں کہ بھول جائیں ہم
یہ بھی مشکل ہے وہ بھی مشکل ہے
کشتہ زیست سے نہ پوچھو کچھ
کیا بتائے کہ کون قاتل ہے
رائیگاں ہے خلوص و حسن سلوک
حسن ظن اک گمان باطل ہے
ایسے گزرے راہ حیات سے ہم
کوئی منشا نہ کوئی حاصل ہے
اب سفر سے کیا حاصل امتیاز
رہ گزر ہے نہ کوئی منزل ہے

ایس امتیاز احمد

محبت یوں نہیں اچھی

کوئی وعدہ نہیں ہم میں
نہ آپس میں بہت باتیں
نہ ملنے میں بہت شوخی
نہ آخر شب مناجاتیں
مگر اک اَن کہی سی ہے
جو ہم دونوں سمجھتے ہیں
عجب اِک سرخوشی سی ہے
جو ہم دونوں سمجھتے ہیں
یہ سارے دلربا منظر
طلسمی چاندنی راتیں
سنہری دھوپ کے موسم
یا ہلکے سکھ کی برساتیں
سبھی اک ضد میں رہتے ہیں
مجھے پیہم یہ کہتے ہیں
محبت یوں نہیں اچھی
محبت یوں نہیں اچھی

ناصر عباس

بدگماں

اے میرے دوست
کبھی تم مجھ سے
بدگماں نہ ہونا
گردشِ زمانہ سے گھبرا کر
کبھی تم سے نظر چراؤں تو
نظر کے سامنے ہو تم
اور نظر میں جھکا لوں تو
تم بدگماں نہ ہونا
کیونکہ
نظر میری جھکی ہو یا اٹھی ہو
تصویر تو تمہاری ہے
تڑپتے دل کی ہر دھڑکن
یہی فریاد کرتی ہے
تمہی کو یاد کرتی ہے
تمہی کو یاد کرتی ہے

سحر انجم

غزل

جب بھی تیری وفاؤں پہ زوال آئے گا
تیرے ہونٹوں پہ ایک سوال آئے گا
کون بخشے گا رونق اجڑے ہوئے گھر کو
کسی کو بھری دنیا میں کب خیال آئے گا
تیرے قریب رہ کے بھی غم ہی پائے ہیں
کوئی اپنا وعدہ کیسے پھر سے بھول جائے گا
الزام تیری جدائی کا محفل میں ہے نمایاں
تیری ہلکی سی مسکراہٹ سے کسی کا مقدر بدل جائیگا
آثار تھکن کے جب بھی نمایاں ہوں گے کبھی
آنکھ سے آنسو گرنے کیلئے پھر مچل جائے گا
کسی کی باتوں سے پھولوں کی خوشبو آئے جاوید
میری نظروں کا تجھ پہ جادو چل جائے گا

محمد اسلم جاوید

وقت

طنز کے تیر چلاتے لب
آنکھوں میں وحشت سی عجب
اُس پل ایسا لگتا ہے
جیسے مجھ میں 'میں' ہی نہیں......
جب جب کسی کو دکھ پہنچائے
ہم خود بھی چین سے نہ سو پائیں......
وقت تو آخر وقت ہوتا ہے
اک پل میں ہی بیت جاتا ہے
پھر رہ جاتی ہے صرف ندامت
دل میں ایک خلش سی بن کے......!
ہم لاکھ چاہ لیں پھر بھی غزل
گزرا ہوا وقت واپس نہیں آتا
ادا ہوا جملہ لوٹا نہیں کرتا......!

سمیرا غزل حکمت اللہ صدیقی

غزل

سوچ میں ڈوبا دل آوارہ
دھنک رنگوں سے سجا دل آوارہ
رات پھیلی پھر چاند نکلا
چاندنی میں مہکا دل آوارہ

غزل سننے حرف حرف
دیوانے کا ہے دل آوارہ
پھول خوشبو، بہار کی باتیں
نگری نگری کہہ سنائے دل آوارہ
چن چن خواب آنکھوں میں
نغمہ وصل گنگنائے دل آوارہ
چھوڑ جانے کا انعم تذکرہ نہ کرو
تم بن تڑپے گا بہت دل آوارہ

انعم خان

زندگی

زندگی بھی کیا ہوتی ہے
اس میں جینا پڑتا ہے
چاہے جینا مشکل ہو
اپنوں کیلئے رہنا پڑتا ہے
راہوں میں کانٹے ہوں
صحرا سی ویرانی ہو
زندگی میں ناکامی ہو
ادھوری سی ہماری کہانی ہو
زندگی کا یہی نام ہے

سیدہ امبر ہاشمی

غزل

جو محبت جیت جاتا ہے
وہ خود کو ہار جاتا ہے
محبت کے کھیل انوکھے ہیں
یہ بازی مات دیتی ہے
یہ جاں پر وار کرتی ہے
دل کے گہرے زخموں پر
یہ روز نیا اک وار کرتی ہے
محبت کی تڑپ دل کو
ہر پل بے قرار کرتی ہے
میرا تو یہ دعویٰ ہے یارو
محبت کرنے والوں کو
محبت مار دیتی ہے

ثناء اے

سفر

سفر پہ جو بھی نکلے ہیں
انہیں معلوم ہی کب تھا
سفر میں کیا کیا ہوتا ہے
سفر پہ جانے والوں کو
چلو کچھ ہم بتاتے ہیں
بہت اسباب بنتے ہیں
نئے لوگوں سے ملتے ہیں
بہت بچھڑے بھی ملتے ہیں
کبھی اپنے بچھڑتے ہیں
سفر میں یوں بھی ہوتا ہے
کبھی سائے سے ڈرتے ہیں
رستے کی مسافت میں
کبھی رکنا، کبھی چلنا
نئے لوگوں کی باتوں میں
الجھتے ہیں، سنبھلتے ہیں
ان جانے خیال وخواب
نئی الجھن، نئی خوشیاں
سفر میں خوب کھلتے ہیں
سفر کی دل فریبی میں
متاعِ جاں بھی لٹتے ہیں
حریفِ جاں سنورتے ہیں
بتادو تم، ظریف احسن
سفر میں سب کچھ ہوتا ہے

ظریف احسن

بس ایک آنسو گرادینا

اگر ہم دور ہو جائیں، کہیں دنیا میں کھو جائیں
بتاؤ کیا کرو گے تم، ہمیں ڈھونڈو گے یا پھر
بھول جاؤ گے، ہمیں آواز دو گے یا
کسی گزری کہانی میں ہمارا
نام لکھ دو گے، چلو ایسا ہی کر لینا
تم خود بھی بدل جانا، ہمیں تم بھول ہی جانا
مگر اتنی گزارش ہے ہمارا ذکر جب آئے
تو تھوڑا مسکرا دینا خوشی کا ہو یا پھر غم کا
بس ایک آنسو گرادینا، بس ایک آنسو گرادینا

زویا خان

غزل

گر دنیا نے تڑپانے کا فن سیکھ لیا ہے
پھر ہم نے بھی مسکانے کا فن سیکھ لیا ہے
ہر روز نئے طور سے کرتا ہے وہ وعدے
اس نے ہمیں بہلانے کا فن سیکھ لیا ہے
اک آرزو میں ہم بھی سلگتے ہیں صبح وشام
ہم نے کسی پروانے کا فن سیکھ لیا ہے
ہم عشق میں اخلاص کو سمجھے تھے مہارت
وہ کہتے ہیں دیوانے کا فن سیکھ لیا ہے
وہ قتلِ تمنا پہ مصر ہے تبھی ہم نے
ارمانوں کو دفنانے کا فن سیکھ لیا ہے

سید ساجد شفیع

سوچ کے سارے در بند ہیں

اب نہ تیرا خیال ہے
نہ تیری یاد ہے
غم دوراں میں الجھی ہے کچھ اس طرح زندگی
نہ پہلے سے جذبات ہیں
نہ وہ پہلی سی بات ہے
خاموشی میں ڈوبے ہوئے
لفظ سارے زہر خند ہیں
سوچ کے سارے در بند ہیں

روحان دانش

غزل

دل اپنا کسی طرح بہلتا ہی نہیں ہے
وہ شخص تو اب گھر سے نکلتا ہی نہیں ہے
اک یاد کا منظر ہے نگاہوں میں ابھی تک
اک زخم محبت ہے کہ بھرتا ہی نہیں ہے
دن رات مسلط ہے نگاہوں پہ اندھیرا

آنگن میں وہ مہتاب اترتا ہی نہیں ہے
ہر چیز نظر آتی ہے بے جان سی مجھ کو
وقت اپنا کسی طور گزرتا ہی نہیں ہے
ہر روز برستی ہیں بہت ٹوٹ کے آنکھیں
اک آس کا دریا ہے کہ بھرتا ہی نہیں ہے
ٹھہرا ہے رگ و پے میں عجب درد کا موسم
پہلو میں یہ دل اب کے سنبھلتا ہی نہیں ہے
اک خوف کا منظر ہے نگاہوں میں حکیم
اِک ظلم کا سورج ہے کہ ڈھلتا ہی نہیں ہے

حکیم خان حکیم

مکالمہ

اُس نے کہا کیوں مجھ کو یاد کرنا چھوڑ دیا
میں نے کہا بہت ہوئی میں نے بھلانا سیکھ لیا
اُس نے کہا کیوں دیکھ کر مجھ سے منہ موڑ لیا
میں نے کہا بہت ہوئی نظریں چرانا سیکھ لیا
اُس نے کہا وہ تیری کھنکتی ہنسی کا کیا ہوا
میں نے کہا ہنسی تو کیا وہ مسکرانا گیا
اُس نے کہا وہ بیٹھے بیٹھے گنگنانا کہاں گیا
میں نے کہا آواز کا وہ جادو جگانا گیا
اُس نے کہا سنہری رنگت کو تیری کیا ہوا
میں نے کہا زمانے کی دھوپ نے جھلسا دیا
اُس نے کہا مسکراتی آنکھوں کو تیری کیا ہوا
میں نے کہا آنکھوں نے دریا بہانا سیکھ لیا
اُس نے کہا تجھے بولنا اتنا کہاں سے آ گیا
میں نے کہا جدائی نے تیری مجھے سکھا دیا

تبسم فیاض

نظم

جب نیند سے بوجھل پلکوں کو
آنکھوں پر اپنی گراؤ گے
بند پلکوں کے پیچھے سے
سامنے میں آ جاؤں گی
تمہاری میٹھی باتوں کو
سینے پر تمہارے سر رکھ کر پیا
دہراؤں گی
بولو
کیا کرو گے پھر......!
میٹھی نیند سے جاگو گے یا
ہاتھ پکڑ کر میرا صنم
سپنوں میں لے جاؤ گے!
ماتھے کا میرے تم چاند بند کر
سینے پر مجھے تم اپنے سجا کر
آنکھوں کو مری خواب اپنے دکھا کر
دل میں میرے پیار اپنا بسا کر
تن کو میرے اپنی بانہوں میں سجا کر
اونچی نیچی زیست کی راہوں میں
مجھے چھوڑ تو نہ جاؤ گے......!
دیکھو ساجن میرے ایسا مت کرنا
اپنے اور میرے پیار کو رسوا مت کرنا
ایسا مت کرنا......

سیما سحر

رضوانہ اکبر .... ضلع لودھراں

السلام وعلیکم ڈیئر صالحہ آپی! میں ردا کی خاموش قارعہ ہوں' میری تمام فرینڈز ردا کی دیوانی ہیں۔ ردا کے تمام ہی رائٹرز اچھا لکھتے ہیں ان کی تحریریں سیدھا دل پر اثر کرتی ہیں' یہ رائٹر ہی ہماری قوم کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ میری عمر تقریباً 13 سال ہے مجھے لکھنے کا عشق کی حد تک جنون ہے' میں بچوں کے رسالے میں لکھتی ہوں' پہلی بار کوئی تحریر ردا میں بھیج رہی ہوں' انشاء اللہ ضرور شائع ہوگی یہ میرا یقین ہے۔ مجھے امید ہے کہ ادارے کی طرف سے مجھے حوصلہ افزائی ضرور ملے گی اور یہی حوصلہ افزائی مجھے ایک سیڑھی سے دوسری سیڑھی پر قدم رکھنے کی ہمت عطا کرے گی۔

دھنک ناز .... کراچی

پیاری آپی! السلام وعلیکم اینڈ ہیپی نیو ایئر۔ ردا کے تمام اسٹاف اور قارئین کو 2012ء کی آمد کی مبارکباد اور دعا گو ہوں کہ یہ سال ہمارے وطن عزیز پر بہار بن کر اترے۔ موسم کی خنکی میں دسمبر کا ردا ہاتھ میں تھامے یہ خط لکھ رہی ہوں۔ مدیحہ کی مہندی تو سال آخر میں نمبر لے گئی اور امید ہے کہ سال نو نمبر بھی ایسے ہی جھلملا رہا ہوگا۔ دسمبر کا شمارہ گوشہ آگہی سے لے کر سنگھار تک اٹریکٹو تھا۔ سلسلے وار ناولز سارے ہی بیسٹ جا رہے ہیں' کسی ایک کی بھی تعریف نہ کرنا ذرا مشکل ہے۔ ایمان علی' جیا قریشی کے مکمل ناول اچھے لگے' ابھی جیا قریشی کے مکمل ناول کے بقیہ حصہ کا جنوری میں انتظار ہے۔ ناولٹ دونوں ہی اچھے تھے۔ افسانے میں قرۃ العین چنا کا افسانہ زیادہ اچھا لگا۔ باقی افسانے بھی اچھے تھے۔ مستقل سلسلوں میں نیا سلسلہ بہت پسند آیا۔ اس سے ہم سب ہی کو موقع ملے گا۔ اشعار خوبصورت تھے۔ سیدہ امبر ہاشمی کی اس ماہ کی مہنگائی بہت ہی بیسٹ اور خوشبو تو ہمیشہ کی طرح مہکتا رہتا ہے۔ ''باتیں صحت کی'' کالم بہت اچھا لگ رہا ہے۔ پورا ردا ہی رنگ بکھیرتا ہوا لگا۔ آخر میں ردا کیلئے بہت ساری چاہتیں کہ ہمیشہ ردا ترقی کرے۔

ثناء اے .... ٹوبہ ٹیک سنگھ

السلام وعلیکم! سوئٹ اپیا! کیسی ہیں آپ؟ امید کرتی ہوں کہ بالکل فٹ فاٹ ہوں گی۔ سب سے پہلے تو میں آپ کا ڈھیروں شکریہ ادا کرتی ہوں کہ اگست کے شمارے میں آپ نے میری اسٹوری کو اپنے رسالے میں جگہ دی' یقین جانئے اپنی اسٹوری رسالے میں دیکھ کر اتنی خوشی ہوئی کہ لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی۔ مصروفیت کی وجہ سے آپ کا شکریہ ادا نہ کر سکی لیکن اس بار ٹائم نکال کر آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔

نومبر کے شمارے میں ماشاء اللہ گوشہ آگہی سے لے کر سنگھار تک سب کچھ بہت اچھا تھا۔ صالحہ جی!

نومبر کے شمارے میں تو آپ نے کمال کر دیا۔ ''وطن کی مٹی گواہ رہنا'' پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ واقعی یہ ناول ہمیشہ یاد رہے گا۔ ''اعتبارِ عشق'' میں کنول کا رویہ دیکھ کر حیران رہ گئے لیکن عینی کی نفیس کیلئے کیئر اچھی لگی۔ نائلہ جی! پلیز سارہ اور شث کو ضرور ملانا۔ ''کبھی عشق ہو تو پتہ چلے'' میں شہران کی شدت پسندی سے تو ہم خوفزدہ ہی ہو گئے اور اریشماء بے چاری بھی کہاں دل لگا بیٹھی' حمدان صاحب تو کچھ سننے کو تیار ہی نہیں۔ باقی سب افسانے اور ناول بھی بہت پسند آئے خاص طور پر ''دل کا راستہ''۔

آخر میں صالحہ اپیا! یہ کہنا چاہوں گی کہ ردا اس لیے بہت پسند ہے کہ آپ اس میں نئے رائٹرز کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ اپیا جی! میں ایم اے اردو (پارٹ ٹو) کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ امید کرتی ہوں آپ اس بار بھی میری اسٹوری کو ردا میں شامل کر کے مجھے شکریہ کا ایک اور موقع دیں گی۔ آپی! یہ میرا پہلا خط ہے اسے ضرور شائع کیجیے گا۔

انعم خان .... ہری پور ہزارہ

السلام وعلیکم صالحہ آپی! امید واثق ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گی۔ ردا ماشاءاللہ ہر ماہ بہت اچھا ہوتا ہے' تمام رائٹرز محنت و لگن سے لکھ رہی ہیں۔ سب کے لیے میری دعا ہے کہ اللہ کرے زورِ قلم زیادہ......!

ان تمام بہنوں کا شکریہ جو میری کہانی ''اس دل میں بسے ہو تم'' کو پڑھتی ہیں اور ان سب سے گزارش ہے کہ پلیز اپنے سندیسے میں تنقید یا تعریف جو آپ کو مناسب لگے ضرور کریں۔ ہر ماہ سندیسے میں اپنی کہانی کے متعلق رائے پڑھنے کا بہت شدت سے مجھے انتظار ہوتا ہے۔ اور صالحہ آپی...... آپ کی کہانی دوبارہ کب پڑھنے کو ملے گی۔ پلیز جلدی سے اچھا سا سلسلے وار ناول لکھیں۔ شازیہ مصطفیٰ' سباس گل اور نائلہ طارق آپ سبھی کے ناول زبردست جا رہے ہیں۔ جیا قریشی کو پڑھ کر بھی ہمیشہ اچھا لگتا ہے۔ عابدہ سبین بھی اچھا لکھتی ہیں۔ باقی تمام سلسلے زبردست ہوتے ہیں بلکہ تمام کا تمام ردا بیسٹ ہوتا ہے ہر بار......!

اجازت چاہوں گی۔ سب کیلئے دعا گو اور دعاؤں کی طالب۔

روشنی فاطمہ .... کراچی

السلام وعلیکم پیاری صالحہ آپی اور قارئین ردا۔ امید ہے سب بخیریت ہوں گے۔ ہر بار سندیسے میں شامل ہونا چاہتی ہوں پر ہر بات لیٹ ہو جاتی ہوں پر اس بار ٹھان لی تھی کہ سندیسے میں ضرور شامل ہونا ہے سو تبصرہ حاضر ہے مگر مختصر۔ ٹائٹل بہت اچھا لگا سمپل اینڈ بیوٹی فل۔ اداریہ ہمیشہ کی طرح بہت خوب تھا۔ ردائے جنت تو جیسے معلومات کا خزانہ ہے۔

اس بار خاص بات یہ تھی ردا میں کہ آپی کا مکمل ناول بھی ردا کی زینت بنا تھا۔ 18 اکتوبر کے تباہ کن زلزلے کی منظر کشی بہت عمدہ طریقے سے بیان کی کہ اس زلزلے کی تباہ کاریوں نے زندگی کو کیسے مفلوج کیا۔ متاثرین کے کیا حالات تھے کیا محسوسات تھے ان سب کو بہت خوبی سے پیش کیا۔ اسد اور عزہ کا کردار بہت اچھا لگا۔ عزہ کی اسلام آباد جانے سے پہلے اسد سے مختصر سی ملاقات کا سین بہت اچھا لگا۔ یہ واقعی یادگار ناول ہے جو مدتوں یاد رہے گا۔

نائلہ کا عید اسپیشل افسانہ اچھا رہا۔ باقی عائشہ اینڈ حمیرا کا نام نیا تھا۔ نازیہ خان کو واپسی مبارک' پچھلے ماہ میں ان کا افسانہ تھا۔ کچن کی ڈشز موقع کی مناسبت سے بہترین ہیں نہاری ضرور ٹرائی کریں گے۔ اس ماہ میں اور خوشبو ہمیشہ کی طرح خوب سے خوب تر تھے۔ اشعار بہت کم تھے۔ سنگھار کی ٹپس کو آزمانے کی کوشش کریں گے۔ قارئین ردا دعا میں یاد رکھئے گا۔ اپنا خیال رکھیں خوش رہیں خوشیاں بانٹیں اور ردا پڑھتے رہیں۔ اب اجازت دیں' اللہ حافظ۔

بشریٰ طارق .... ٹوبہ ٹیک سنگھ

سوئٹ آپی! نئے سال کی بہت بہت مبارکباد۔ دسمبر کے شمارے کا سرورق بہت ہی بھلا لگا۔ ردا روز بروز نکھرتا ہی جا رہا ہے۔ خوبصورت اسکیچ کے ساتھ اسٹوریز اور بھی دلچسپ لگ رہی تھیں۔ شازیہ جی کے سلسلے وار ناول کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ نائلہ طارق اور سباس گل' انعم خان کی بھی بہت ہی اچھا لکھ رہی ہیں۔ ردا کی کہانیوں کی اہم بات ان کا ہمارے معاشرے سے قریب تر ہونا ہے۔ ایمان علی کا مکمل ناول اچھا لگا۔ ناولٹ اور افسانے بھی اچھے تھے۔ شازیہ مصطفیٰ اور سباس گل کو بہت بہت مبارکباد نئی زندگی کی بہت بہت خوشیاں مبارک ہوں۔ آپ اپنی خوشیوں میں ردا کو نہیں بھولئے گا۔ ردا کیلئے بہت دعائیں۔ اگلی مرتبہ مکمل تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی' اللہ حافظ۔

زویا خان .... اشرف نگر

السلام وعلیکم صالحہ جی! پہلی مرتبہ سندیسے میں شرکت کر رہی ہوں' امید ہے مایوس نہیں کریں گی۔ عانیہ جی ہمیں دعاؤں میں یاد رکھئے گا۔ نومبر کا شمارہ ہمیشہ کی طرح ہٹ فٹ تھا جو دل و دماغ کو فریش کر گیا' ٹائٹل بس سو سو تھا۔ قمروش شہک سے ملاقات مزہ دے گئی۔ قمروش شہک آپی 14 نومبر کو سالگرہ بہت مبارک ہو' اللہ آپ کی ساری پریشانیاں دور فرمائے' آمین۔ ساری کہانیاں زبردست تھیں' ہمارا ردا ہمیں بہت پیارا ہے تو اس میں ناپسند کی کوئی بات نہیں۔ مکمل ناول' ناولٹ' افسانے سب اپنی جگہ اچھے تھے بٹ لبنیٰ عبید' ثنا خان صنعا' حمیرا علی ویری نائس' یار و کیا خوب لکھا' گڈ۔ سلسلے وار ناول میں سب سے پہلے شازیہ مصطفیٰ کا کبھی عشق ہو تو پتہ چلے کی اسٹوری اے ون ہے بٹ پلیز حمدان کا رویہ تھوڑا سا اریشماء کے ساتھ صحیح کر دیں' مجھے اریشماء کا کردار بہت زیادہ پسند ہے اور شہران کو لیل ماہ سے اور حرما کو ذیشان سے لازمی ملائیں' پلیز...... نائلہ طارق کیا چیز ہیں آپ' اتنا دلچسپ اور ناول' رئیلی دل خوش کر دیتی ہیں۔ سارہ کتنی بے باک ہے' کیا سسٹرز میں اس حد تک چینج ہوتا ہے جیسے سدرہ اور سارہ اور یہ شمس کیوں سارہ کے پیچھے پڑ گئے ہیں' چین سے کیوں نہیں رہنے دیتے' ہر دفعہ بے عزتی کرتے ہیں' پلیز سارہ کو کوئی خوشی دے دیں۔ اس کے بعد دوڑے سباس گل کے پاس' یہ بھی کسی سے کم نہیں' اعتبارِ عشق واہ سب سے پہلے تو آپ کو آپ کی شادی کی بے حد مبارکباد' اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے' ہر پریشانی دور فرمائے' یہ کنول کو نجانے کیا ہوا جو ایک دم سے رویہ چینج کیا' اس کے سگے بچے بھی عینی کو اچھا سمجھتے ہیں' وہ ہے ہی اچھی' عینی کو نفیس کے پاس رہنے دیں اور یہ کیا کنول کی امی کنول کو کیا سبق سکھا رہی ہیں' بے وقوف اپنا گھر اپنے ہاتھوں اجاڑ رہی ہے جیسی آپ کی مرضی۔ غزلوں میں سارہ خان و سیدہ امبر اختر اور آس سحر انجم کا بہت پسند آیا۔ ثریا آنٹی کی ساری ڈشیں ٹرائی کریں گے۔ دوستوں کے نام پیغام بہت اچھا سلسلہ ہے۔ پلیز تبصرہ شائع کیجیے گا کیونکہ بہت محنت سے لکھا ہے' میں ردا کی

سائلنٹ قاری ہوں سو پلیز ریڈ مائی لیٹر فی امان اللہ۔

نوشی .... وہاڑی

السلام وعلیکم! پیاری پیاری آپی صالحہ! میری طرف سے آپ کو اور آپ کے پورے اسٹاف کو ڈھیر سارا سلام۔ کیسی ہیں آپ؟ ٹھیک ٹھاک نا...... اللہ سب کو ٹھیک ٹھاک اور خوش رکھے' آمین۔ اور اب بات کروں گی صالحہ آپی کے ناول ''وطن کی مٹی گواہ رہنا'' کی' کیا ناول تھا' مجھے تو یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ میں اس ناول کی تعریف کن الفاظ میں کروں یا پھر میرے پاس اس ناول کی تعریف میں کہنے کے لیے الفاظ ہی نہیں مل رہے' ناول اتنا زبردست تھا کہ میں نے 3 دفعہ پڑھا اس ناول کو' سچ آپی! بہت زبردست تھا ناول' میں جتنی تعریف کروں گی اس ناول کی وہ کم ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہہ سکتی اس ناول کے بارے میں۔ ''اس دل میں بسنے ہو تم'' انعم! مجھے تو بس اس ناول کے اینڈ کا انتظار ہے' بہت اچھا جا رہا ہے آپ کا ناول۔ ناولٹ اور افسانے بھی بہت زبردست تھے۔ نائلہ طارق کا ناول مجھے بہت اچھا لگا اس کے علاوہ ردائے جنت' آہ آپی کیا کہوں' ردائے جنت ایسا سلسلہ ہے کہ بندہ تو بس اسے پڑھتا ہی رہے۔ اتنی اچھی' اتنی پیاری باتیں سیکھنے کو ملتی ہیں کہ مت پوچھیں۔ اب کچھ کچن کے بارے میں' ویسے تو مجھے کوکنگ کا اتنا شوق نہیں پر پھر بھی کرنا پڑتی ہے گھر میں۔ آپی آپ کچن میں سندھی بریانی کی ترکیب شائع کر دیں کسی دن۔ اور ہاں آپی! وہ جو مشہور ناول نگاروں کی تحریریں ہیں مطلب کتابی شکل میں ناول جو اَب شائع ہو چکے ہیں' کیا وہ وہاڑی سے مل جائیں گے یا نہیں پلیز ضرور بتا دیں۔ اور ہاں آپی! دسمبر کے شمارے میں سباس گل سے ملاقات کروا ہی دیں پلیز۔ ایک پیارے سے شعر کے ساتھ اجازت چاہوں گی انشاء اللہ نئے سال کے ساتھ ملاقات ہوگی' اللہ حافظ۔ ہمیشہ خوش رہیں۔

یونہی سوچتے سوچتے ہم اک دوسرے کو کھو دیں گے اک دن
وہ مجھے یاد نہیں کرتا تو میں اسے کیوں یاد کروں

حمیرا علی .... کراچی

صالحہ جی اور ردا اسٹاف کو سلام! پچیس نومبر کی خنک رات کو رات کے تین بجے جب سارے گھر والے بلکہ سارا شہر سو رہا ہے میں نیند سے دامن بچا کر مگر پلکوں پر اَن گنت خوش آئند خواب سجا کر سندیسے کیلئے پیار بھرا سندیسہ لکھ رہی ہوں۔ اس وقت وطن عزیز کو ڈھیر سارے پیار کی ضرورت ہے' خلوص اور وفا کی ضرورت ہے اور اس کیلئے ہمیں اپنے دلوں کو وسیع کرنا ہوگا تب ہی سرزمین پاکستان پر امن کی سرسبز و شاداب کھیتی لہلہائے گی۔ سالِ نو آنے کو ہے نیا سال پرانی یادوں کا دفتر کھول دے گا' نئے لمحوں سے کتابِ ہستی کے ورق جگمگائیں گے' کیا اچھا ہو کہ آنے والا سال پاکستان کیلئے' پاکستان کے ہر شہری کیلئے امن اور زندگی کی نوید لے کر آئے۔ یکم جنوری کا سورج جب سرزمین پاکستان پر طلوع ہو تو اس کی سنہری کرنیں ہمارے دلوں کو منور کر دیں' ہمارے ذہن و دل پر جمی کدورتوں اور بے حسی کی برف پگھلا دیں۔ یکم جنوری کے ساتھ شروع ہو جانے والے نئے سال کیلئے خیر و عافیت کی ڈھیروں دعاؤں۔ کے بعد آتی ہوں حنا کے کھلتے ہوئے سرخ رنگ والے ٹائٹل کے ساتھ جلوہ گر ہوئی ردا کی طرف' ٹائٹل گرل کے ہاتھ پر مہندی کا رنگ اتنا حسین آیا ہے کہ میری چھوٹی

سسٹر دیکھتے ہی خوشی سے چیخ پڑی۔ سالِ آخر نمبر کا ٹائٹل اتنا اچھا ہے جسے دیکھ کر یقین ہو رہا ہے کہ سالِ نو نمبر واقعی حسین ترین ہوگا۔ ایمان علی کیا لکھا ہے آپ نے' اتنا دکھ' اتنا غم جھیل کر بھی عورت کو سکھ کیوں نہیں مل پاتا۔ میثم شیراز تو صرف اپنے ہجر پر تڑپ رہا تھا جانے عشال مرتضیٰ کیسا کیسا تڑپی ہوگی۔ نائلہ طارق کمال کرتی ہیں آپ' جادو آتا ہے آپ کو' ہر لفظ اپنے سحر میں جکڑ لیتا ہے۔ شازیہ مصطفیٰ کا ناول بھی زبردست رہا۔ انعم خان ''اس دل میں بسے ہو تم'' پلیز جلدی جلدی آگے بڑھائیں۔ جیا قریشی نے تو وہ لکھا ہے جس کی تعریف کیلئے الفاظ نہیں ہیں میرے پاس۔ ایمان کو تازہ کر دینے والی خوبصورت تحریر لکھنے کیلئے ڈھیر ساری مبارکباد قبول کریں۔ ناولٹ میں سلمیٰ غزل کا ''کفارہ'' زبردست تھا۔ افسانے میں خودشناسی بازی لے گیا مگر باقی دونوں افسانے بھی بے حد متاثر کن تھے۔ باقی سارے سلسلے گوشہ آگہی سمیت زبردست تھے۔ صالحہ جی! آپ کے بچپن کی گڑیا تو ہم آپ کی تحریروں میں بھی دیکھ سکتے ہیں' آپ کی نظم ہمیں بھی ہماری گڑیا کی یاد دلا گئی اور ہاں یہ آپ نے گوشہ چشم میں کیا لکھ دیا الفاظ ''میری طرح'' پڑھ کر تو کتنی دیر میرے اوسان بحال نہیں ہوئے تھے' خوشی اور بے یقینی کا زبردست جھٹکا لگا تھا مجھے' شکریہ بہت بہت شکریہ۔ سندیسہ خاصا طویل ہو چکا ہے اس لیے بہت ساری دعاؤں کے ساتھ اللہ حافظ۔

ریما نور رضوان .... کراچی

السلام وعلیکم ڈیئرسٹ سوسوسوئٹ صالحہ آپی! کہئے جی کیا حال ہیں۔ ڈھیروں آداب اور پُر خلوص محبت کے ساتھ 6 ماہ بعد کاغذ قلم تھاما ہے۔ ردا سے دوری کی وجہ تھی میری ننھی شہزادی' اللہ پاک نے رمضان المبارک کے شروع میں اپنی رحمت سے نوازا ہے۔ زندگی مکمل طور پر تبدیل ہو گئی ہے۔ فزہ کے آنے سے اپنا آپ بالکل فراموش کر دیا ہے لیکن یہ ہماری صالحہ آپی ہر ماہ' ہمیں ردا بھیجتی ہیں اور ردا سے جڑے رہنے کا پیغام دیتی ہیں۔ میگزین ہر ماہ بھیجنے کا بہت بہت شکریہ۔ ہر رائٹر دل و جان سے لکھ رہی ہیں۔ خاص کر سباس گل کا ''اعتبارِ عشق'' بالکل ہی ہٹ کر تھیم' پلاٹ' ڈائیلاگ ہیں۔ انعم خان بھی زبردست کہانی چلا رہی ہیں۔ شازیہ جی تسی تے گریٹ ہو ہی۔ اور افسانے تقریباً سبھی رائٹرز کے پسند آئے ہیں۔ تمام رائٹرز' ریڈرز' ردا اسٹاف' ردا میڈم سب کو ڈھیر سارا پیار اور سلام' اپنا بہت خیال رکھئے گا' دعاؤں میں یاد رکھئے گا۔ انشاء اللہ جلد سندیسہ لکھنے کی کوشش کروں گی' اللہ حافظ۔

فرزانہ عمردراز .... کراچی

السلام وعلیکم صالحہ آپی اینڈ اسٹاف ممبرز۔ مزاج بخیر ہیں آپ کے' بہت سی دعاؤں کے ساتھ سندیسے میں شرکت کی اجازت چاہتی ہوں۔ ردا میں سب کچھ اچھا ہے' ہنسی مذاق' خوشی' غم' احساسات' جذبات' پیار' اعتبار' محبت' خلوص' رشتے' سبق' نالج' مطالعہ' ملاقاتیں ہر طرح سے مکمل اور معیاری ہے' نہ صرف وہ ہمیں زندگی کے رنگ دکھاتے ہیں بلکہ ہر موڑ پر ایک دوست کی طرح ہر خوشی' ہر لمحے میں ساتھ ہوتے ہیں اور سب سے اچھی بات یہ کہ ردا نئے لکھنے والوں کو بہت محبت کے ساتھ خوش آمدید کہتا ہے۔ نیک دعاؤں کے ساتھ اللہ حافظ۔

............☆☆☆............

صالحہ محمود

گوشۂ چشم

رضوانہ اکبر .... ضلع لودھراں

سوسوئٹ رضوانہ اکبر! ردا میں ویلکم۔ بہت خوشی ہوئی یہ جان کر کہ آپ اتنی سی عمر میں لکھنے کا شوق رکھتی ہیں۔ آپ کا پُرخلوص خط ہم شامل کر رہے ہیں' آپ بالکل بھی مایوس نہیں ہوں۔ مستقل سلسلوں میں آپ شامل رہئے۔ ردا ہمیشہ آپ کی حوصلہ افزائی کریگا۔

دھنک ناز .... کراچی

پیاری دھنک ناز! آپ کو بھی سالِ نو کی خوشیاں مبارک اور ساتھ ہی ڈھیروں دعائیں۔ جنوری کا موسم تو ویسے ہی سب کو اٹریکٹ کرتا ہے دسمبر بھی اپنی رنگینیاں لٹا کر جارہا ہے اور جنوری کی آمد ہے۔ دسمبر کے شمارے پر آپ کا پُرخلوص تبصرہ بہت ہی اچھا لگا۔ رائٹرز کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔

ثناء اے .... ٹوبہ ٹیک سنگھ

سوئٹ ثناء اے! آپ کا خط دسمبر کے شمارے میں شامل نہیں ہوسکا جس کیلئے معذرت لیکن یہ جنوری کے شمارے میں شامل کیا جارہا ہے۔ "وطن کی مٹی گواہ رہنا" کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ کہانیوں پر آپ کا تبصرہ بہت اچھا لگا۔ آپ کی اسٹوری ہمیں موصول ہوگئی ہے یقیناً جلد ہی شائع ہوجائے گی۔

انعم خان .... ہری پور ہزارہ

پیاری انعم خان! جن رائٹرز کی تحریروں کے بارے میں پسندیدگی کا اظہار آپ نے کیا ہے ان تک میسج آپ کے خط کے ذریعے پہنچ جاتا ہے۔ آپ کی پھوپی کی وفات کا بے حد افسوس ہے خدا انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے' آمین۔

روشنی فاطمہ .... کراچی

سوئٹ روشنی فاطمہ! ردا جلد ہی مارکیٹ میں آجاتا ہے اسی لئے دیر سے آنے والے لیٹر شائع نہیں ہوپاتے ہیں۔ بہرحال آپ کا لیٹر جنوری کے شمارے میں شامل کیا جارہا ہے۔ ناول کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ آپ کو نئے سال کی خوشیاں مبارک اور ڈھیروں دعائیں۔ اپنا بہت خیال رکھیں۔

بشریٰ طارق .... ٹوبہ ٹیک سنگھ

پیاری بشریٰ طارق! دسمبر کے شمارے کی پسندیدگی کا شکریہ۔ شازیہ مصطفیٰ اور سباس گل تک آپ کا پیغام آپ کی تحریر کے ذریعے پہنچ گیا ہے۔ ہماری بھی دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔ آپ ردا سے جڑی رہئے اور سندیسے میں شامل رہئے۔

زویا خان .... اشرف نگر

سوسوئٹ زویا خان! ردا پر مکمل تبصرہ خاص طور پر سلسلے وار ناولز پر آپ کا تبصرہ بہت ہی اچھا لگا۔ ہر کردار کے بارے میں آپ نے بہت محنت سے لکھا ہے جس کے ذریعے آپ کے پڑھنے کے شوق کا پتہ چلتا ہے۔ آپ ہر بار سندیسہ میں شرکت کریں۔ نیوایئر آپ کو مبارک ہو اس دعا کے ساتھ کہ یہ سال آپ کیلئے بہت خوشیاں لے کر آئے۔ قارئین! اب جلدی سے جنوری کے شمارے کے بارے میں لکھ ڈالئے' ردا کو آپ کے خطوط کا انتظار رہے گا۔

نوشی .... وہاڑی

ناول کی پسندیدگی کا بہت شکریہ۔ ناول نگاروں کی تحریریں جو کتابی شکل میں شائع ہوچکی ہیں اشتہار کے ساتھ ایڈریس اور فون نمبر لکھا ہوا ہے' آپ فون پر معلومات کرسکتی ہیں۔

حمیرا علی .... کراچی

سوئٹ حمیرا علی! آپ کا پُرخلوص خط ملا جسے پڑھ کر واقعی خوشی ہوئی۔ آپ کا دسمبر کے شمارے پر تبصرہ بہت ہی اچھا لگا۔ رائٹرز کی تحریروں کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ آپ ہر ماہ سندیسے میں شرکت کرتی رہئے۔ نیوایئر کی خوشیاں بہت مبارک' اپنا بہت خیال رکھئے۔ انہی احساسات کے ساتھ لکھتی رہئے۔ ہماری بھی دعا ہے کہ سرزمین پاکستان پر امن کی فضا قائم ہوجائے۔ یہ سال بہت ہی خوشیاں لے کر آئے آمین۔

ریما نور رضوان .... کراچی

پیاری ریما نور! آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ آپ ردا سے اپنا رشتہ ہمیشہ بنائے رکھئے' یہ آپ کا اپنا رسالہ ہے' ردا کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔

فرزانہ عمر دراز .... کراچی

سوئٹ فرزانہ! بالکل نئے لکھنے والوں کو ہم خوش آمدید کہتے ہیں' آپ بھی بالکل مایوس نہ ہوں۔ نئے سال کی ڈھیروں مبارکباد۔ آپ اپنی کزنز کو سرپرائز دینا چاہتی ہیں یقیناً آپ خود سرپرائز ہوگئی ہوں گی۔ آپ اپنی کوشش جاری رکھئے اور اپنا بہت خیال رکھئے۔

سیما سحر .... کراچی

سوئٹ سیما سحر! ہیپی نیوایئر۔ آپ کا محبت سے بھرا ہوا خط ملا۔ آپ جلدی اسٹوری مکمل کریں۔ آپ کیلئے ڈھیروں دعائیں۔ نوشابہ کو بہت مس کرتے ہیں' ان کی واپسی کا انتظار رہے گا۔ پُرخلوص محبت کا ایک بار پھر شکریہ' ردا سے منسلک رہئے' یہ آپ ہی کا ہے' اپنا بہت خیال رکھئے۔

تبسم فیاض .... کراچی

پیاری تبسم فیاض! ردا نئے آنے والے رائٹرز کیلئے ہی بنا ہے۔ یہ کبھی بھی آپ کو نظرانداز نہیں کرے گا۔ آپ اسی طرح سے لکھتی رہئے۔ آپ کی کاوش ردی کی ٹوکری میں نہیں پھینکی گئی' آپ کا بھیجا ہوا شعر اس میں شامل کر رہے ہیں۔

"سمیٹ لے سب کی ذہنی رو کو بھٹکنے سے اے ردا
چھپالے سب کو اپنے پرسکون آنچل میں اے ردا"

اب تو آپ خوش ہیں۔ آپ ردا کی تحریروں کے بارے میں بھی اپنی رائے کا اظہار کریں۔

ارم ناز .... سکھر

سوئٹ ارم ناز! ردا کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ آپ کی غزل دسمبر کے شمارے میں شائع ہوئی ہے یقیناً آپ نے پڑھ لی ہوگی۔ آپ کے رزلٹ کیلئے بیسٹ آف لک۔ لیٹر لیٹ ملا' آپ کوشش کریں کہ جلد از جلد تحریر کرکے پوسٹ کردیں' یہ سب قارئین کیلئے ہے۔ جیسے ہی ردا ہاتھ میں آئے آپ فوراً قلم اٹھائیے' خط لکھ دیجیے۔

ثمرین السلام الدین .... کراچی

پیاری ثمرین! ردا کیونکہ جلدی مارکیٹ میں آجاتا ہے اس لئے لیٹر پہلی تاریخ سے پہلے آپ بھیجئے' کہانیوں کیلئے تو آپ جتنی جلدی ہو بھیج دیجیے جیسے جنوری کی کوئی اسٹوری تھی تو وہ آپ کو نومبر کا اینڈ ہونے سے پہلے بھیجنی تھی۔ "دوستوں کے نام پیغام" اس کالم میں شامل ہونے کیلئے بھی آپ کو پہلی تاریخوں سے پہلے ہی پیغامات بھیجنے ہیں تاکہ جس مہینے آپ وش کرنا چاہیں آپ کرسکتی ہیں۔

قارئین! دیر سے ملنے والے خطوط کو بھی شامل کیا گیا ہے جو دسمبر میں شامل نہیں ہوسکے۔ جیسے ہی ردا آپ کو ملے آپ فوراً ہی دو دن کے اندر خط لکھ کر ارسال کریں تاکہ خط اسی مہینے میں شامل ہوجائیں' شکریہ۔

☆☆☆

دوستوں کے نام پیغام

سوئٹ سسٹر ساجدہ! ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔۔۔۔ کیسا لگا میرا سرپرائز۔ میری دعا ہے کہ یہ سال بھی تمہاری زندگی میں خوشیاں لے کر آئے اور جو تم اپنی زندگی میں حاصل کرنا چاہتی ہو وہ سب تمہیں حاصل ہو۔ نیک دعاؤں کے ساتھ تم ہمیشہ کامیاب رہو آمین۔

شائستہ زاہد۔۔۔۔۔ کراچی

☆☆☆

پیاری صالحہ آپی کے نام:

امید ہے خیریت سے ہوں گی۔ فون پر رابطہ نہیں ہوسکا میں نے کئی بار فون کیا تھا۔ آپ کی میٹھی آواز سنے بہت عرصہ ہوگیا۔ اب تو آپ سے ملنے کا بھی دل چاہ رہا ہے آپ کی گفتگو اور آپ کا شفقت بھرا لہجہ جو آپ کے نام کے ساتھ ہی دل و دماغ میں گردش کرنے لگتا ہے۔ اسی آواز اور لہجے کو میں بہت مس کر رہی ہوں۔ اپنا بہت خیال رکھیے گا' انشاء اللہ ملاقات بھی کروں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمتیں اور نعمتیں عطا کرتا رہے۔ اللہ حافظ۔

روشنی فاطمہ۔۔۔۔۔ کراچی

☆☆☆

السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب؟ میں فسٹ ٹائم ردا میں لکھ رہی ہوں امید ہے اگنور نہیں کیا جائے گا۔ ہمت کی اور میدان میں جھنڈے گاڑنے آ گئے۔ پیاری مس اسماء! میں آپ کو بے حد یاد کرتی ہوں آپ کے ساتھ گزرے وہ دن شدت سے یاد آتے ہیں' آپ شادی کے بعد اشرف سینٹر کیوں نہیں جوائن کر رہیں' میں اور میری بڑی سسٹر زہرہ آپ کو بہت مس کرتے ہیں' آپ کی وہ بے وفا سسٹر کیسی ہیں کشور میں آپ کو ابھی بھی یاد کرتی ہوں' اگر پیغام پڑھو تو پلیز کانٹیکٹ ضرور کرنا۔ انعم خان مجھ سے دوستی کرو گی؟ میں انتظار کروں گی جواب کا۔

زویا خان۔۔۔۔۔ اشرف نگر

☆☆☆

میری پیاری پیاری امی جان اور میری سوئٹ سسٹرز! میرے اچھے چھوٹے بھائیو! آپ سب کو میری جانب سے نئے سال کی آمد بہت بہت مبارک ہو' پرخلوص دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو آئندہ سال اور آنے والے بے شمار سالوں میں ڈھیروں خوشیاں' محبتیں اور کامیابیاں عطا کرے' آمین۔

نیا سال ہے خوشی یوں منائیں اب کے برس
کہ گیت امن کا سب مل کے گائیں اب کے برس
دلوں میں پھول اُگائیں نئی محبت کے
کدورتوں کو دلوں سے مٹائیں اب کے برس
کرو کچھ اب کے بہاروں کا ایسا استعمال
بہاریں آئیں تو آ کر نہ جائیں اب کے برس

سحر۔۔۔۔۔ کراچی

☆☆☆

سوئٹ حنا نسیم! آپ سے فون پر بات ہوئی تو

معلوم ہوا کہ آپ کی برتھ ڈے جنوری میں ہے۔ ردا کے پورے اسٹاف کی طرف سے آپ کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ آپ ردا کی مستقل قاری ہیں۔ اللہ آپ کو نئے سال کی آمد کے ساتھ بہت سی خوشیاں نصیب کرے' آمین۔

شائستہ زاہد۔۔۔۔۔ کراچی

☆☆☆

السلام علیکم ڈیئر چاندنی! 15 دسمبر کو میری پیاری سی نند پلس دوست کی سالگرہ ہے تو میں مہوش کو ردا کے توسط سے Happy Birthday کہوں گی۔ میری دعا ہے کہ تم ہمیشہ ہمیشہ خوش رہو۔ اللہ پاک تمہاری ہر جائز تمنا اور دعا قبول کرے۔ رب تمہیں ڈھیروں خوشیاں دے' آمین۔

یہ لائن مہوش تمہارے لئے۔

خدا نصیب کرے تجھے اتنی خوشیاں
ہر دن چڑھے مبارک ہر شب بخیر گزرے

تمہاری ریما بھابی۔۔۔۔۔ کراچی

☆☆☆

السلام علیکم صالحہ آپی اینڈ ردا اسٹاف۔ صالحہ آپی! میں ردا میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں امید کرتی ہوں ردا میں جگہ لازمی ملے گی۔ ردا ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے انسان اپنے پیاروں کو دور رہ کر بھی خوشیاں دے سکتا ہے۔ خط لکھنے کی بھی یہی وجہ ہے کیونکہ میری آپی (ثمرین) جو کہ ہمارے ساتھ نہیں رہتی ہیں ان کی 12 دسمبر کو سالگرہ ہے میں نے سوچا کہ ردا کے ذریعہ وش کر کے انہیں سرپرائز دیا جائے کیونکہ انہیں بالکل امید نہیں ہوگی کہ میں ردا کے ذریعے انہیں وش کر سکتی ہوں لیکن آپی کیلئے میری طرف سے سرپرائز ہوگا۔ تو میری پیاری آپی کیسا لگا میرا سرپرائز' ضرور بتانا۔ Happy birthday to you

پیاری آپی! آپ کیلئے دل سے دعا کرتی ہوں۔

میری دعا ہے آپ سدا مسکراتی رہیں
ہر پل رہیں ساتھ تاروں کی طرح جگمگاتی رہیں
ہر خوشی ہو میسر آپ کو عمر بھر
پھولوں سے اپنا آنگن ہر پل مہکاتی رہیں

میری طرف سے تم کو دل کی گہرائیوں سے نیا سال مبارک ہو۔

نئے سال تم جب بھی آنا
سب کیلئے بس خوشیاں لانا
ہر چہرے پر ہنسی سجانا
ہر آنگن میں پھول کھلانا
جو روتے ہیں انہیں ہنسانا
جو بچھڑے ہیں انہیں ملانا
جو روتے ہیں انہیں ہنسانا
جو سوتے ہیں انہیں جگانا
جو روٹھے ہیں انہیں منانا
نئے سال تم جب بھی آنا
سب کیلئے بس خوشیاں لانا

اس کے ساتھ ہی اللہ حافظ' دعا گو اور دعاؤں کی طلب گار۔

رضوانہ عمر۔۔۔۔۔ کراچی

☆☆☆

سوئٹ کائنات فیصل! سب سے پہلے تو منگنی طے ہونے کیلئے مبارکباد اور میں بالکل بھی اب ناراض نہیں ہوں اور میں ضرور آؤں گی۔ مجھے بہت خوشی ہوئی کہ ردا کے ذریعے تم نے اپنی خوشی مجھ سے شیئر کی اور ہماری ناراضگی بھی ردا کے ذریعے ختم

ہوئی۔ گھر میں سب کو سلام۔

ماہین ملک ...... لاہور

☆☆☆

سوئٹ شازیہ جی! آپ کو بہت بہت شادی کی مبارکباد۔ مجھے اور میری فرینڈز کو بہت خوشی ہوئی کہ ہماری سوئٹ سی رائٹر کی شادی ہو گئی ہے۔ ہماری بیسٹ وشز آپ کے ساتھ ہمیشہ رہیں گی اور دعا ہے کہ اللہ آپ کے قلم میں اور نکھار پیدا کرے' آمین۔

عائبہ نیازی ...... ربوہ

☆☆☆

پیاری کزن آمنہ! میں آپ کو بہت مس کر رہی ہوں' اس نیو ایئر پر پلیز تم ہمارے گھر ضرور آؤ' میں تمہارا انتظار کروں گی اور چھوٹی صبا کو بھی ساتھ لے کر آنا۔

کرن ناز ...... بہاولپور

☆☆☆

السلام وعلیکم تمام ریڈرز اور رائٹرز اور تمام اسٹاف کو۔ صالحہ آپی! میں آپ کو تو بالکل بھی نہیں بھول سکتی' یقیناً میرا افسانہ شائع کر کے اور پھر بعد میں بھی جگہ دے کر زندگی کو کچھ اور طریقہ بھی سکھا دیا جس کیلئے شکریہ۔

واقعی دوستوں کے نام پیغام سلسلہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے یوں لگا جیسے گھر میں کسی چیز کی سہولت ہو گئی ہو' میری کزن فرزانہ کی برتھ ڈے 8 نومبر کو آتی ہے فرزانہ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو' تو کیسا لگا میرا سرپرائز۔ میری دعا ہے ہمیشہ تم خوش رہو ہمیشہ کامیابیاں دیکھو۔

اور دوسری جانب میری آنٹی اور دو ماموؤں کی شادی بھی نومبر میں ہو رہی ہے اس نئے سلسلے کے ذریعے ان کو مبارکباد دیتی ہوں' بچی سے میں بہت خوش ہوں ویسے اس کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے اچھا شادی کی بہت بہت مبارکباد' ممانی دونوں کو خوش آمدید انکل یا خالو جو بھی کہو آپ کو بھی نہیں تو آنٹی کو برا لگے گا کہ آپ کو نہیں کیا اور مجھے بھی وش کر لینا' ویسے میں مناؤں گی برتھ ڈے اپنا مگر یاد کر لینا 12 دسمبر کو' بچی خوش ہو جائے گی۔ اچھا بھئی اللہ حافظ۔

ثمرین ...... کراچی

☆☆☆

سباس گل! مجھے آپ کی تحریریں بہت پسند ہیں۔ میں ردا کے ذریعے آپ کو شادی کیلئے اسپیشل وش کرنا چاہتی ہوں۔ آپ پلیز اپنا انٹرویو ضرور دیجیے' ہمیں آپ کے انٹرویو کا بے چینی سے انتظار رہے گا۔

مونا خان ...... لاہور

☆☆☆

سوئٹ صالحہ آپی اینڈ ردا اسٹاف السلام وعلیکم! پُرخلوص دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے امید واثق ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے۔ یہ میری پہلی کوشش ہے پلیز صالحہ آپی مایوس نہیں کیجیے گا۔ آج دل چاہا کیوں نہ "دوستوں کے نام پیغام" میں انٹری دی جائے' اس کی بھی وجہ ہے اور وہ وجہ میری پیاری آپی + کزن + دوست ثمرین اسلام الدین ہیں جن کی 12 دسمبر کو برتھ ڈے ہے تو ہم نے سوچا کیوں نا ردا کے ذریعے وش کر کے انہیں حیران کیا جائے' تو میری پیاری آپی Happy birthday to you

مبارک ہو تمہیں یہ دن
تمہاری سالگرہ ہے آج
مناؤں خوشیاں جی بھر کے
تمہاری سالگرہ ہے آج
چلو تم سنگ سب کے
قدم ملا کے قدم سے
خدا کا نام لے کر تم
آغازِ زندگی کرنا

میری پیاری آپی اینڈ سوئٹ صالحہ آپی کیلئے جو یقیناً آپ دونوں کو پسند آئے گی۔

"دعا"

میں اک دعا کروں
میں رب سے التجا کروں
تم خوش رہو
تم شاد رہو
تمہارے دل کا آنگن آباد رہے
تم پھولوں کی مانند کھلا کرو
تم ہر پل ہنسا کرو
تمہاری آنکھوں میں کبھی نمی نہ ہو
تمہیں کسی چیز کی کمی نہ ہو
تمہاری رَد کبھی دعا نہ ہو
تمہارے لبوں پر کوئی صدا نہ ہو
تمہیں بن مانگے عطا وہ کرے
تمہاری معاف ہر اک خطا کرے آمین

شبانہ اسلم ...... کراچی

☆☆☆

السلام وعلیکم صالحہ آپی اینڈ ردا اسٹاف! ردا میں دوسری بار شرکت کر رہی ہوں اور امید رکھتی ہوں کہ انشاء اللہ آئندہ بھی شرکت کروں گی۔ ردا ماشاء اللہ بہت اچھا جا رہا ہے اور ہم جیسے نئے لکھنے والوں کیلئے ایک زبردست پلیٹ فارم۔ ردا کے بھی مستقل سلسلے اچھے جا رہے ہیں اور نئے لکھنے والے بھی اچھا لکھ رہے ہیں۔ باقی میں آپ کی شازیہ مصطفیٰ' قمروش' سعدیہ عابد اور باقی سب رائٹرز کیلئے دعا گو ہوں کہ ردا سدا پھلے پھولے اور اس کو کبھی کسی کی نظر نہ لگے (آمین) اور اب خط لکھنے کی اصل وجہ کی طرف آتی ہوں۔ اصل وجہ میری آپی (ثمرین السلام الدین) ہیں کیونکہ 12 دسمبر کو ان کی سالگرہ ہے میں نے سوچا ردا کے ذریعے وش کروں کیونکہ وہ ردا بہت شوق سے پڑھتی ہیں اور لکھتی بھی ہیں۔ ایک محبت بھری غزل آپی آپ کیلئے' یقیناً آپ کو پسند آئے گی۔

"کوئی چاند ستارہ ہے
کوئی پھول سے پیارا ہے
کوئی خوشی کا اشارہ ہے
کوئی دل کا سہارا ہے
تمہیں اتنا بتانا ہے
وہ نام تمہارا ہے"

اور دل کی گہرائیوں سے تم کو

Happy Birthday to you

"پھول اور خوشبو چاند اور تارے
سارے مل کر شاد ہے نا
آج تمہاری سالگرہ ہے
دیکھو ہم کو یاد ہے نا"

اس کے ساتھ مجھے اجازت دیں' اللہ نگہبان۔

فرزانہ عمر دراز ...... کراچی

☆☆☆

نوٹ: قارئین! لیٹ ملنے والے پیغامات بھی شامل اشاعت ہیں۔ آپ اپنے پیغامات جلد سے جلد ارسال کرنے کی کوشش کریں کیونکہ ردا جلدی مارکیٹ میں آجاتا ہے۔ آپ پہلی تاریخ سے پہلے ہی اپنے پیغامات ارسال کیجیے تاکہ جس ماہ کا پیغام ہو اسی ماہ شامل اشاعت ہو جائے۔

☆☆☆

باتیں صحت کی

مونگ پھلی

مونگ پھلی کی تاثیر گرم اور خشک ہوتی ہے اسے ہر شخص ہی شوق سے کھاتا ہے' جاڑوں کی راتوں میں گرما گرم مونگ پھلی کھانے کا مزہ ہی الگ ہے۔ مونگ پھلی کا تیل بے حد فائدہ مند ہے اس میں بھر پور غذائیت موجود ہوتی ہے۔ یہ جسم کی افزائش کیلئے بے حد مفید ہے لیکن اس کا استعمال بہت زیادہ بھی نہیں کرنا چاہیے۔ دبلے افراد کیلئے یہ فائدہ مند ہے کہ استعمال سے وزن میں اضافہ ہوتا ہے لیکن موٹے افراد کو اس کا استعمال احتیاط سے کرنا چاہیے کیونکہ اس کے تیل کی کثرت سے وزن بڑھ سکتا ہے۔

بادام

یہ انتہائی غذائیت بخش خشک میوہ ہے۔ ان کی تاثیر بھی گرم ہے۔ اس کا استعمال ہم روزمرہ کے پکوان میں خاص طور پر سوئٹ ڈش میں ضرور کرتے ہیں۔ بادام ٹانک کا کام کرتا ہے۔ زمانہ قدیم سے بادام کا استعمال خوبصورتی کیلئے موزوں سمجھا جاتا ہے۔ یہ رنگت کو صاف کرتا ہے۔ خاص طور پر اعصابی تناؤ کم کرتا ہے۔ قوت یادداشت کو بڑھانے کیلئے اس کا استعمال نہایت مفید ہے۔ اس میں پروٹین' نشاستہ اور روغن ہوتا ہے جو جسم کو توانائی بخشتا ہے۔ یہ آنکھوں کیلئے بہترین ٹانک ہے۔ بلڈ پریشر کے مریض اس کا زیادہ استعمال نہ کریں۔ روغن بادام قبض کو دور کرتا ہے۔

اخروٹ

اخروٹ گرم اور خشک ہوتا ہے۔ یہ طاقت بخش غذا ہے' اس کے استعمال سے چربی میں اضافہ ہوتا ہے' یہ دماغ کو طاقت بخشتا ہے' اس کا بہت زیادہ استعمال نقصان کا باعث بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے زیادہ استعمال سے بدہضمی کی شکایت ہو سکتی ہے۔ اخروٹ دانتوں اور مسوڑھوں کیلئے مفید ہے۔

پستہ

پستہ دل اور دماغ کو قوت بخشتا ہے' یہ حافظہ کو تیز کرتا ہے' کھانسی کیلئے مفید ہے' اس کا استعمال سوئٹ ڈش میں بہت ہوتا ہے' یہ آنتوں کو قوت دیتا ہے۔

چلغوزہ

چلغوزہ کی تاثیر گرم ہوتی ہے۔ یہ موسم سرما کا ایک مزیدار میوہ ہے' یہ بے حد مفید میوہ ہے یہ جسم کو قوت بخشتا ہے' اس کا استعمال بھی حد سے زیادہ نہیں کرنا چاہیے' جگر کی بیماریوں میں اس کا استعمال مفید ہے۔

چھوہارے

یہ خشک تاثیر رکھتے اور گرم ہوتے ہیں' اس کا استعمال کھانوں میں بہت کیا جاتا ہے' یہ جسم کو قوت بخشتا ہے' جسم میں خون کی کمی کو پورا کرتا ہے' اگر چھوہارے دودھ میں بھگو کر صبح نہار منہ کھالیں تو یہ آپ کو خوبصورتی اور شادابی مہیا کرے گا' اس سے چہرے کی رنگت نکھر جاتی ہے' یہ دبلے جسم کیلئے بہت ہی فائدہ مند ہے' یہ جسم کو موٹا کرتا ہے' چھوہارہ کیونکہ میٹھا ہوتا ہے اس لیے ذیابیطس کے مریضوں کو اسے احتیاط سے استعمال کرنا چاہیے' یہ جوڑوں کے درد کیلئے مفید ہے۔

ثریا اقبال

کچن

کوفتے کا بادامی سالن

اجزاء:

گوشت (گائے یا بکرے کا): 1/2 کلو
پسی ہوئی مرچ: حسب ضرورت
ادرک: 1 کھانے کا چمچ (چوپ کیا ہوا)
لہسن: 4 جوئے (چوپ کیا ہوا)
خشخاش: 1 چائے کا چمچ
بھنا بیسن: 1 کھانے کا چمچ
پسا ہوا گرم مصالحہ: 1/2 چائے کا چمچ
پسی ہوئی جائفل جاوتری: چٹکی بھر
بادام: 12 عدد
پیاز (درمیانی): 1 عدد
ہری مرچیں: 2 عدد
ہرا دھنیا: 1/4 گڈی
انڈہ: 1 عدد
نمک: حسب ذائقہ

ترکیب: بلینڈر میں انڈے کے علاوہ کوفتے کے تمام اجزا ڈال کر بلینڈ کرلیں۔ آمیزے کو پیالے میں نکالیں اور انڈہ ڈال کر ملالیں۔ تھوڑا سا قیمہ لے کر درمیان میں ایک بادام رکھ کر بال بنالیں۔ اس عمل کو دہراتے ہوئے باقی کوفتے بھی بنالیں۔ بلینڈر میں دہی' پیاز اور بادام ڈال کر بلینڈ کرلیں۔ دیگچی میں تیل گرم کرکے دہی کا آمیزہ 5 منٹ تک پکائیں۔ اس میں دھنیا' نمک' کالی مرچ' ہلدی لال مرچ اور زیرہ ڈال کر ابلنے تک پکائیں۔ آنچ ہلکی کریں اور دیگچی میں ایک ایک کر کے کوفتے ڈالیں اور ڈھکن ڈھانک کر مزید 10 منٹ تک پکائیں۔ تیار ہونے پر گہری ڈش میں نکالیں اور ہرے مصالحے سے سجا کر پیش کریں۔

کالی مرچ والی مرغی

اجزاء:

مرغی (بغیر ہڈی): 1/2 کلو
پیاز (باریک کٹی ہوئی): 1 عدد
کالی مرچ (کٹی ہوئی): 1 کھانے کا چمچ
سویا ساس: 2 کھانے کے چمچ
لیموں کا رس: 2 کھانے کے چمچ
گرم مصالحہ (پسا ہوا): 1 چائے کا چمچ
چینی: 1/2 چائے کا چمچ
نمک: حسب ذائقہ
تیل: 2 کھانے کے چمچ

ترکیب: بلینڈر میں تیل اور مرغی کے ٹکڑوں کے علاوہ تمام اجزا بلینڈ کرلیں۔ ایک پیالے میں مرغی کے ٹکڑے ڈالیں اور پسا ہوا آمیزہ اچھی طرح سے لگا کر آدھے گھنٹے کیلئے رکھ دیں۔ دیگچی میں تیل گرم کریں اور مرغی کے ٹکڑے بمعہ آمیزہ اس میں شامل کردیں۔ مرغی کو ہلکی آنچ پر سنہری رنگ آنے تک پکائیں اور گرم گرم پیش کریں۔

کھٹے آلو

اجزاء:

آلو (چھوٹے سائز کے): 1 کلو
سفید زیرہ (بھنا اور پسا ہوا): 1/2 کھانے کا چچ
ہرا دھنیا (باریک کٹا ہوا): 1/2 گٹھی
املی کا گاڑھا رس: 1 پیالی
کالی مرچ (کٹی ہوئی): 1 چائے کا چچ
تیل: 1 پیالی
لال مرچ (کٹی ہوئی): 1 کھانے کا چچ
چینی: 1 چائے کا چچ
ہری مرچ (باریک کٹی ہوئی): 3 عدد
پودینہ (باریک کٹا ہوا): 1/2 گٹھی
رائی (پسی ہوئی): 1 چائے کا چچ
لیموں: 2 عدد
نمک: حسب ذائقہ

ترکیب: آلو کو اچھی طرح سے دھو کر ایک دیگچی میں پانی کیساتھ ڈال کر ہلکی سی بھاپ لے لیں۔ پھر چھلکا اتار لیں اور ٹکڑے کر لیں۔ ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں۔ آلو تل لیں۔ کڑاہی میں تلے ہوئے آلو اور سارے مصالحے ڈال کر ہلکا سا بھون کر دس منٹ کیلئے دم پر رکھ دیں۔ مزیدار کھٹے آلو کو گرم گرم پوری کیساتھ پیش کریں۔

میدے کے پراٹھے

اجزاء:

میدہ: 1/2 کلو
گھی (جما ہوا): 4 کھانے کے چچ
انڈہ: 1 عدد
پانی یا دودھ گوندھنے کے لیے:
تیل یا گھی تلنے کے لیے:
نمک: حسب ذائقہ

ترکیب: میدہ چھان کر اس میں نمک، گھی، انڈہ مکس کر کے نیم گرم پانی یا دودھ سے گوندھ لیں۔ پراٹھوں کے آٹے کو سخت رکھیں۔ آٹے کو دس سے پندرہ منٹ کیلئے کپڑے سے ڈھک کر رکھ دیں۔ چھوٹے پیڑے بنا لیں اور پھر پراٹھے بیل کر کڑھائی میں گھی یا تیل گرم کر کے ہلکی آنچ پر تل لیں۔ پراٹھے تیار ہیں۔ انہیں ٹماٹر کی چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

خشخاش کا حلوہ

اجزاء:

دودھ: 1 پیالی
سوکھا دودھ: 2 پیالی
کھویا: آدھی پیالی
کھوپرا (پسا ہوا): 1 پیالی
چینی: 2 پیالی
گھی: 1 پیالی
الائچی (پسی ہوئی): 1 کھانے کا چچ
بادام: 10 عدد
کشمش: 2 کھانے کے چچ
ناریل کا پانی: آدھی پیالی

ترکیب: سب سے پہلے خشخاش کو پانی میں بھگو دیں اور 5-6 گھنٹے کیلئے رکھ دیں، اب اس کا پانی پھینک دیں اب بلینڈر میں دودھ اور ناریل کا پانی ڈال کر یکجان کر لیں، اب ایک بڑی کڑاہی میں گھی گرم کریں اور خشخاش شامل کر کے رنگ بدل جانے تک پکائیں۔ اب اس میں دودھ اور ناریل والا آمیزہ ڈال کر گاڑھا ہونے تک پکائیں۔ اب اس تیار حلوے کو کسی ڈش میں نکالیں اور اوپر سے بادام، کھویا، کشمش، الائچی ڈال کر ٹھنڈا کر لیں۔ مزیدار حلوہ تیار ہے۔

☆☆☆☆

شہلا مشائق

سنگھار

تلوں کا خاتمہ

تلوں کو ختم کرنے کے لیے کھٹی لسی سے روزانہ چہرے کو خوب زور زور سے مل کر دھونا چاہیئے، اس سے بھورے رنگ کے تل ہلکے ہو جاتے ہیں یا پھر خالص گلیسرین لے کر عرق گلاب میں ملا کر چہرے پر آہستہ آہستہ ملتی رہیں، ایک گھنٹے کے بعد تازہ پانی سے چہرے کو دھو لیں اس سے بھی بھورے رنگ کے تل ختم ہو جاتے ہیں۔

چہرے کی خشکی دور کرنے کے لئے

پہلے بادام پانی میں بھگوئیے اور پھر رگڑ کر چہرے پر لگائیں جب خشک ہو جائے تو انگلیوں سے مل مل کر اتار دیں پھر پانی سے دھو ڈالیں چہرے کی خشکی دور ہو جائے گی۔

جھریوں کا خاتمہ

چہرے پر پھیلی ہوئی جھریوں کے خاتمے کے لیے چہرے پر انڈے کی سفیدی مل لیں اور پانچ منٹ کے بعد پانی گرم کر کے منہ دھوئیں تو چہرے کی جھریاں دور ہو جائیں گی اور چہرے کی دلکشی میں نکھار پیدا ہو جائے گا۔

گندمی رنگت کو سفید کریں

اگر آپ کے چہرے کی رنگت گندمی ہے اور آپ اسے سفید کرنا چاہتے ہیں تو مکئی اور جو کا آٹا ہم وزن لے کر گرم پانی میں بھگو دیں، پھر آدھے لیموں کا رس ملائیں اور لئی سی بنا کر چہرے اور گردن پر ملیں، آدھے گھنٹے کے بعد نیم گرم پانی سے دھوئیں، یہ عمل ہفتے میں دو بار کریں، اس کے علاوہ آرڈنیا بلیچ کریم بھی ہفتے میں تین بار ضرور استعمال کریں، اس سے چہرے کی گندمی رنگت نمایاں طور پر سفید ہو جاتی ہے۔

جلد کو صاف اور محفوظ رکھیں

ایسی خواتین جن کی جلد سانولی ہوا نہیں چاہیئے کہ وہ تھوڑی سی چنے کی دال بھگو کر پیس لیں اور اسے دودھ میں حل کر کے اس کی لئی سی بنا لیں اور چہرے پر ملتی رہیں، پندرہ بیس منٹ روزانہ

ملنے کے بعد چہرے کو تازہ پانی سے دھو ڈالیں' چہرے کی رنگت کچھ عرصہ کے بعد رنگ نکھر آئے گی۔ تربوز کے پانی سے چہرہ دھونے سے بھی نکھر آتا ہے۔ جلد کو موسموں کے تغیر و تبدل سے محفوظ رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک تازہ انڈے کو پھینٹ کر اس میں ایک چھٹانک عرق گلاب آدھی چھٹانک گلیسرین اور دو قطرے ٹنکچر بنزائن آدھا چمچ جو کا عمدہ میدہ اور ایک سنگترے کا رَس ملائیں' سب چیزوں کو خوب حل کر کے کسی صاف ستھری بوتل میں بند کرلیں اور شام کے وقت اس کا ایک چمچ پانی میں ملا کر چہرے پر لگائیں' چند منٹ بعد چہرہ صاف کرلیں' اس سے جلد بہت حد تک محفوظ رہتی ہے۔

بالوں کو لمبا کرنا

لمبے بال خوبصورتی کی علامت سمجھے جاتے ہیں اور ہر عورت کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کے بال لمبے ہوں۔ بال لمبے کرنے کا ایک بہترین دیسی نسخہ یہ ہے کہ بیری کے پتوں کی جھاگ ہفتے میں دو بار استعمال کی جائے۔ اس سے بال لمبے ہو جاتے ہیں یا ناریل کے تیل میں لیموں کا عرق ملا کر دن میں تین چار مرتبہ مساج کریں یا نیم کے پتوں کو اچھی طرح سے ابال کر اس کے پانی سے سر دھوئیں۔ چائے کے بنانے کے بعد اس کی پتی کو نہ پھینکیں بلکہ اس میں اور پانی ڈال کر جوش دے لیں اور پھر اُسی کے پانی سے سر دھوئیں تو بال لمبے اور چمکدار ہوں گے۔ ایک دوسرا نسخہ یہ ہے کہ آملہ ایک پاؤ سیکا کائی ایک پاؤ اور ریٹھا ایک پاؤ لے کر سب کو الگ الگ پیس لیں' جب بھی بال دھونے کے لیے بیٹھیں تو ایک کلو پانی میں تینوں سفوفوں کا ایک ایک بڑا چمچ ڈال کر ابال لیں۔ جب پانی آدھے کے قریب خشک ہو جائے تو بچے ہوئے پانی سے دھو لیں۔ کچھ دیر کے بعد صاف پانی لے کر اس سے بالوں کو دھولیں۔ اس طریقے سے آپ کے بال لمبے ہو جائیں گے جو کہ خوبصورتی کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔

رنگت نکھاریے

رنگت نکھارنے کے لیے رات کو اصلی شہد اور بالائی دونوں ملا کر چہرے پر لگائیں۔ اس سے دانے کے جو داغ چہرے پر ہوں گے وہ بھی صاف ہو جائیں گے اور رنگت بھی خوب نکھر آئے گی۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ نَوے چَھُو دکچے دودھ میں باریک پیس کر چہرے پر ملنے سے بھی رنگت نکھر جاتی ہے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ لیموں کا رس ایک تولہ' روغن زیتون دو تولے' روغن بادام ایک تولہ تینوں کے آمیزے کو رات کو سوتے وقت چہرے اور ہاتھوں پر ملیں چند دن میں رنگت نکھر جائے گی۔